JAF & CO.
Plot # 43/4 Q-2 Block 6,
PECHS Near Jheel Park
Karachi.

خون کی ہولی

رئیس احمد جعفری

مقبول اکیڈمی
ادبی مارکیٹ نزد چوک اردو بازار لاہور

جملہ حقوق محفوظ ہیں

طبع دوم — سنہ ۱۹۶۸ء
اہتمام — ملک مقبول احمد
مطبوعہ — پنجاب پریس لاہور
قیمت — آٹھ روپے

مقبول اکیڈمی لاہور

خون کی ہولی

حصہ اوّل

جبل پور

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے مسلمان ہونا!

○

تمہید

جبل پور میں بھی مسلمانوں پر بے گناہ، بے خطا اور امن پسند مسلمانوں پر قیامت گزر گئی، اک ذرا سی بات پر

وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہیں

وہ بات ان کو بہت ناگوار گزری ہے

نہتے اور قلیل التعداد اور اکثریت سے مرعوب اور دہشت زدہ مسلمانوں کا شکار شروع ہو گیا۔ نہ معصوم بچوں کو رہائی ملی نہ بے گناہ عورتوں کو، نہ راہگیروں کو، نہ پردیسیوں کو، نہ بوڑھوں کو، نہ بیماروں کو، نہ مسجدوں کو، نہ خانقاہوں کو۔ قتل و غارت، لوٹ مار بندوق، چھری، چاقو، تلوار، دستی بم، غرض زندگی کو چھین لینے والی ہر چیز کا بے محابا استعمال کیا گیا اور لاشوں کا ڈھیر لگا دیا گیا۔ خون کی ندیاں جاری ہو گئیں مسجدوں اور خانقاہوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔

یہ جبل پور ———

جبل پور مسلمانوں کا بسایا ہوا شہر ہے۔ اس کا نام ہی اس حقیقت کا پکار پکار کر اعلان کر رہا ہے یہاں عرصہ دراز تک مسلمانوں نے جاہ و جلال اور صولت و سطوت کے ساتھ حکومت کی۔ ان کی تہذیب، ان کی ثقافت اور ان کے تمدن کے آثار یہاں کے چپہ چپہ سے عیاں ہیں۔ آج بھی جبلپور میں کتنے اعلےٰ وارفع خاندان ہیں جو اس تہذیب و ثقافت سے اثر پذیری کے نقوش اب تک نہیں مٹا سکے۔ "چٹنس" کا نام تو آپ کے کان میں بارہا پڑا ہوگا۔ یوں سمجھ نہ آئے تو لیلا چٹنس کے نام سے تو آپ ناواقف نہیں ہو سکتے۔ ذرا غور تو کریں یہ "چٹنس" کیا ہے؟ یہ چٹ نویس ہے جو مرور ایام سے چٹنس بن گیا۔ یہ لوگ شاہی زمانے میں سرکاری چٹھیاں اور شقے لکھا کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ اسی نام سے خاندان پکارا جانے لگا۔ جیسے شاہی زمانے میں کوئی قاضی کے منصب پر فائز تھا لیکن اس کی اولاد آج تک "قاضی" کے نام سے پکاری جاتی ہے اسی طرح "حجر نویس" یہ لوگ سنگ مرمر کی سلوں اور لوحوں پر لکھا کرتے تھے۔ حجر نویس بن گئے۔ تلاش سے کام لیا جائے تو اس طرح کی بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں۔

مسلمانوں کے دور حکومت میں ہندو اور مسلمان مل جل کر رہتے تھے۔ مسلمانوں کا دور ختم ہوا انگریز آئے، تب بھی آپس کی یگانگت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ انگریز چلے گئے ہندوستان آزاد ہوا اور ہندوستان کے آزاد ہوتے ہی فرقہ پرستوں کا وہ طبقہ آیا جسے اپنی سربلندی صرف اس طرح نظر آئی کہ عوام کے جذبات کو زیادہ سے زیادہ بھڑکا کر تعصب، ناروا داری اور قوم پرستی کا زیادہ سے زیادہ اور غلط ترین مظاہرہ کر کے اپنے لئے اقتدار کا رستہ پیدا کیا جائے ـــــ اقتدار حاصل کرنے کی آسان ترکیب تھی۔

خدمت کر کے، ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ کر، دکھی انسانیت کے کام آکر۔ ایثار قربانی اور تپاک کا مظاہرہ کر کے، دکھ اٹھا کر، تکلیفیں جھیل کے، ملت اور قوم کی پر خلوص خدمت کر کے اقتدار کا رستہ پیدا کرنا بہت مشکل تھا۔ بہت دیر طلب تھا۔

—— کون جیتا رہے تری زلف کے سر ہونے تک

لیکن یہ راستہ تعصب، تنگدلی اور فرقہ پرستی کا راستہ بہت آسان اور بہت مختصر تھا۔ جاہل، ان پڑھ، اور ناواقف عوام کو مذہب اور قوم پر چند گرما گرم، نظر فریب، چند اشتعال انگیز ہیڈ لائنوں، پوسٹروں، مضمونوں اور کتابچوں کو ہاتھ میں لے لینا انہیں قتل و غارت اور کشت و خون پر آمادہ کر لینا بہت آسان تھا۔ یہی آسان کام ان لوگوں نے ہندوستان بھر میں اختیار کیا اور کامیاب ہوئے۔ انہوں نے اتنی طاقت حاصل کر لی کہ حکومت تک ان کے سامنے بے بس ہو گئی۔ کیونکہ "ووٹ" انہی عوام سے لینا تھا اور یہ عوام غنڈہ بازی کی بجائے گرم گرم باتوں کے خوگر بنائے گئے تھے۔ اور یہ پونجی حکومت کے پاس تھی لیکن اسے اپنے ضمیر کے سامنے جواب دہ ہونا تھا۔ اسے دنیا کو منہ دکھانا تھا۔ وہ اشتعال انگیزی اور فرقہ پرستی اور مسلم آزاری کی تبلیغ و تلقین کس طرح کر سکتی تھی۔

حکومت کی اس کمزوری کو محسوس کر کے فرقہ پرستوں نے اور زور پکڑا اور جہاں جو چاہا کر ڈالا۔ پولیس بھی عوام ہی کا ایک حصہ تھی اسے بھی ان کا ساتھ دینا تھا اور ساتھ دینے کا فائدہ بھی تھا۔ فوج کی بھی یہی کیفیت تھی۔ دنیا ہنستی رہی مسلمان چیختے رہے، مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔

شروع شروع میں جب تقسیم ہند کا زخم تازہ تھا۔ ہندوستان کے مسلمان اکثر

ہدف ستم بنائے گئے تو گو اخلاقی اور انسانی اعتبار سے یہ بات نامطبوع اور نامرغوب تھی لیکن بہرحال تعجب خیز نہ تھی۔ مہاسبھا، جن سنگھ اور سردار پٹیل کی رہنمائی میں ہندو کانگریس کے ایک نامعقول گروہ نے فضا اتنی تاریک اور ہندو عوام کے جذبات اس درجہ مشتعل کر دیے تھے کہ جو نہ ہو جاتا وہ کم تھا۔ چنانچہ بہت کچھ ہوا اور مسلمان برداشت کرتے رہے۔

زور ہی کیا تھا جفائے باغباں دیکھا کئے
آشیاں لٹتا رہا ہم ناتواں دیکھا کئے

رفتہ رفتہ یہ زور کم ہوا۔ اس جوش میں ٹھہراؤ پیدا ہوا۔ فسادات پھر بھی ہوتے رہے مسلمانوں کے کشت و خون کا سلسلہ اب بھی جاری رہا اور شہروں، دیہاتوں اور قصبوں میں ذرا ذرا سی بات پر ہلڑبازی، آتش زنی، لوٹ مار کا سلسلہ برابر قائم رہا لیکن بھرپور پیمانہ پر ایک ریلا اور ــــــ اس ریلے میں جیسے مرنا تھا مر گیا، قتل ہوگیا مٹ گیا، لیکن جیسے ہی ریلا ختم ہوا حالات پھر معمول پر آ گئے۔

اس طرح لشتم پشتم، تیرہ سال گزر گئے

تیرہ سال!

یہ مدت کم نہیں ہوتی۔ اس مدت کے بھی معمولی فسادات اور کشت و خون اور لوٹ مار کے اعداد و شمار فراہم کئے جائیں تو کافی لرزہ خیز ہوں گے لیکن بہرحال زمانے کی گردش اپنا کام کرتی رہی۔ زخم لگتے رہے اور بھرتے رہے گریباں چاک ہوتے رہے دل پر گھاؤ اور چرکے لگتے رہے اور ماہ و سال کی گردش ان کے لئے مرہم بنتی رہی۔

رفتہ رفتہ یہ بات حکومت کے دل سے اور مسلمانوں کے دماغ سے محو ہوتی گئی کہ

گڑھ مکتیشر، بہار اور مشرقی پنجاب کی تاریخ پھر دہرائی جا سکتی ہے۔

جن ہولناک، لرزہ خیز اور انتہائی "ننگ انسانیت واقعات وحوادث" کو تیرہ سال کی طویل مدت گزر چکی ہے ہندوستان کے کسی شہر میں پھر ان کا اعادہ کیا جا سکتا ہے۔

لیکن ایک روز دفعتہً زبان برق نے ساری دنیا کو خبر سنائی کہ جبل پور میں فساد ہو گیا۔ مسلمانوں کے قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا۔

جگر فگار اور تہلکہ خیز خبریں

کس کس طرح ستاتے ہیں یہ بُت ہمیں نظام
ہم ایسے ہیں کہ جیسے کسی کا خدا نہ ہو

جبل پور میں فرقہ وارانہ فساد

شروع میں خبر رساں ایجنسیوں کی طرف سے جو اطلاع آئی وہ بہت مختصر تھی۔
۴ فروری ۱۹۶۱ء شہر جبل پور میں دو فرقوں کے درمیان شدید تصادم کے باعث صورت حال سخت نازک ہو گئی ہے اور فوج کو امن برقرار رکھنے میں سول حکام کی مدد کے لئے تیار رہنے کا حکم دے دیا گیا ہے۔ فرقہ وارانہ فسادات خبروں کی وجہ سے شروع ہوا کہ ایک فرقہ کے دو لڑکوں نے دوسرے فرقہ کی ایک لڑکی پر جو ایک کالج کی طالبہ تھی مجرمانہ حملہ کیا اور لڑکی مردہ ملی ہے۔ اس خبر کے پھیلتے ہی دونوں فرقوں کے درمیان کشیدگی بڑھ گئی دونوں گروہوں نے ایک دوسرے پر سنگ باری کی۔ پولیس نے سنگ باری کرنے والوں، نیز ڈنڈوں اور لاٹھیوں سے مسلح دونوں گروہوں کو منتشر کر دیا لیکن شہر میں ابھی تک سخت کشیدگی پھیلی ہوئی تھی۔ آتشزدگی اور لوٹ مار کے واقعات بھی ہوئے ہیں اور آج شہر بھر میں دکانیں بند رہیں۔ مقامی پولیس نے دونوں لڑکوں کو گرفتار کر لیا ہے۔ ڈپٹی کمشنر نے دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ سے ہتھیار لے کر چلنے اور پانچ یا پانچ سے زیادہ افراد کے اجتماع پر پابندی عائد کر دی ہے صبح کالج کے قریب چار سو طلبا

موصول ہوا جس میں انہوں نے شہر کی موجودہ صورت حال کو اطمینان بخش قرار دیا ہے آج شام کرفیو کے اوقات سے کچھ پہلے تک مارکیٹ میں لوگ آزادی سے گھومتے پھرتے نظر آرہے ہیں۔ مدھیہ پردیش اسمبلی کے اسپیکر مسٹر کنجی لال دوبے نے ریاست کے انسپکٹر جنرل پولیس مسٹر ناگو کے ساتھ ایک جیپ میں متاثرہ مقامات کا دورہ کیا اور لوگوں سے امن قائم رکھنے کی اپیل کی۔ جبلپور کے میئر پنڈت بھوانی پرشاد تیواری نے بھی کارپوریشن کے بعض ممبروں کے ساتھ شہر کا دورہ کیا اور لوگوں سے درخواست کی کہ وہ امن کی بحالی کے سلسلے میں ارباب مجاز سے اشتراک کریں۔ سرکاری اطلاع کے مطابق کل سے آج تک ہنگاموں کے سلسلہ میں ۵ افراد کی گرفتاری عمل میں لائی گئی ہے اس سے پہلے کلکٹر نے سیاسی لیڈروں، میونسپل کارپوریشن کے نمائندوں اور نمائندہ شہریوں پر مشتمل ایک امن کمیٹی بھی بنادی۔

اس خبر کے نکات :-

حالات اعتدال پر آرہے ہیں۔

کرفیو سے پہلے لوگ آزادی سے گھومتے پھرتے رہے۔

مدھیہ پردیش اسمبلی کے اسپیکر ــــ جو جبل پور کے باشندے ہیں ــــ اور جبل پور کے میئر نے دورہ کرکے لوگوں کو پُرامن رہنے کی اپیل کی۔ ایک امن کمیٹی بنادی گئی۔

اب دوسری خبر ملاحظہ فرمایئے۔

مدھیہ پردیش کے شہر جبل پور میں فرقہ وارانہ فسادات کے بعد امن برقرار رکھنے کے لئے فوج طلب کرلی گئی۔ لڑکی نے موت سے پہلے اپنے بیان میں مبینہ ملزموں کے نام بتادیئے تھے جنہیں گرفتار کرلیا گیا ہے۔ اس واقعہ کے خلاف احتجاج کے اظہار کے لئے کل سارا دن شہر میں ہڑتال رہی۔ ایک پریس نوٹ میں اس واقعہ پر افسوس کا اظہار کیا گیا ہے اور جرائم کی تحقیقات اور مجرموں کو قرار واقعی سزا دینے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ شہر بھر میں اہم مقامات پر مسلح پولیس متعین ہے اور فوجی دستے بازاروں میں گشت کررہے ہیں آخری اطلاع کے مطابق جبل پور کے فسادات میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد دو اور زخمیوں کی تعداد پچاس ہوگئی ہے۔ ایک مجسٹریٹ اور ایک تھانیدار بھی زخمی ہوئے۔ تھانیدار سخت زخمی ہوا ہے اور اسے ہسپتال میں داخل کرادیا گیا ہے۔ اس وقت تک ۱۸۵ افراد گرفتار کیے جاچکے ہیں اور آتشزنی اور لوٹ مار کی وارداتوں کے باعث قریباً پچاس

کل کے فساد کے بارے میں غیر سرکاری اطلاعات میں بتایا گیا ہے کہ محلہ رومتی کا ایک شخص اس ہنگامہ میں ہلاک کر دیا گیا۔ فسادیوں نے اندھر دیو، جواہر گنج رومتی اور کوتوالی بازار کے علاقوں میں کئی دکانیں نذرِ آتش کر دیں اور کچھ کو لوٹ لیا جس لڑکی نے جبراً عصمت دری کے بعد خودکشی کی ہے اس کا نام اوشا بھارگوا بتایا جاتا ہے اوشا کا باپ الہ آباد میں تھا اپنی بیٹی کی خودکشی کی خبر سن کر سہ پہر کو وہ جبل پور آ پہنچا۔ بتلایا جاتا ہے کہ پرسوں رات کو جب اوشا بھارگوا اپنے گھر میں اکیلی تھی تو کچھ لوگ زبردستی اندر گھس آئے اور اسے چاقو دکھا کر اپنی خواہش پوری کرنے پر مجبور کیا۔ اس سے اوشا کو اس درجہ صدمہ پہنچا کہ اس نے شرم کے مارے اپنے کپڑوں پر مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا دی۔ گھر سے دھواں نکلتے دیکھ کر پڑوسی اندر پہنچے تو انہوں نے اس کے کپڑوں کی آگ بجھا کر اسے وکٹوریہ ہسپتال پہنچایا جہاں اس کی موت واقع ہو گئی۔

چند نکتے اس خبر میں بھی ہیں ان پر بھی غور کر لیجیے۔

۱۔ مسلمانوں پر، ایک گھر سے بندوق کا فائر کیا گیا۔

۲۔ پولیس نے اسے گرفتار کیا۔ اسے چھڑانے کے لئے دفعہ ۱۴۴ کی خلاف ورزی کر کے اور مسلح پولیس کے پہرے کو توڑ کر سارا شہر ابل پڑا جس سے ایک انسپکٹر اور ایک کانسٹیبل زخمی ہوا۔

کل خبر میں بتایا گیا تھا کہ دو لڑکوں نے اوشا پر مجرمانہ حملہ کیا اور وہ مری ہوئی ملی۔ آج ۲۴ گھنٹے کے بعد انکشاف ہوا کہ اس نے آگ لگا لی تھی۔ پڑوسیوں نے اس کی آگ بجھا کر وکٹوریہ ہسپتال میں پہنچایا۔ انتقال وہاں داخلہ کے کچھ عرصہ بعد ہوا۔

ایک دن کی دو خبریں۔ فوج طلب کر لی گئی

گزشتہ خبر بھی ۵ فروری ۱۹۶۱ء کی تھی۔ اب پھر اسی تاریخ کی دو خبریں دی جاتی ہیں۔ پچھلی خبر میں بتایا گیا ہے۔

جبل پور ۵ فروری ۱۹۶۱ء آج بھی جبل پور میں صبح سے شام تک کا کرفیو لگا رہا۔ سہوبان تال کے علاقے سے آج خنجر زنی کی ایک خبر ملی ہے جبل پور کے کلکٹر مسٹر آرسی سری واستوا نے بتایا کہ شہر کے حالات دھیرے دھیرے اعتدال پر آ رہے ہیں۔ مدھیہ پردیش کی راجدھانی بھوپال کے انسپکٹر جنرل پولیس مسٹر رستم جی کا ایک ٹیلیفونی پیام

گئی -
گویا مواد اندر ہی اندر پک رہا ہے اور آتش فشاں لاوے کی طرح پھوٹ نکلنے کو بیتاب ہے - خدا خیر کرے -
لیکن نہیں یہ اندیشہ غلط ہے - سات فروری تو خیریت سے گزر گئی -
جبل پور ۷ فروری - جبل پور میں حالات اب اعتدال پر آتے جا رہے ہیں - دکانیں کھلنے لگی ہیں اور سکولوں اور کالجوں سے اچھی حاضری کی اطلاعیں مل رہی ہیں - گو کہ کاروباری لین دین محدود رہا لیکن ترکاری وغیرہ کی عام سپلائی کے آجانے سے قلت دور ہو گئی ہے اور قیمتیں اعتدال پر آگئی ہیں - دودھ کی سپلائی کے اعتدال پر آجانے سے ہوٹل اچھی طرح چل رہے ہیں -

ہولناک فساد پھر پھوٹ پڑا

لیکن یہ حالات کا اعتدال، یہ سکون کہیں کسی آنے والی قیامت کا پیش خیمہ تو نہیں ہے؟ کہیں یہ وہ سکون تو نہیں ہے جو سطح سمندر پر ہولناک اور بھیانک طوفان سے پہلے نمودار ہوا کرتا ہے -
لیجئے جس وقت کا دھڑکا تھا وہ وقت آگیا آخر ——— طوفان آگیا ——— دوبارہ قیامت نمودار ہو گئی، پریس ٹرسٹ آف انڈیا نے رکتے رکتے دبے الفاظ میں دنیا کو خبر دی -
جبل پور ۸ فروری - شہر میں فرقہ وارانہ فساد کے دوبارہ بھڑک اٹھنے اور شدت اختیار کر جانے کے باعث آج شہر میں کلکٹر نے ۶۰ گھنٹوں کا کرفیو لگا دیا - یہ کرفیو آج ۶ بجے شام سے شروع ہوا ہے اور جمعہ کو صبح ۶ بجے تک اس کا نفاذ رہے گا - البتہ کل ۷ اور ۸ کے درمیان اور شام کو ۴ و ۵ کے درمیان ایک ایک گھنٹہ کے لئے دو بار وقفہ ہوگا تاکہ لوگ اپنے ضروری کام انجام دے لیں -
ہنگامہ گولی باری میں بارہ افراد ہلاک ہوئے ہیں اور ۳۸ زخمی -
آج مدھیہ پردیش اسمبلی میں وزیر اعلیٰ کاٹجو نے بیان کیا کہ انسپکٹر جنرل پولیس مسٹر رستم جی جبل پور میں پہنچ گئے ہیں اور امید ہے کہ ان کی نگرانی میں حالات جلد معمول پر آجائیں گے - شہر میں اکا دکا واقعات اب بھی ہو رہے ہیں پولیس مسلسل گشت کر کے حالات

ہزار روپے کا نقصان ہوا ہے، شہر میں امن بحال کرنے کے لئے پولیس کو کل ہوا میں فائرنگ بھی کرنی پڑی۔

اس دوسری خبر میں چند نکات قابل غور ہیں۔

- امن کمیٹی کے قیام اور قیام امن کی اپیل کے باوجود حالات اتنے سنگین ہو گئے کہ فوج بلانا پڑی۔
- پہلے بتایا گیا تھا کہ لڑکی مردہ ملی۔ دوسرے دن بتایا گیا کہ ہسپتال جاکر مری اور اب انکشاف ہوا ہے کہ مرنے سے پہلے اس نے ملزموں کے نام بھی بتا دیئے تھے۔
- مقتولین و مجروحین (جو مسلمان ہی تھے) کی تعداد پانچ سو سے زیادہ ہے۔
- پچاس ہزار روپے کا (مسلمانوں کا) نقصان ہوا۔
- کاروبار کے تعطل کے باعث صرافہ بازار کے دہندوؤں کا مطالبہ کہ فسادیوں کے خلاف سخت کارروائی کی جائے۔

امن اور اعتماد بحال ہونے لگا

پھر ایک دن بعد پریس ٹرسٹ آف انڈیا اور دوسری خبر رساں ایجنسیوں نے بشارت دی۔

جبل پور ۶ فروری۔ صورت حال کافی حد تک اعتدال پذیر ہو گئی ہے آج تجارتی مرکز اور دوسرے علاقوں میں بیشتر دکانیں کھلی تھیں۔

کل رات گئے ایک شخص پر حملہ کئے جانے کے واقعہ کے بعد آج سہ پہر تک کوئی تازہ واقعہ ظہور پذیر نہیں ہوا۔

ریاستی نائب وزیر مالیات مسٹر جگموہن داس بھوپال سے آج یہاں پہنچے اور سرکاری افسروں کی معیت میں انہوں نے شہر کے متاثرہ علاقوں کا دورہ کیا۔

اس فساد کے سلسلہ میں اب تک تقریباً ۲۰۰ اشخاص گرفتار کیے جا چکے ہیں جن میں ۸۹ افراد ایسے ہیں جو بدقماش قسم کے ہیں اور احتیاطی اقدام کے تحت گرفتار کئے گئے ہیں۔

اس خبر کا اہم نکتہ۔

- کل تک گرفتار شدگان کی تعداد ۱۸۵ بتائی گئی تھی اب یہ تعداد ۲۰۰ تک پہنچ

کو قابو میں لانے کے لئے کوشاں ہے اور فوج تیار کھڑی ہے۔ اس ہنگامہ کی پوری تحقیقات ہوگی اور جو لوگ ملزم پائے جائیں گے انہیں سخت سزا دی جائے گی۔

خبر کی تفصیل :- فوج کو واپس بھیجنے کے ۲۴ گھنٹے کے بعد ایک بار پھر زبردست بلوہ شروع ہوگیا جسے فرو کرنے کے لئے اور پولیس کی مدد کرنے کے لئے دوبارہ فوج کو بلا لیا گیا۔ مشتعل ہجوم کو منتشر کرنے کے لئے گزشتہ رات پولیس کو شہر کے دو علاقوں میں دو مرتبہ فائرنگ کرنا پڑی۔ بتایا گیا ہے کہ دو فرقوں کے درمیان جھڑپوں میں بہت سے افراد زخمی ہوئے۔ اس کے علاوہ گھوڑا ناکہ سوجی محلہ اور منیا محلہ کے علاقوں میں سخت تصادم ہوئے۔

بتایا گیا ہے کہ حکام مختلف فرقوں کے خاندانوں کو محفوظ علاقوں میں پہنچانے کے لئے اقدامات کر رہے ہیں۔

اس خبر میں چند نکات قابل غور ہیں۔

- حالات دوبارہ نہ ہوئے تھے کہ فوج واپس بھیج دی گئی۔
- دوبارہ فوج بلالی گئی لیکن "اکا دکا" واقعات رونما ہونے کے باوجود اسے اقدام وعمل کا حکم نہیں دیا گیا۔ ان کو یہ خبر دی گئی کہ فوج تیار کھڑی ہے۔
- انخلا کا چکر شروع ہوگیا۔

کٹنی، دموہ اور ساگر وغیرہ میں بھی

مذکورہ بالا خبر کا ایک اور حصہ

جبکہ جبل پور میں کشیدگی پھیلی ہوئی تھی۔ اس ضلع کے دوسرے علاقوں سے بھی افسوسناک خبریں موصول ہو رہی ہیں۔ پولیس نے نقص امن پر مزید ۲۷ افراد کو گرفتار کیا اور سماج دشمن سرگرمیوں کی روک تھام کے لئے نواحی علاقوں میں کرفیو لگا دیا گیا ہے اس طرح آج صبح تک جبل پور میں فرقہ وارانہ فسادات کے سلسلہ میں گرفتار کئے جانے والوں کی تعداد ۴۰۰ تک پہنچ گئی۔ ضلع کے مختلف علاقوں میں لوٹ مار۔ توڑ پھوڑ اور آتشزدگی کی وارداتوں کی اطلاعیں مسلسل مل رہی ہیں۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مسٹر آر بسی سریو استوا کے بیان کے مطابق پولیس نے کل سوڈا واٹر کی ۴۴ بوتلیں تین چھرے، ایک چاقو ایک ہسیا ہنومان تال بیل باغ کھیری مندر سے برآمد کئے۔ پولیس نے پیر کے دن سیہورا

کے مقام سے تین افراد کو گرفتار کیا جہاں وہ ایک مکان کو نذر آتش کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ بعض سماج دشمن عناصر نے ریلوے سٹیشن پر عورتوں کو ڈرانے اور دھمکانے کی کوشش کی ۔۔۔ سیہورا میں کئی جگہ پتھراؤ کے بھی واقعات ہوئے جہاں اسکول کے طلبہ نے ایک جلوس نکالا تھا مظاہرہ کرنے والے طالب علم کچھ دیر تک نعرے لگانے کے بعد منتشر ہو گئے۔ پیر کے روز کٹنی میں طلبا نے ایک جلوس نکالا۔

دموہ سے موصول ہونے والی خبروں کے مطابق پیر کے روز وہاں تاجروں نے جبلپورہ کے واقعہ کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے اپنی دکانیں بند رکھیں مقامی طلبہ نے ایک جلوس نکالا اور سیاہ جھنڈیوں کا مظاہرہ کیا بتایا جاتا ہے کہ دموہ میں حالات بہت کشیدہ ہیں ساگر میں بھی ردّعمل ہوا ہے۔ بہت سے طلباء سکول سے غیر حاضر رہے اور ساگر یونیورسٹی کے طلبا نے ہڑتال کر دی۔ ساگر میں نذیر دست فرقہ وارانہ کشیدگی ہے ضلع کے حکام نے سخت احتیاطی اقدامات کئے ہیں اور پولیس کی تعداد بڑھا دی ہے ——————

اس خبر کے خاص نکات

- گرفتار شدگان کی تعداد ۰۰۰مہ تک پہنچ گئی ہے۔
- چونکہ فوج صرف تیار کھڑی تھی اس لئے لوٹ مار، توڑ پھوڑ اور آتش زنی کی اطلاعیں مسلسل موصول ہونی ہی چاہیئے تھیں۔
- مدرسے اسلحہ برآمد ہوئے۔
- چونکہ پولیس معطل تھی اور فوج غیر جانبدار تماشائی، جبل پور سے عبرت کی بجائے شہ لی اور مدھیہ پردیش اور دوسرے شہروں میں بھی نہایت اطمینان سے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔
- دموہ کے تاجر اور ساگر یونیورسٹی کے طلبہ فساد انگیزیوں پر اُتر آئے۔

ضلع مجسٹریٹ کا پریس نوٹ

خبر رساں ایجنسیوں کو چھوڑیئے، خود جبل پور ضلع مجسٹریٹ نے اس تازہ قیامت پر جو پریس نوٹ شائع کیا، وہ کیا کچھ نہیں بتاتا۔ اس سے کیا کچھ نہیں معلوم ہوتا؟ ضلع مجسٹریٹ کا پریس نوٹ بتاتا ہے۔

آج سہ پہر ایک فرقے کے ایک مجمع نے اپنے مخالف فرقے کے چند لوگوں کے مکانات پر حملہ کرنے کے بعد انہیں آگ لگا دی۔ فسادیوں کے اس حملہ سے دو آدمی ہلاک اور تیسرا زخمی ہوا۔ صدر بازار کے علاقہ کو چھوڑ کر شہر کے تمام بازار آج بند رہے کالج اور دیگر ادارے کھلے ہوئے تھے لیکن حاضری برائے نام تھی۔

کل رات نو بجے کے بعد ہنومان تال بچھراشی محلہ، نیا محلہ، گھوڑا نخاس اور لوہا گا چھا کے علاقوں میں بیک وقت دوبارہ فساد پھوٹ پڑا تھا۔ ایک فرقہ کے لوگوں نے جو لاٹھیوں، خنجر، آتشیں اسلحہ اور تیزاب کے بلبوں سے مسلح تھے نعرے لگاتے ہوئے اپنے مخالف فرقے کے لوگوں پر حملہ کر کے ان کے مکانوں کو لوٹنا اور آگ لگانا شروع کر دیا تھا۔ فساد کی اطلاع ملتے ہی شہر بھر کی پولیس فسادیوں کی سرکوبی کے لئے پہنچ گئی۔

ہاں بے شک۔

پولیس فسادیوں کی سرکوبی کے لئے پہنچ گئی۔ شاید اپنی سرکوبی کے خوف سے کچھ نہ کر سکی۔

ہلاک شدگان میں بچوں اور عورتوں کی تعداد

یہ تاریخ - یہ ۸ فروری ۱۹۶۴ء کی تاریخ اپنے دامن میں کتنی زہرہ گداز اور قیامت خیز خبریں لئے ہوئے ہے۔ اس دن کی ایک اور خبریں لئے ہوئے ہے اس دن کی ایک اور خبر۔

نئی دہلی ۸ فروری۔ جبل پور میں گزشتہ رات پولیس کی فائرنگ آتشزدگی اور بلوؤں میں کم از کم ۵۰ افراد ہلاک اور دو سو سے زائد شدید مجروح ہوئے ہیں جبلپور کا ہسپتال زخمیوں سے بھر گیا ہے اور شہر کے بہت سے محلوں میں آج رات گئے تک دھواں اٹھ رہا تھا۔ سب سے زیادہ نقصان نیا محلہ میں ہوا وہاں ۷۶ مکان جل کر راکھ ہو گئے تھے جن میں متعدد افراد بھی جل گئے۔ ہلاک شدگان میں بچوں اور عورتوں کی تعداد زیادہ ہے۔ آل انڈیا ریڈیو کی اطلاع کے مطابق پولیس فائرنگ سے پندرہ افراد ہلاک اور چالیس مجروح ہوئے۔ سب سے زیادہ آتشزدگی کل رات ہوئی جب فوج اور پولیس کی واپسی کے بعد دوبارہ فسادات بھڑک اٹھے

توبلوائیوں نے مختلف مسلم محلوں میں آگ لگادی اس وقت ہوا تیزی سے چل رہی تھی اس لئے آگ تیزی سے پھیل گئی۔ پولیس اور فائر بریگیڈ موقع پر پہنچے تو سارا محلہ آگ میں گھرا ہوا تھا۔ ایک مشتعل ہجوم نے جو ریلوے سٹیشن کی طرف سے آرہا تھا پولیس پارٹی پر حملہ کردیا یہ چیختی ہوئی خبر کسی تشریح کی محتاج نہیں۔

ساگر اور دوسرے شہروں میں خون کی ہولی

جبل پور کے فسادیوں کو کسی طرح کی سزا نہیں دی گئی۔ ان پر سختی نہیں کی گئی، انہیں کچلا نہیں گیا —— یہ رنگ دیکھ کر آس پاس کے دوسرے شہروں میں بھی فسادیوں کے حوصلے بلند ہوگئے۔ ان کا بھی جی چاہا کہ انسانوں کا شکار کریں۔ دکانیں لوٹیں، مکانات جلائیں اور اپنے جبل پور کے پیش رو فسادیوں سے بھی دو قدم آگے بڑھ جائیں۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ ایک دن یعنی ۹ فروری ۱۹۶۱ء کو پریس ٹرسٹ آف انڈیا نے خبر دی۔

جبل پور ۹ فروری، جبلپور میں ۳۶ گھنٹے کے کرفیو کے بعد کوئی واردات نہیں ہوئی لیکن فساد کی چنگاری نے سات قریبی شہروں نرسنگھ پور، ساگر، کریلی، گدرواڑہ کٹنی، دموہ اور گوٹے گاؤں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ساگر میں فساد کو کچلنے کے لئے فوج بلالی گئی اور کرفیو نافذ کردیا گیا۔

نرسنگھ پور کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے نرسنگھ پور، گدرواڑہ، آمی اور گوٹے گاؤں میں شام سے صبح تک کا کرفیو لگادیا ہے اور نرسنگھ میں تین آدمیوں کو چھرا گھونپا گیا جس میں دو ہلاک ہوگئے ساگر میں بھی دو آدمی ہلاک ہوئے۔

جبل پور میں منگل کی رات کو دوبارہ فساد شروع ہوا تھا اس میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد سترہ ہوگئی۔ سرکاری بیان کے مطابق چالیس اشخاص ہسپتال میں ہیں

بھوپال میں رات گئے جو سرکاری اعلان جاری کیا گیا اس میں کہا گیا ہے فساد پھوٹ پڑنے سے نرسنگھ پور کے قریب کریلی میں پولیس نے طلبہ کے ایک جلوس کو منتشر کرنے کے لئے ہوا میں گولی چلائی جس نے ایک سب انسپکٹر پر حملہ کیا تھا اور پتھراؤ کیا تھا۔ فائرنگ سے کوئی زخمی نہیں ہوا۔

ساگر میں پولیس کی مدد کے لئے فوج طلب کرلی گئی۔ پتھراؤ کرنے والے اور آگ

آور بم چھوڑے۔ پریس ٹرسٹ آف انڈیا کے نامہ نگار نے تباہی کو قابل رحم قرار دیا

- اشک آور بم چھوڑنے پر جب مجمع پسپا ہوا تو بندوقوں، رائفلوں اور کارآمد کارتوسوں کا ذخیرہ چھوڑ گیا۔
- اس تمام مدت میں فوج کھڑی رہی۔
- اس ضروری اعلان کا سب سے پُرلطف حصہ یہ ہے کہ گو مسلمانوں پر فساد انگیز عناصر پتھراؤ کرتے رہے ان کے مکانات اور دکانیں جلاتے رہے انہیں قتل کرتے رہے مگر انہیں روکنے کے لئے فوج حرکت میں نہ آئی۔ پولیس نے صرف ہوائی فائرنگ اور اشک آور بم پھینکنے پر اکتفا کیا۔

لیکن —
- فساد انگیز عناصر کو یہ گستاخی گوارا نہ ہوئی اور حکومت ووٹ کی خاطر انہیں ناراض کرنے کی جرأت نہ کر سکی، لہٰذا فوراً جوڈیشل تحقیقات کا حکم دے دیا گیا۔ یعنی — آیا پولیس کا یہ اقدام مناسب ہے یا نہیں ——— ؟

حالانکہ اب تک مسلمان کے قتل عام کے سلسلہ میں کوئی تحقیقاتی قدم نہیں اٹھایا گیا تھا۔

آگ نواحی دیہاتوں تک پھیل گئی

جبل پور اور پھر کٹنی، دموہ ساگر اور دوسرے شہروں تک فساد کی آگ بڑھی اور پھیلی لیکن دیہات اب تک نسبتاً پرسکون تھے۔ اب وہاں بھی یہ شعلے بھڑکنے لگے ایک سرکاری اعلامیہ میں اقرار کیا گیا۔

فساد زدہ جبل پور کے نواحی گاؤں گڑھا میں ایک شخص کو چھرا گھونپ کر ہلاک کر دیا گیا ہے۔ اس علاقہ میں دن کے وقت بعض مکانوں میں آگ لگا دینے کی اطلاعات بھی موصول ہوئی ہیں۔

جبل پور اور مدھیہ پردیش کے چھ دوسرے قصبے شدید فسادات کی لپیٹ میں ہیں سپرنٹنڈنٹ پولیس اور ایک مجسٹریٹ نے متعدد مقامات پر چھاپے مار کر اسلحہ برآمد کئے ہیں۔ دریں اثنا بھارتی حکومت نے مدھیہ پردیش کی صوبائی حکومت سے جبلپور اور دوسرے قصبوں کی صورت حال کے بارے میں رپورٹ طلب کی ہے وزیر

لگانے والے ہجوم کو منتشر کرنے کے لئے پولیس نے اشک آور گیس کے گولے چھوڑے ساگر میں بھی کرفیو کے نفاذ کے بعد صورت حال قابو میں معلوم ہوتی ہے مدھیہ پردیش کے وزیر اعلےٰ ڈاکٹر کاٹجو نے آج جبل پور پہنچنے کے بعد تمام ضلع حکام کو ہدایت کی ہے کہ وہ اپنے علاقوں میں فساد کی روک تھام کے لئے تیار رہیں انہوں نے پولیس حکام کے ساتھ فساد زدہ علاقوں کا دورہ کرنے کے بعد عوام سے اپیل کی ہے کہ وہ امن بحال کرنے کے کام میں تعاون کریں۔

پریس ٹرسٹ آف انڈیا کی اطلاع کے مطابق سوچی محلہ، مچھلی محلہ، گھوڑا نخاس اور سردیوا اور گڑھ میں آتش زدگی سے مکانوں کو بھاری نقصان پہنچا ہے اور تباہی کا منظر بھی انتہائی قابل رحم ہے۔ چند علاقوں میں فائر بریگیڈ کا عملہ ابھی تک آگ بجھانے میں مصروف تھا۔ تنگ جگہوں میں جن مکانوں میں آگ لگی تھی وہ قطعی طور پر خاکستر ہو چکے ہیں۔

کمشنر شری گپتا نے اخباری نمائندوں کو بتایا کہ منگل کی رات کو پولیس فائرنگ کے بعد جب فسادی پسپا ہوئے تو دو بارہ بور والی بندوقیں، ایک رائفل اور کچھ کارآمد کارتوس بھی چھوڑ کر بھاگ گئے جن پر پولیس نے قبضہ کر لیا ہے خانہ تلاشیوں کے دوران بھی پولیس نے مہلک ہتھیاروں کا بھاری ذخیرہ برآمد کیا۔ شری گپتا نے اعلان کیا کہ منگل کی رات کو پولیس نے جو فائرنگ کی تھی اس کی عدالتی تحقیقات کا حکم دے دیا گیا ہے

اس خبر کے چند پرلطف پہلو خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

- آگ لگانے والوں، پتھراؤ کرنے والوں اور لوٹ مار کرنے والوں پر پولیس نے ہوائی فائر کیا اور فوج صرف تیار کھڑی رہی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فساد کی آگ بجھنے کے بجائے اور زیادہ شدت سے بھڑکنے لگی۔
- یہی نہیں بلکہ جب مجمع نے دیکھا کہ ہوا میں گولی چلانے کا فعل صرف دلچسپ ہے، سبق آموز نہیں تو پولیس کی بھی اس نے خبر لے لی۔
- سرکاری اعلان میں تصریح ہے کہ ہوائی فائرنگ سے کوئی زخمی نہیں ہوا۔ اس ہمت افزائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ساگر میں کھلے بندوں عام مسلمانوں پر پتھراؤ اور مسلم مکانات میں آتش زنی کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ مجبور ہو کر مجمع کو منتشر کرنے کے لئے پولیس نے اشک

پُراسرار طور پر لاپتہ ہونے والے مسلمان

حالات کی ابتری اور نزاکت اور بڑھتی جارہی تھی۔ ۱۸ مارچ کو بمبئی اور دہلی کے بعض اخبارات میں یہ دردبھری اپیل شائع ہوئی۔

۱۸ فروری کو یہاں پولیس نے کرفیو کے بعد چند مسلمانوں کو ان کے گھروں سے گرفتار کیا تھا ان میں سے تین افراد منا ولد امانت علی عمر ۲۳ سال محمد شفیع ولد نواب علی عمر ۱۲ سال اور محمد صادق چھپرا والے عمر ۱۷ سال ــــ نہ تو اب پولیس کی حراست میں ہیں اور نہ کہیں ان کا پتہ چل رہا ہے۔ ان کے رشتہ دار بہت پریشان ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ پولیس کے سپاہیوں نے ہی ان کو قتل کیا ہے۔ یہاں بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ جن لوگوں کو پولیس نے گرفتار کیا تھا ان سے آدھے سے بھی کم افراد کو جیل بھیجا گیا ہے اور ابھی تک یہ معلوم نہیں ہو سکا ہے کہ پولیس نے ان لوگوں کو کیا کیا۔ یہ بھی پتہ چلا ہے کہ پچھلے ہفتہ پولیس والے مذکورہ بالا تین لڑکوں کے کپڑے وغیرہ لے کر آئے اور ان سے ان کی شناخت وغیرہ کرائی فسادات کے بعد بہت سے لوگ اب تک لاپتہ ہیں جن میں کچھ کی لاشیں ملی ہیں لیکن تقریباً ڈھائی سو افراد ایسے ہیں کہ ان کے بارے میں کوئی پتہ نہیں چل سکا ہے۔ ان کے رشتہ دار ان کے بارے میں سخت پریشان ہیں اس لئے جو لوگ جبل پور سے باہر چلے گئے ہوں اور زندہ ہوں وہ بذریعہ خط جلد سے جلد اپنے رشتہ داروں کی خیریت کی اطلاع دے دیں

لیکن ان کی کوئی اطلاع نہ ملی۔

ایک اور بات تو بالکل ظاہر تھی۔ یہ لوگ پاکستان میں نہیں جا سکتے تھے کیونکہ پاسپورٹ اور ویزا کے بغیر یہ ناممکن تھا۔ پھر یہ کہاں گئے ــــ؟ یہ راز اب تک راز ہی ہے ــــ

مسلمانوں کے نقصان جان ومال کی اجمالی تفصیل

جبل پور اور نواحی مقامات کے فسادات میں مسلمانوں کو جتنا جانی اور مالی نقصان برداشت کرنا پڑا اس کی صحیح تفصیل اب تک معلوم نہیں ہو سکی ــــ لیکن وقتاً فوقتاً بعض گوشے بے نقاب ہوتے رہے۔ چنانچہ جبل پور سے چلی ہوئی ۲۶ مارچ ۱۹۶۱ء کی ایک خبر سے معلوم ہوتا ہے۔

اعلیٰ مدھیہ پردیش ڈواکٹر کاٹجو فساد زدہ علاقوں کا دورہ کر چکے ہیں۔ آج صبح بھارتی وزیر داخلہ مسٹر گوند ولبھ پنت نے ٹیلیفون پر متاثرہ علاقوں کے بارے میں طویل بات چیت کی۔

اس سرکاری اعلامیہ سے کیا معلوم ہوا۔

- اب تک فسادانگیزیاں اور ہنگامہ آرئیاں رات کی تاریکی میں ہوا کرتی تھیں۔ اب دن دہاڑے ہونے لگیں۔
- مسلمانوں کو قتل کرنے کے لئے دیہاتوں میں بھی اسلحہ کا ذخیرہ کیا جانے لگا۔
- لیکن — جب پولیس خود جوڈیشنل انکوائری کے شکنجہ میں گرفتار کی گئی تھی اور فوج غیر جانبدار تماشائی، تو یہ سب بالکل قدرتی تھا۔

وہ مسلمان بچے جو زندہ جلا دیئے گئے

حکومت کی کمزوری سے شہ پا کر فسادیوں اور شرپسندوں کے حوصلے اتنے بڑھ گئے کہ انہوں نے شقاوت، سفاکی اور درندگی اور بہیمیت کا ریکارڈ قائم کر دیا۔ انہوں نے مسلمانوں کو ——— جس میں معصوم بچے بھی شامل تھے ——— پکڑ پکڑ کر آگ میں جھونکنا شروع کر دیا۔

۱۲ فروری ۱۹۶۱ء کے ایک سرکاری اعلان کے مطابق فرقہ وارانہ فسادات کے دوران جبل پور سے سات میل دور ایک گاؤں میں گزشتہ جمعہ کو ۴ اشخاص جن میں بچے بھی شامل تھے زندہ جلا دیئے گئے۔ معلوم ہوا ہے کہ انہیں پہلے ایک مکان میں بند کر دیا گیا اور پھر شرارت پسندوں نے مکان کو آگ لگا دی۔ اس انتہائی المناک حادثہ کا انکشاف آج جبل پور میں سرکاری طور پر کیا گیا۔ پولیس تحقیقات کر رہی ہے۔

سرکاری ذرائع کے مطابق شہر کے دیہاتی اور نواحی علاقوں میں لاقانونیت کی روک تھام کے لئے کافی احتیاطی تدابیر اختیار کر لی گئی ہیں۔ شہر میں امدادی کام جاری ہے۔

جبل پور سے ۶۰ میل دور ضلع دموہ کے قصبہ جابیرا کے قریب فرقہ وارانہ فسادات میں ایک سرکس پارٹی کے چار ارکان ہلاک کر دیئے گئے ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ سرکس پارٹی کے ۲۰ افراد ایک ٹرک میں جا رہے تھے کہ مشتعل ہجوم نے ٹرک روک لیا اور چار افراد کو ٹرک سے کھینچ کر مار ڈالا۔

چھندواڑہ ضلع کی سولنسار تحصیل کا موضع راموڈھانا تقریباً بالکل تباہ ہوگیا ہے۔ کیونکہ اس کے ۵۴ کچے مکانوں اور ٹین کے سائبانوں میں بھیانک آگ لگ گئی۔ ۴۳ ہزار روپیہ کا سامان جل کر خاک ہوگیا اور ۴۳ کنبے بے گھر ہوگئے آگ لگنے کا سبب معلوم نہیں ہوسکا ہے قصبہ نرسنگھ گڑھ کے محلہ کندیلی میں آگ لگنے سے ایک پکا مکان جل کر خاک ہوگیا لوہے کی تین بڑی پیٹیوں کو چھوڑ کر جن میں سونے اور چاندی کے زیورات اور دوسری قیمتی چیزیں تھیں سارا سامان جل کر خاک ہوگیا۔

یہاں نیوا ز گنج میں ایک پنساری کی دکان میں آگ لگی۔ نرسنگھ پور ضلع کے موضع گوسے گاؤں میں دو ہزار روپیہ کے غلہ کا ایک کھلیان جل کر خاک ہوگیا۔

شیڈول ضلع کے موضع چندیا میں ایک کچا مکان جل جانے سے دو بچے ہلاک ہوئے کریلی میں آگ لگنے سے ۷ ہزار روپے کا نقصان ہوا۔ نرسنگھ پور کے خاص بازار میں بیڑی کے پتوں کے گودام میں آگ لگ گئی لیکن جلد ہی اس پر قابو پا لیا گیا آگ لگنے کے ان بیشتر واقعات کا سبب معلوم نہیں ہوسکا۔

بھائی شہید، بہن غائب، حکام بے پرواہ

اب رفتہ رفتہ خبریں ذرا کھل کر آنے لگیں۔ دموہ سے ۱۳ اپریل ۱۹۶۱ء کو لکھا ہوا ایک مسلمان کا خط بھارت کے متعدد اخبارات میں شائع ہوا جو یہ ہے۔

میں اسحاق خاں کالے خاں بیڑی فیکٹری (بیڑی ۷۰ یکہ مارکہ) میں منیجر کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔ میری چھوٹی بہن کا نام مسنور سلطانہ بیگم ہے جبل پور میں بغرض تعلیم محلہ موتی تالاب مقیم تھی جو بی اے تھرڈ ایر کی طالبہ تھی۔

اس فساد کے دوران ۵ فروری شام کے وقت غائب ہوگئی اور اب تک اس کا پتہ نہ چل سکا۔ اس کی تفصیل میں ہندی اخبار نوا ٹر کا بھجوا دل میں دے چکا ہوں۔ میرا چھوٹا بھائی سید بدرالدین خاں جوان فسادات میں دموہ ساگر کے درمیان شہید ہوگیا وہ ساگر شہر میں ویکلی ریڈیو سروس کے نام سے اپنا کاروبار چلاتا تھا۔ مجھے لینے کے لئے وہ آرہا تھا فسادیوں نے اس کو ختم کر دیا۔

میں نے حکام بالا کو بار بار مختلف مقامات سے اپنی درخواستیں بذریعہ ڈاک روانہ کیں۔ لیکن آج تک کوئی نتیجہ نہ نکل سکا اور میرے بھائی کے کاروبار کا نقصان آج تک نہ نکالا گیا۔

العارض

سید محی الدین خلف خان بہادر برہان الدین خاں مرحوم موضع دموہ ضلع ملبور مدھیہ پردیش مقیم حال دہلی۔

ایک بدبخت مسلمان لڑکی، جسے کوئی نہ بچا سکا

ذیل میں جبل پور کے ایک وکیل آفتاب احمد صاحب کا مکتوب درج کیا جاتا ہے جو بھارت کے مختلف اخبارات میں شائع ہو چکا ہے۔ اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ فساد کی جو تفصیل سرکاری اعلامیوں اور خبر رساں ایجنسیوں کے ذریعہ بتائی گئی تھی حالات اس سے زیادہ نازک، سنگین اور ہولناک تھے۔

جبل پور ۳ مئی ۱۹۶۱ء موضع سروپا میں شہید ہونے والے سترہ افراد میں سے شیخ شبراتی مرحوم کی لڑکی منی بی جس کی عمر ۱۶ سال ہے، حالیہ فسادات کے دوران اس کو اغوا کر لیا گیا اور اب وہ کچھ غنڈوں اور بدمعاشوں کے قبضے میں ہے اطلاع ملی ہے کہ اسے ان ظالموں کے پنجے سے چھٹکارا دلانے کی جب کوشش کی جاتی ہے تو اسے دوسری جگہ پر منتقل کر دیا جاتا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ تمام شریف انسانوں اور خاص طور سے سیاسی اور سماجی کارکنوں سے کہ وہ بلا لحاظ مذہب و ملت اس بات کی کوشش کریں گے کہ اس مظلوم لڑکی کو جلد از جلد لایا جا سکے اس موقع پر پولیس اور سی آئی ڈی والوں کو بھی اپنا فرض انجام دینا چاہیئے۔ اگر انہوں نے غفلت سے کام لیا تو ایڈمنسٹریشن کی مزید بدنامی ہوگی اور تمام ذمہ دار لوگوں کے لئے یہ بات باعث شرم ہوگی، تمام دردمند اور شریف ہندوؤں اور مسلمانوں سے جن کو اس بارے میں کچھ بھی معلومات ہوں درخواست ہے کہ وہ اس مظلوم لڑکی کو ظالموں کے پنجہ سے نجات دلانے کے لئے جد و جہد کریں۔

آفتاب احمد وکیل

ہوئے وہ ورثے اس کی گواہی دے رہے ہیں۔ جو لوگ سربرآوردہ ہیں انہیں کرفیو اٹھ جانے کے بعد رات کے وقت گرفتار کرلیا جاتا ہے۔ مسلم گرفتار شدگان میں بڑے بڑے ڈاکٹر اور ماسٹر ہیں جنہیں غنڈہ گردی سے نفرت ہے ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ مسٹر حنیف انصاری لکچرر انجمن اسلامیہ کالج ڈاکٹر عبدالغنی صاحب انصاری ایم بی بی ایس وکٹوریہ ہسپتال۔ حاجی حافظ نبی بخش وارڈ ممبر گوہل پور۔ نیاز احمد صاحب بی اے۔ بی ٹی۔ عثمان صاحب وکیل۔ شیخ محمد صاحب وارڈ ممبر دکن ملوی گنج۔ رمضان صاحب سکریٹری جمعیتہ العلما جبل پور۔ رمضان منیجر صاحب۔ اب نوجوان پہلوانوں کا نمبر آیا۔ پولیس انہیں بھی تلاش کر رہی ہے جب کوئی وزیر یا ہیڈر تباہ کاریوں کو دیکھنے کے لئے آتا ہے تو اسے وہ مقام نہیں دکھاتے جو دکھائے جانے چاہئیں۔ وزیر اعظم جبل پور آئیں اور سیٹھوں کے یہاں نہیں غریبوں کے یہاں دیکھیں کہ کیا حالت ہے۔

جبل پور کارپوریشن کے میئر مسٹر بھوانی پرشاد تیواری اور وزیر اعلیٰ ڈاکٹر کاٹجو نے حتی الامکان مدد پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن گرفتاریوں کا چکر ختم ہونا چاہیئے جو لوگ گرفتار ہو چکے ہیں انہیں رہا کیا جائے۔ کیونکہ مسلمان ہی قتل ہوئے مسلمانوں ہی کو نقصان پہنچا پھر ان کی گرفتاری کیا معنی رکھتی ہے؟

یہ خونی ڈرامہ کیوں کھیلا گیا تھا؟

بھارت کے غیر مسلم سیاسی مبصر تجزیۂ احوال کے بعد جس نتیجہ پر پہنچے وہ یہ ہے

نئی دہلی یکم مارچ۔ بھارتی دارالحکومت میں مبصرین نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جبلپور اور بھارت کے دوسرے علاقوں میں حال ہی میں مسلمانوں کے خلاف جو فرقہ وارانہ فسادات ہوئے وہ فرقہ پرست ہندو سیاسی جماعتوں نے آئندہ عام انتخابات کے دوران محض ووٹ حاصل کرنے کی غرض سے سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق کرائے تھے۔

ہندو مہاسبھا، جن سنگھ اور بھارتی اخبارات پاکستان اور مسلمانوں کے خلاف

مسلمان اقلیت کو من حیث القوم تباہ کیا جارہا ہے۔

جبل پور اور نواحی مقامات کے اس لرزہ خیز کشت و خون کا خود بھارتی (ہندو) اخبارات نے تجزیہ کیا اور بتایا۔

نئی دہلی ۲۶ مئی۔ بھارت میں ہر بارہ دن کے بعد ایک مسلمان کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ گزشتہ دس برس کے فسادات سے متعلقہ اعداد و شمار کو مدنظر رکھتے ہوئے بھارتی اخبارات نے جو رپورٹ شائع کی ہے اس میں کہا گیا ہے کہ بھارت کے کسی نہ کسی علاقہ میں سات روز کے بعد مسلمانوں کے خلاف فساد برپا ہوتا ہے فی الحقیقت بھارت میں ایک دن بھی ایسا نہیں گزرتا جب کسی نہ کسی مسلمان کو فرقہ وارانہ فسادات میں مجروح نہ کیا جاتا ہو۔ اخبارات نے کہا ہے کہ بھارت میں مسلمان اقلیت کو جن مظالم کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے فی الحقیقت وہ وسیع پیمانہ پر نسل کشی ہے جس کی تاریخ عالم میں مثال نہیں ملتی۔

کیا اس خبر پر کسی تبصرہ کی ضرورت ہے؟

مرنے اور پٹنے کے بعد بھی زندہ رہنے والے مسلمانوں کی گرفتاری

ساری دنیا نے اس کا اعتراف کیا کہ جبل پور کے مسلمان مظلوم تھے ان کے ساتھ زیادتی کی گئی انہیں خواہ مخواہ ہدف ستم بنایا گیا۔ اس اعتراف میں حکومت بھی شریک تھی۔

لیکن بایں ہمہ مسلمانوں کو مزید مرعوب اور دہشت زدہ کرنے کا سلسلہ بھی جاری تھا اور وہ بھی نہایت شدّت کے ساتھ۔

اعلیٰ تعلیم یافتہ، معزز اور سنجیدہ مسلمانوں تک کو "غنڈہ" قرار دے کر گرفتاریاں شروع کردی گئیں۔ چنانچہ "سیاست جدید" کانپور نے اس موضوع پر صفائی اور بیباکی کے ساتھ لکھا۔

۷ فروری کی رات سے گرفتاریوں کا سلسلہ جاری ہے دو دن تک تو یہ نقشہ رہا کہ گھر کے اندر بند لوگوں کو باہر نکالنے کے لئے کلہاڑیوں سے دروازے چیرے گئے اور جس دفعہ کے تحت چاہا گرفتار کرلیا۔ آج وہ ٹوٹے

اپنے تئیں مجبور نہ پائے۔

تبصرہ

اوپر جو خبریں پیش کی گئی ہیں وہ مشتے نمونہ از خروارے ہیں۔ میں نے زیادہ سے زیادہ اجمال سے کام لینے کی کوشش کی ہے ورنہ ایک پورا دفتر تیار ہو سکتا ہے۔ پھر بھی ان خبروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک بے بات کی بات پہ کتنے وسیع اور اور منظم طور پر مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا اور دنیا کی کوئی طاقت انہیں نہ بچا سکی —— حکومت تک ان کی حفاظت نہ کر سکی جس نے "سیکولر" دستورِ حکومت میں ان کے جان و مال کے تحفظ کا ذمہ لیا تھا۔ اور جس نے انہیں تمام دیگر باشندگانِ ہند کی طرح مساوی حقوق دیئے تھے! وہ اب کہاں قسمت آزمانے جائیں؟

مسلسل پروپیگنڈا کر رہے ہیں۔ بھارتی مظالم کے خلاف کراچی میں حالیہ مظاہرے کو توڑ موڑ کر بڑے مبالغہ آمیز طریقے سے پیش کیا جا رہا ہے تاکہ ہندوؤں کے درمیان فرقہ پرستی کو ہوا دی جا سکے۔ اگرچہ جبل پور اور مدھیہ پردیش کے دوسرے شہروں میں حالات معمول پر آ گئے ہیں تاہم مسلمانوں کے خلاف پراپیگنڈے کی وجہ سے کشیدگی بدستور موجود ہے جسے فرقہ پرست سیاسی ہند جماعتیں فرقہ وارانہ فسادات کو عام انتخابات میں اپنا مطلب حاصل کرنے کی غرض سے استعمال کر رہی ہیں۔ ان میں دائیں بازو سے تعلق رکھنے والی جن سنگھ پیش پیش ہے۔ جن سنگھ کے اخبارات نے حقائق کو اس حد تک مسخ کر کے پیش کیا ہے کہ انہوں نے مدھیہ پردیش کے فسادات کی تمام تر ذمہ داری پاکستانی ایجنٹوں پر ڈال دی ہے۔

یہ جماعت (جن سنگھ) اپنی تعلیمات اور سیاسی نظریات کے لحاظ سے ہٹلر کی نازی پارٹی اور مسولینی کی فاشسٹ پارٹی سے ملتی جلتی ہے اور ہندوؤں کی نسلی علیحدگی کی برتری کی حامی ہے۔

جن سنگھ کے ایک ممتاز رسالے نے حال ہی میں لکھا تھا کہ صرف ہندو ہی مادر وطن کے سپوت ہیں اور بھارت کے دوسرے شہری غیر ملکی اور غدار ہیں۔ جن سنگھ کے ایک ممتاز لیڈر گورو جی گون گر نے بھارت میں قومی حیثیت کے موضوع پر ایک تقریر کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہم نے جارحین (مسلمان اور مسیحیوں) کو مادر وطن کے سپوتوں (ہندوؤں) کے مساوی درجہ اس لئے دیا ہے تاکہ مسلمانوں کو اپنے ماضی کے گناہوں پر ندامت کرنے اور بھارتی طرز رہائش کا احترام کرنے کا موقعہ دیا جا سکے انہوں نے مزید کہا۔" بھارت میں ایک خاص نسل پیدا کرنے کی غرض سے" اعلےٰ تر نسل، کے ساتھ دوغلی نسل کا طریقہ رائج کیا جائے —— اس پروپیگنڈے سے ملک کے دانشور سیاسی طبقے کو صدمہ پہنچا ہے جن کا خیال ہے کہ اگر یہ جماعت (جن سنگھ) کبھی برسر اقتدار آگئی تو مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کا خون بہایا جائے گا۔ پارٹی کے بااثر افراد پاکستان اور بھارت کے مسلمانوں کے خلاف زہریلے پروپیگنڈے کو ہوا دے رہے ہیں وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ پاکستان، افغانستان اور نیپال "عظیم تر بھارت" کے حصے ہیں اور انہیں ایک روز بھارتی علاقے میں شامل ہونا چاہیے۔

اور کون دانشمند ہے جو سیاسی مبصرین کے اس تجزیہ احوال سے اتفاق کرنے پر

پیش لفظ

جبل پور کا حادثہ خونیں ایسا نہ تھا جو دلوں کو نہ ہلا دیتا۔ اس قتل عام نے ہر حساس دل میں تڑپ پیدا کی اور سیاسی اختلاف، اتفاق اور مسلک و مشرب سے ماوراء ہو کر ہر حلقہ کے سربرآوردہ اصحاب نے عوام سے ستم زدگان جبل پور کی امداد و اعانت کے لئے اپیلیں کیں۔

صورت حال کا صحیح اندازہ کرنے اور واقعات کا تسلسل قائم رکھنے کے لئے چند اپیلوں اور امدادی کارروائیوں کا ذکر کریں گے!

جبل پور کے کشتگانِ ستم

ہر حلقہ سے امداد کی اپیلیں

کے بعد ملنی مشکل ہے۔ لاکھوں روپے کی جائداد کو آگ لگا کر بھسم کیا گیا۔ محلے کے محلے شعلوں کی نذر کر دیئے گئے۔ لوٹ الگ مچی، قتل و غارت گری اور زندوں کو مکانوں میں بند کر کے جلا دیا اور اس جاڑے میں ستر تک ڈھانکنے کا کپڑا تک نہ چھوڑا۔ یہ وہ کارنامے ہیں جن پر آپ ہمیشہ آنسو بہاتے رہیئے شہید ہونے والوں کی تعداد تو خدا کو ہی معلوم ہے باقی مختلف ذرائع سے اب تک یہ تعداد ستر تک پہنچ چکی ہے۔ ظاہر ہے کہ جبل پور اور نواحی علاقوں کے سو پچاس خانہ برباد وں کا سوال نہیں، ہزاروں مظلومین اور بے بسوں کا سوال ہے۔ ہندوستان کے مسلمان اگر وہ اور کچھ نہیں کر سکتے تو وہ ان مظلوموں کو جو دو دو گز کپڑے کو ترس رہے ہیں اور گھروں سے بے گھر بنا دیئے گئے ہیں ان کی مالی امداد تو کر سکتے ہیں۔ اس وقت ان مظلوموں کو لحافوں، پہننے کے کپڑوں، برتنوں کی سخت ضرورت ہے۔ چونکہ جبل پور کے مسلمانوں کے حواس تک درست نہیں اس لئے وہاں کوئی ادارہ قائم نہیں ہے اب امداد کی یہ صورت ہے کہ یا تو وہاں مستحق حضرات کو براہ راست سامان پہنچایا جائے۔ یا امدادی سامان یا رقوم جمعیۃ علماء ہند کی معرفت بھجوائی جائیں۔
مسلمانو، تم ہی اپنے بھائیوں کی خبر لے سکتے ہیں۔ آج جبلپور والوں پر مصیبت آئی ہے کل تم پر بھی آسکتی ہے۔ اگر تم مصیبت زدوں کی امداد کرو گے تو خدا تمہاری حفاظت کا سامان کر دے گا اور تمہارا اثیار رائیگاں نہ جائے گا۔

بمبئی کے مسلم عمائد اور اکابر کی تجویز

صوبہ مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ مسٹر چوہان ایک غیر متعصب روادار اور فراخدل شخصیت کے مالک ہیں۔ اس صوبہ کا مدھیہ پردیش سے کوئی تعلق نہ تھا لیکن انہوں نے جبل پور کے حادثات سے متاثر ہو کر پہلا کام یہ کیا کہ پورے صوبہ میں دیانت دار حکومت کے ساتھ روکھاوے کے لئے نہیں، مسلمانوں کی حفاظت کے انتظامات پر خاص توجہ کی کہ فساد انگیز عناصر انہیں ستانے نہ پائیں۔ دوسرا کام یہ کیا کہ ایک امدادی کمیٹی مظلوم مسلمانان جبل پور کے لئے بنا دی۔

صدر کانگرس سنجیوا ریڈی کی اپیل

آل انڈیا کانگرس کے صدر مسٹر سنجیوا ریڈی نے ۱۲ فروری ۱۹۶۱ء کو دہلی سے حسب ذیل اپیل جاری کی۔

مدھیہ پردیش میں جبل پور اور دوسرے شہروں کے فسادات سے ہمیں سجید دکھ ہے۔ کئی معصوم افراد کو سخت نقصانات اٹھانے پڑے ہیں۔ جانی نقصانات کے علاوہ جائداد کی بھی زبردست تباہی ہوئی ہے۔ کئی لوگ اپنی ساری پونجی اور اپنے سارے اثاثے سے محروم ہو گئے ہیں اس فرقہ وارانہ پاگل پن کا شکار ہونے والے تمام بے بس مردوں اور عورتوں کی امداد حکومت اور عوام کا لازمی فرض ہے میں اپیل کرتا ہوں کہ ان مصیبت زدہ عوام کی امداد کے لئے ملک کے تمام گوشے اور سماج کے تمام شعبوں کی جانب سے دل کھول کر مدد دی جائے۔

چندہ دینے والے براہ کرم اپنے چندے مسٹر سنجیوا ریڈی کے نام، جنتر منتر روڈ نئی دہلی کے پتہ پر روانہ کریں۔

مولانا حفظ الرحمٰن کی درد بھری اپیل

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے جنہیں مسلمانانِ ہند کا بڑا طبقہ بجا طور پر مجاہد ملت کے نام سے یاد کرتا ہے اس الم انگیز سانحہ پر جو پرزور اپیل شائع کی وہ یہ ہے۔

جبل پور کے مسلمان جس وحشت ناک طریقے سے تباہ کئے گئے ہیں اور پولیس کی موجودگی میں ان پر جو ستم توڑے گئے ہیں۔ ان کی نظیر ۱۹۵۰ء کے فسادات

کاشکریہ ادا کیا کہ انہوں نے اس سلسلہ میں جلسہ کر کے مسلمانوں کے دیرینہ خادم اور دوست ہونے کا ثبوت دیا۔ انہوں نے کہا کہ زاہد صاحب نے بمبئی کے فرقہ وارانہ فسادات میں جو ۱۹۴۶ء اور ۱۹۴۷ء میں ہوئے جان کی بازی لگا کر مظلوموں کی مدد کی۔ آج بھی زاہد صاحب میں وہی جذبہ باقی ہے۔

حلقہ احباب بمبئی کی اپیل:

زندہ دلان بمبئی کے بارے میں ۴ مارچ ۱۹۶۱ء کی ایک اطلاع۔

"کل اراکین حلقہ احباب اگری پاڑہ اور محلہ کے دیگر سماجی کارکنوں نے مظلومین مدھیہ پردیش کی خاطر فراہمی چندہ کے لئے مدنپورہ کا گشت کیا جو الحمد للہ بہت کامیاب رہا۔

ہم روزنامہ انقلاب کے مالک و مدیر جناب عبدالحمید انصاری صاحب کے مشکور ہیں کہ انہوں نے ریلیف فنڈ کے لئے مدنپورہ کے عوام سے اپیل کی کہ وہ حلقہ احباب کے ساتھ اس مقصد کی کامیابی میں تعاون کریں۔

نیز ہم مسجد جھیل کے صدر جناب محمد عمر رجب صاحب جونی مسجد کے ٹرسٹی جناب وارث مقادم صاحب اور عرب مسجد کے مینجنگ ٹرسٹی جناب شیخ محمد عثمان صاحب کے بھی مشکور ہیں کہ انہوں نے اپنی مساجد میں بوقت نماز جمعہ چندہ جمع کرنے کی اجازت دی۔

والنٹیر حضرات نے آج اگری پاڑہ پہلی دوسری اور تیسری گھیلا بائی سٹریٹ کا دورہ کیا۔ ان علاقوں کے رہنے والے مسلمانوں نے مظلومین جبل پور کی خاطر خواہ امداد کی۔ خواتین نے بھی کافی گرمجوشی سے چندہ دیا۔

آج ہمارے والنٹیر گوشت بازار حسینی باغ، سانگلی سٹریٹ اور رین روڈ کی بلڈنگوں میں چندہ کی فراہمی کے لئے جائیں گے ہم ان علاقوں کے رہنے والے مسلمانوں سے اور خاص طور سے ماؤں اور بہنوں سے پرزور اپیل کریں گے کہ عید کی خوشی و مسرت میں جبل پور کو نہ بھولیئے اور دل کھول کر والنٹیرز کو چندہ دیجئے۔

اس سلسلہ میں :-

بمبئی ۲۴ فروری - آج شہر کے ممتاز مسلم عمائدین کا ایک احتجاجی جلسہ خلافت ہاؤس میں جناب زاہد شوکت علی صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں جبلپور اور مدھیہ پردیش کے دیگر علاقوں میں حالیہ فرقہ وارانہ فسادات اور مسلم اقلیت پر ڈھائے جانے والے مظالم پر صدائے احتجاج بلند کی گئی۔ جلسہ میں جناب حاجی لوز محمد احمد صاحب کے علاوہ ممتاز سوشل ورکروں کی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔

بعد میں کرسئ صدارت کی طرف سے حسب ذیل تجویز پیش کی گئی جو اتفاق رائے سے پاس ہوئی۔

شہر کے ممتاز سوشل ورکروں، لیڈروں اور صحافیوں پر مشتمل یہ جلسہ وزیر اعلےٰ مہاراشٹر شری چوہان کو مبارکباد دیتا ہے کہ انہوں نے مسلم اقلیت کے مظلومین پر ڈھائے جانے والے ظلم وستم کا احساس کرکے فوری طور پر ایک امدادی کمیٹی تشکیل دے دی۔ جلسہ کو امید ہے کہ مجوزہ کمیٹی اقلیتوں کی امداد واعانت اور ان کی اشک شوئی کے لئے حتی المقدور کوشش کرے گی۔ نیز اس کمیٹی کو اور زیادہ نمائندہ بنانے کے لئے سیاسی اختلافات سے بالاتر ہو کر اس میں مزید اچھے افراد کو شامل کرے گی

یہ جلسہ حکومت مدھیہ پردیش کی سخت مذمت کرتا ہے کہ اس نے فسادات کو دبانے کی طاقت رکھنے کے باوجود انہیں دبانے اور مظلوموں کی فریاد کو پہنچنے میں اپنی ذمہ داری کا قطعی احساس نہیں کیا نیز حکومت ہند سے درخواست ہے کہ وہ ان فسادات کی کھلی اور غیر جانبدارانہ تحقیقات کرائے اور مجرمین کو فوراً واقعی سزا دے۔

یہ جلسہ جبل پور اور مدھیہ پردیش کے دیگر علاقوں میں ظلم وستم کا شکار ہونے والوں کے ساتھ کامل ہمدردی کا اظہار کرتا ہے اور امید کرتا ہے کہ حکومت ان فسادات میں تباہ ہونے والے خاندانوں کے نقصان کو پورا کرنے کے لئے معاوضہ دیکر اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوگی۔

آخر میں جناب سلامت رضوی ایڈیٹر روزنامہ ٹائمز نے زاہد صاحب

پاکستان میں
احتجاج اور غم و غصّے کے مظاہرے

جماعت اسلامی بمبئی کی دردمندانہ اپیل

مدھیہ پردیش میں جبل پور اور ساگر وغیرہ میں ہموطنوں کی لائی ہوئی المناک تباہیوں اور بربادیوں سے جس طرح ملت اسلامیہ سسک رہی ہے وہ ہم سب کے جذبات اخوت کے لئے خدا کی طرف سے ایک اہم آزمائش ہے۔

اس المیہ میں کتنے افراد بے گھر ہو گئے، کتنی عورتیں بے سہارا ہو گئیں اور کتنے ہی بچے یتیم ہو گئے۔ ان سب کا نہ صرف مستقبل تاریک ہے بلکہ ان پر اس وقت عرصۂ حیات تنگ ہے۔

جماعت اسلامی نے ان مظلومین کی امداد کے لئے ایک فنڈ قائم کیا ہے آپ حضرات ذیل کے پتہ پر صبح ۸½ بجے سے ۱½ بجے تک رقوم اعانت عنایت فرما کر باقاعدہ رسید حاصل کریں۔ نیز جماعت کے کارکن اس سلسلہ میں آپ کے پاس آئیں تو مطبوعہ رسیدیں حاصل کرکے اعانت کی رقمیں ان کے حوالے فرمائیں۔

حرفِ آغاز

جبل پور میں جو کچھ ہوا اس سے پاکستان کے مسلمانوں کا متاثر ہونا ان واقعات وحوادث پر کڑھنا اور ملول ومغموم ہونا قدرتی تھا۔

جن مسلمانوں نے قیام پاکستان کی تحریک میں دل وجان سے حصہ لیا تھا۔ ہر طرح کے ایثار وقربانی کا مظاہرہ کیا تھا آج اگر وہ ہدف ستم بنائے جا رہے ہیں تو اسی جرم میں۔ وہ زبان حال سے کہہ سکتے تھے اور کہہ رہے تھے۔

بہ جرم عشق توام کشند غوغائیست
تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشائیست

پاکستان کے طول وعرض میں اس حادثۂ المیہ پر جو جلسے ہوئے جلوس نکلے۔ مظاہرے ہوئے — ان کا ایک مختصر سا خاکہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

جبل پور کے پاکستانی مسلمانوں کا احتجاج

۱۳ فروری ۱۹۶۱ء کی ایک اطلاع

کراچی میں آباد جبل پور سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے وہاں کے فرقہ وارانہ فسادات پر گہری تشویش کا اظہار کیا۔ کل لالو کھیت میں ان لوگوں کا ایک اجلاس مسٹر ایس ایم سہیل کی زیر صدارت ہوا جس میں ایک قرارداد کے ذریعے جبل پور کے اور مدھیہ پردیش کے دیگر اضلاع میں خونریز فرقہ وارانہ فسادات پر اظہار تشویش کرتے ہوئے حکومت پاکستان پر زور دیا گیا کہ متاثرہ علاقہ کی مسلم آبادی کی حفاظت کے بارے میں بھارتی حکومت سے بات چیت کی جائے۔

صدرِ مملکت کا حقیقت افروز بیان

اسی زمانہ میں کانگو کے وزیر اعظم پیٹرک لومبا کا قتل ہو گیا جس پر ساری دنیا میں تہلکہ مچ گیا۔ صدر مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں مشرقی پاکستان کے دورے پر تشریف لے گئے تھے وہاں ایک ہندوستانی نمائندہ صحافت نے لومبا پر ان کے تاثرات معلوم کرنا چاہے۔ وہ بھٹرے فوجی اور کھرے آدمی، سیاست پیشہ اور سیاستدانوں کی طرح ایچ پیچ وہ کیا جانیں، انہوں نے صاف صاف کہہ دیا —— "لومبا کا ذکر کرتے ہو جبل پور کے مسلمانوں کے قتل عام پر کیوں توجہ نہیں کرتے؟ آخر ہندوستان کے مسلمانوں کو کس جرم کی پاداش میں یہ سزا دی جا رہی ہے۔ اب ان کے پاس کیا رہ گیا ہے؟"

حاصل کی اور پھر آج قبل دوپہر تقریباً دو گھنٹے تک مال روڈ پر زبردست احتجاجی اجتماع ہوا۔ گزشتہ چار سال میں لاہور میں طلبا کا اتنا بڑا جلوس کبھی نہیں نکلا۔

سٹوڈنٹس یونین کی ہدایت کے مطابق تقریباً پندرہ ہزار طلبا صبح نو بجے یونیورسٹی ہال کے بالمقابل جمع ہوئے اور پھر تقریباً ساڑھے نو بجے جلوس گورنر ہاؤس کی طرف روانہ ہوا۔ اس جلوس میں بہت سے مظاہرین نے کتبے اٹھا رکھے تھے جن پر جبل پور کے قتل وغارت کی مذمت، آزادی کشمیر، شیخ عبداللہ کی رہائی۔ الجزائر کی آزادی اور کانگو کے سابق وزیراعظم مسٹر لوممبا کے قتل کی مذمت کے نعرے لکھے ہوئے تھے۔

یہ جلوس ہمہ وقت پرامن رہا۔ تاہم جواں سال طلبا نے دو ڈھائی گھنٹے تک زبردست نعروں سے اپنے بے پناہ جوش وخروش کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے بالخصوص شہیدانِ جبل پور زندہ باد۔ آزادی کشمیر زندہ باد کے فلک شگاف نعرے لگائے اور بعض طلبا نے حکومت ہندوستان کے سنگدلانہ رویہ کی مذمت کے لئے سینہ کوبی کی دریں اثنا سپرنٹنڈنٹ پولیس خان عبدالرحمٰن خان لاٹھیوں سے مسلح پولیس کی بھاری جمعیت کی امداد کے ساتھ نظم وضبط قائم رکھنے کی کوشش کرتے رہے مال روڈ کی ٹریفک کا رخ دوسری سڑکوں کی طرف کیا جاتا رہا۔ اس مقصد کے لئے چیئرنگ کراس اور گورنر ہاؤس کے نزدیک پولیس کا وسیع انتظام تھا۔ ان میں گھڑسوار پولیس کے دو ایک دستے بھی شامل تھے۔

جب یہ احتجاجی جلوس تقریباً ساڑھے گیارہ بجے گورنر ہاؤس کے نزدیک پہنچا تو سٹوڈنٹس یونین کے بعض عہدیداروں نے لاؤڈ سپیکر پر تقریریں کیں اور پھر متذکرہ قرارداد منظور کی گئی، اس قرارداد میں شیخ عبداللہ کی رہائی پر بہت زور دیا گیا اور اس سلسلہ میں اقوام متحدہ سے مطالبہ کیا گیا کہ ریاست جموں وکشمیر کے سابق وزیراعظم شیخ محمد عبداللہ کو کانگو کے سابق وزیراعظم مسٹر پیٹرس لوممبا کے حشر سے بچایا جائے۔

قرارداد میں مسٹر لوممبا اور ان کے ساتھیوں کے وحشیانہ قتل کی پرزور مذمت کی گئی اور اقوام متحدہ سے مزید مطالبہ کیا گیا کہ کانگو میں سامراجیوں کے پٹھوؤں اور آزادی افریقہ کے دشمنوں کے ساتھ مؤثر اقدامات کئے جائیں۔

پریس ایسوسی ایشن کی اطلاع کے مطابق طلبہ نے اپنے بازوؤں پر سیاہ پٹیاں باندھ رکھی تھیں۔ جلوس میں افریقی طلبہ کے علاوہ میڈیکل کالج کے طلبا امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ انہوں نے سفید رنگ کے گاؤن پر سٹیٹس کریس لٹکا رکھی تھیں بھارتی فسادات اور لوممبا کے قتل کے خلاف احتجاج کے لئے لاہور میں طلبہ کا یہ پہلا منظم مظاہرہ تھا۔

اس بیان نے جو سراسر حقیقت پر مبنی تھا سارے ہندوستان میں تہلکہ مچا دیا اور ہر طرف سے احتجاج اور برہمی کے مظاہرے ہونے لگے لیکن جو بات سچ تھی وہ سچ ہی رہی۔

لاہور میں طلبہ کے احتجاجی مظاہرے

۲۳ فروری ۱۹۶۱ء کو لاہور کے جری غیور اور زندہ دل طلباء اپنے جذبات کا اظہار کرنے پر مجبور ہو گئے۔

پنجاب یونیورسٹی اور مقامی کالجوں کے ہزاروں طلباء نے آج حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا کہ ہندوستان میں بے یار و مددگار مسلم اقلیت کے جان و مال کی حفاظت کا مسئلہ اقوام متحدہ میں پیش کیا جائے یا اس مقصد کے لئے کوئی اور موثر اقدامات کئے جائیں۔

طلباء نے ہندوستان میں مدھیہ پردیش کے شہری و دیہاتی علاقوں کے مسلمانوں کے حالیہ منظم قتل عام اور خانماں بربادی کی شدید مذمت کی اور افسوس کا اظہار کیا کہ حکومت ہندوستان اس موقعہ پر موثر مداخلت کرنے کی بجائے محض اپنے ذوق تماشا کی تسکین کرتی رہی۔

پنجاب یونیورسٹی اور مقامی کالجوں کے ہزاروں طلباء نے آج صوبائی دارالحکومت میں تقریباً دو گھنٹے تک زبردست احتجاجی مظاہرہ کرنے کے بعد منذکرہ مضمون کی جو قرارداد منظور کی اس کے آخر میں ہندوستان کے وزیراعظم مسٹر جواہر لال نہرو سے انسانیت کے نام پر اپیل کی گئی کہ وہ اپنے ملک میں وحشت و بربریت کے بدترین مظاہروں کا سلسلہ بند کریں وہ انتہائی مظلوم مسلم اقلیت کو اطمینان سے زندہ رہنے کا بنیادی حق دیں۔

پنجاب یونیورسٹی اور مقامی کالجوں کے غیور طلباء دراصل کئی دن سے اپنے تعلیمی اداروں میں احتجاجی اجتماعات منعقد کر کے جبل پور اور گرد و نواح کے دیہات میں مسلمانوں کے منظم قتل عام کی مذمت کر رہے تھے اور انہوں نے گزشتہ دو تین دن میں دو ایک جلوس بھی نکالے اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ان کے جوش و خروش کے پیش نظر پرسوں ۱۳ فروری کو شہر میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی تھی۔ تاہم یونیورسٹی سٹوڈنٹس یونین نے کل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے مظاہرہ کے لئے باقاعدہ اجازت

کی حفاظت کی جائے اور ان کے مذہبی فرائض کی ادائیگی میں کوئی رکاوٹ حائل نہ کی جائے۔ پشاور میونسپل کمیٹی کے ایک غیر مسلم رکن نے اس قرارداد میں ترمیم کے ذریعہ مطالبہ کیا کہ بھارت میں جو لوگ حالیہ فسادات میں ظلم و تشدد کے مرتکب ہوئے ہیں انہیں مناسب سزائیں دی جائیں۔

پشاور یونیورسٹی کے کشمیری طلبا نے ایک ہنگامی اجلاس میں فرقہ وارانہ فسادات پر گہری تشویش کا اظہار کیا اور جن لوگوں کو ان فسادات سے نقصان پہنچا ہے ان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا۔ طلبا نے اس سلسلہ میں ایک قرارداد بھی منظور کی جس میں کانگو کے وزیر اعظم مسٹر لومبا اور ان کے ساتھیوں کے قتل کی مذمت کی گئی۔ طلبا نے ایک اور قرارداد کے ذریعہ مطالبہ کیا کہ کشمیری لیڈر شیخ محمد عبداللہ کو مسٹر لومبا کے انجام سے بچانے کے لئے انہیں اقوام متحدہ کی حفاظت میں دے دیا جائے۔

غائبانہ نماز جنازہ، پاکستان کے طول و عرض میں احتجاج

معاملہ صرف طلبا تک ہی محدود نہیں رہا۔ پاکستان کا ہر باشندہ اس سفاکانہ قتل عام سے متاثر اور غمگین و محزون تھا۔ عامۃ المسلمین کے جذبات الم بھی اپنی نمود کا راستہ تلاش کر رہے تھے۔

چنانچہ ۲۵ فروری کو سارے پاکستان کی مسجدوں میں شہدائے جبل پور کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی گئی اور احتجاجی تجویزیں منظور کی گئیں۔ چھوٹے سے چھوٹے قصبہ نے اور بڑے سے بڑے شہر نے بھی دل کھول کر احتجاج اور اظہار غم والم میں حصہ لیا۔

اس عام احتجاج اور اظہار غم والم کا ایک سرسری سا جائزہ:۔

آج پاکستان بھر کی مساجد میں جبل پور اور گرد و نواح میں شہید ہونے والے مسلمانوں کے لئے دعائے مغفرت کی گئی اور ہندوستانی مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کے خلاف احتجاجی قراردادیں منظور کی گئیں۔ کراچی کی مساجد میں ان شہدا کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ راولپنڈی اور کراچی کے طلبہ نے احتجاجی جلوس بھی نکالے نماز جمعہ کے اجتماعات میں مسلمانوں کی نسل کشی کی منظم سازش پر گہری تشویش کا اظہار کیا گیا اور حکومت پاکستان سے اپیل کی گئی کہ وہ ان بے یار و مددگار مسلمانوں کے جان و مال کے تحفظ کے لئے فوری اقدامات کرے۔

آج اسلامیہ کالج ریلوے روڈ کے اساتذہ اور طلبا نے ایک قرارداد میں بھارتی مسلمانوں کے قتل کی شدید مذمت کرتے ہوئے اسے ایک منظم سازش کا نتیجہ اور لیاقت نہرو معاہدے کی صریح خلاف ورزی قرار دیا۔

ایم اے او کالج یونین کے جنرل سیکرٹری نے جبل پور اور مدھیہ پردیش کے دوسرے علاقوں میں مسلمانوں کے بہیمانہ قتل کی شدید مذمت کی اور حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا کہ وہ بھارت سے شدید احتجاج کرے۔

اسلامیہ ہائی سکول مصری شاہ لاہور کے اساتذہ و طلبا نے مدھیہ پردیش کے مسلمانوں پر انسانیت سوز مظالم کی شدید مذمت کی اور حکومت پاکستان سے درخواست کی کہ وہ ان شرمناک مظالم کے خلاف اقوام متحدہ میں آواز اٹھائے۔

حیدرآباد اور پشاور کے مظاہرے

آج حیدرآباد میں کالجوں اور سکولوں کے طلبا نے جبل پور میں مسلمانوں کے قتل عام اور مسٹر لوممبا کے قتل کے خلاف احتجاج کرنے کے لئے ایک جلوس نکالا حیدرآباد شہر اور چھاؤنی کے علاقوں میں دو ماہ کے لئے احتیاطاً" دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی گئی ہے۔

پشاور میونسپل کمیٹی نے بھی جبل پور میں فرقہ وارانہ فسادات کی مذمت کی ہے، آج صبح میونسپل کمیٹی کا بجٹ اجلاس شروع ہونے سے پہلے میونسپل کمیٹی کے ایک غیر سرکاری رکن نے جبل پور اور مدھیہ پردیش کے دوسرے شہروں میں حالیہ فرقہ وارانہ فسادات کی مذمت کی قرارداد پیش کی جو متفقہ طور پر منظور کر لی گئی۔

قرارداد میں کہا گیا تھا کہ مدھیہ پردیش کے مختلف شہروں میں حالیہ فسادات پہلے سے سوچے سمجھے منصوبوں کے مطابق کرائے گئے ہیں جن کا مقصد مدھیہ پردیش کی مسلم اقلیت کو سیاسی اور اقتصادی اعتبار سے غیر مؤثر اور بے بس بنانا ہے قرارداد میں حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ بھارت کی حکومت کو مسلمانوں کے خلاف فرقہ پرستوں کے جبر و تشدد کے سلسلہ میں پشاور کے مسلمانوں کے جذبات سے آگاہ کرے اور بھارتی حکومت سے اس امر کی ضمانت حاصل کی جائے کہ ۱۹۵۰ء کے لیاقت نہرو معاہدہ پر پوری طرح عملدرآمد کرے گی۔

قرارداد میں اقوام متحدہ سے بھی مطالبہ کیا گیا ہے کہ بھارت کی مسلم اقلیت کی جان و مال کی حفاظت کا اور اس بات کا بھی انتظام کرے کہ ان کے مذہبی اور معاشرتی حقوق

قبائلی جرگہ کی برہمی اور احتجاجی تجویز

. بارہ تحصیل میں قبائلیوں کا ایک عظیم جرگہ ہوا جس میں مسلمانوں کے قتلِ عام پر غم و غصے کا اظہار کیا گیا۔ جرگے میں ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں حکومتِ پاکستان سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ قبائلیوں کو جبل پور جاکر معصوم مسلمان عورتوں اور بچوں اور نہتے مسلمان مردوں پر ہونے والے غیر انسانی مظالم کا بدلہ لینے کی اجازت دے۔

جرگے نے کہا ہے کہ ہم اپنی مسلمان بہنوں کی آبرو اور اپنے بھائیوں کی جان و مال کی حفاظت کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں گے۔ قرارداد میں کہا گیا ہے کہ ہندوستانی حکومت اقلیتوں کی حفاظت کرنے میں ناکام رہی ہے جبکہ حکومت پاکستان نے ہمیشہ اقلیتوں کے حقوق اور جان و مال کی حفاظت کی ہے اور سرحدی علاقے کے عوام نے اس علاقے میں آباد سینکڑوں ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ اسلامی اصولوں کے مطابق سلوک کیا ہے۔ جرگے میں حاجی مہمند خاں، میر عالم جان، قطب الدین ملک ملک امین خیل، قاضی مہر احمد گیٹ، ۶۰ بڑے قبائلی ملکوں نے شرکت کی۔ جرگے نے علاقے کے تمام قبائلیوں سے اپیل کی کہ وہ عنقریب پشاور میں منعقد ہونے والے جرگے میں شریک ہوں۔

کراچی کا احتجاجی جلوس اور مظاہرہ

۲۵ فروری کو کراچی کے طلبہ اور عوام نے بھی ایک احتجاجی جلوس نکالا اور مظاہرہ عام کا انتظام کیا۔ اس مظاہرے نے کافی شدت اختیار کر لی۔ لوگوں نے انڈین ہائی کمیشن کی عمارت پر پتھراؤ بھی کیا لیکن پولیس چوکس تھی اس نے کوئی سنگین صورت حال پیدا نہیں ہونے دی۔

صدر ایوب کا ایک اور حقیقت افروز بیان

۲۵ فروری ۱۹۶۱ء کو سکھر میں ایک نمائندہ صحافت کے سوال کے جواب میں صدر ایوب نے کہا۔

بھارتی حکومت اقلیتوں کے تحفظ میں جس طرح ناکام رہی ہے اس پر اسے

لاہور۔ مقامی مساجد میں نماز جمعہ کے اجتماعات کے موقع پر آج لاکھوں اسلامیانِ شہر نے ہندوستان میں مسلمانوں کے قتل عام کی پر زور مذمت کی۔ اور حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا کہ وہ ہندوستانی مسلمانوں کی نسل کشی کی مہم بند کرانے کے لئے موثر قدم اٹھائے۔

آج بعد دوپہر لاہور کی مساجد میں نمازیوں کی حاضری معمول کی نسبت کہیں زیادہ تھی بڑے اجتماعات شاہی مسجد، مسجد وزیر خاں، سنہری مسجد، مسجد دیلاد علی شاہ، مسلم مسجد مسجد داتا گنج بخش مسجد کرشن نگر اور احمدیہ مسجد بیڈن روڈ پر ہوئے، شہر کی بیشتر مساجد میں خطبہ جمعہ کا موضوع ہندوستان کے فرقہ وارانہ فسادات تھے۔ نمازیوں نے ہمسایہ ملکوں میں اپنے بھائیوں کی عزت و آبرو اور جان و مال کی سلامتی کے لئے دعائیں مانگیں۔

شاہی مسجد میں جہاں ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان جمع تھے ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں حکومت پاکستان پر زور دیا گیا کہ وہ ہندوستانی مسلمانوں کی حفاظت کے لئے جلد قدم اٹھائے۔ شاہی مسجد کے خطیب مولانا غلام مرشد نے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ انسانی حقوق مذہب اور اقلیتوں کے متعلق پاک و ہند معاہدہ کا تقاضا ہے کہ دونوں ملکوں میں اقلیتیں امن چین سے رہیں اور ان کے حقوق و مفادات کا پورا پورا تحفظ ہو۔ جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے بحمد اللہ یہاں اقلیتی فرقوں کے حقوق محفوظ ہیں۔ ان میں اور مسلمان شہریوں میں کسی جہت میں بھی کوئی امتیاز روا نہیں رکھا جاتا لیکن اس کے برعکس ہندوستان میں مسلمان اقلیت پر عرصہ حیات تنگ کیا جا رہا ہے ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کا کوئی اہتمام نہیں۔ ظلم خواہ کہیں ہو اس کی مذمت کرنا اور اس کے خلاف احتجاج کرنا انسانی فرض بھی ہے۔ اخلاقی اور مذہبی بھی۔ حکومت ہندوستان اقلیتوں سے متعلق پاک و ہند معاہدہ کے تحت اس بات کی پابند ہے کہ وہ ہندوستان میں بسنے والے مسلمانوں کے حقوق اور مفادات کی نگہداشت کرے لیکن اگر وہ اس سے قاصر ہے تو پھر ہماری حکومت کا فرض ہے کہ وہ اس سے موثر احتجاج کرے۔ اجتماع نے ہاتھ اٹھا کر ان کی اس تجویز کی تائید کی۔ آخر میں الجزائر کشمیر اور مدھیہ پردیش میں شہید ہونے والے مسلمانوں کے لئے دعائے مغفرت کی گئی۔

ایک اور بات یہ بھی ہے کہ نسل کشی بین الاقوامی قانون کے تحت جرم ہے جس کی سزا قتل عام کرنے والوں کو ملنی چاہیئے خواہ وہ افراد ہوں یا حکام، چنانچہ ہم اقوام متحدہ کے بااختیار ادارہ سے مطالبہ کر سکتے ہیں کہ وہ بھارت میں مسلمانوں کے قتل عام روکنے اور دبانے کی خاطر اپنے منشور کے تحت مناسب کارروائی کرے اس سلسلہ میں اقوام متحدہ سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک ایسے کمیشن کا تقرر کرے جو مسلمانوں کی ہولناک تباہی و بربادی کے بارے میں تحقیقات کرے۔ اُن پارٹیوں حکام اور دوسرے افراد کی مکمل فہرست تیار کرے جو اس قتل عام کے مجرم ہیں اور ایسے اقدامات تجویز کرے جن کے تحت ایسے افراد کے خلاف ایک بین الاقوامی ٹربیونل میں مقدمہ چلایا جائے۔

پاکستان اپنی اقلیتوں کا تحفظ کرے گا، صدر ایوب کا اعلان

۴ مارچ کو چک لالہ کے ہوائی اڈے پر اخباری نمائندوں سے گفتگو کرتے ہوئے صدر ایوب نے جبل پور اور ہندوستان کے دوسرے شہروں کے فسادات پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا۔

گو ایسے حادثات ہندوستان کا داخلی معاملہ ہیں تاہم اس کے اثرات پاکستان میں محسوس کئے جاتے ہیں۔ اول تو یہ ایک انسانی مسئلہ کی حیثیت ہیں کیونکہ منظم طور پر بے گناہ انسانوں کا شکار کیا جاتا ہے اور یہ سینکڑوں مرتبہ دہرایا جا چکا ہے۔ اس سے پاکستان میں بھی جذبات بھڑک جاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ پاکستان میں بھی بڑی تعداد میں ہندو اقلیت موجود ہے جو سوسائٹی کا ایک خوشحال حصہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ گو ہندوستان میں ایسے واقعات ہمارے ہاتھوں کو کمزور کرتے ہیں مگر ہم اپنی ہندو اقلیت کے تحفظ کا فیصلہ کر چکے ہیں۔

پشیمان ہونا پڑے گا جبل پور اور دوسرے بھارتی علاقوں میں مسلمانوں کے قتل عام پر گہرے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے صدر ایوب نے کہا کہ گو بظاہر یہ بھارت کا داخلی مسئلہ ہے لیکن جو ملک اپنی اقلیتوں کی حفاظت کی ضمانت نہ دے سکے اسے شرم محسوس کرنی چاہیئے۔

بین الاقوامی قانون کے تحت نسل کشی کے خلاف کارروائی

سپریم کورٹ آف پاکستان کے ایڈووکیٹ اور ہیگ کی بین الاقوامی عدالت ثالثی کے مستقل رکن ڈاکٹر نسیم حسن نے ایک بیان میں کہا۔

—— بھارت میں مسلمانوں کے قتل عام کی مہم جس نہایت منظم اور باقاعدہ طریق سے چلائی جا رہی ہے ان کی نسل کشی سے کمتر نہیں ہے یہ مظلوم اور بے بس مسلمان جن اندوہناک مظالم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں ان کی گھناؤنی کیفیت کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ان حالات میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہمیں بھارتی مسلمانوں کے اس اندوہناک قتل وغارت پر خاموش تماشائی ہی رہنا چاہیئے ظاہر ہے کہ اس قسم کا رویہ محض ناواجب ہوگا۔ ہمیں ایسی صورت حال میں قدم اٹھانے کا حق ہے، بین الاقوامی قانون کے تحت بھی اور ان تقاضوں کے تحت بھی جن کی پابندی بھارت اور پاکستان دونوں کی حکومتوں پر لازم ہے۔

۸ اپریل ۱۹۵۰ء کو پاکستان اور بھارت کی حکومتوں کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا تھا جن پر دونوں ممالک کے وزرائے اعظم نے دلی میں دستخط کئے تھے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ بھارت اور پاکستان کی حکومتیں قطعی باہمی عہد کرتی ہیں کہ دونوں میں سے ہر ایک حکومت اپنے علاقے میں اقلیتوں کے لئے مذہب کا کوئی لحاظ کئے بغیر شہریت کی مکمل مساوات اور ان کی جان، ثقافت املاک اور ذاتی آبرو کے تحفظ کا مکمل اعتماد یقینی بنا کر رکھیں گے۔ اس میں مزید کہا گیا ہے کہ دونوں حکومتیں ان حقوق کے بنیادی ہونے کا اعلان کرتی ہیں اور ان کے تحفظ کا عہد کرتی ہیں۔

اس سمجھوتے کے پیش نظر ہماری حکومت معاہدہ دہلی کے تحت یہ مسئلہ بھارتی حکام کے سامنے پیش کر سکتی ہے اور بھارتی حکومت سے مطالبہ کر سکتی ہے کہ وہ مسلمانوں کی نسل کشی کی اس مہم کو ختم کرائے جو مفاد پرست پارٹیوں نے شروع کر رکھی ہے۔

پیرایۂ آغاز

جبل پور کے خونیں حوادث نے صرف پاکستان کے مسلمانوں ہی کو وقف اضطراب و اضطرار نہیں کیا بلکہ باہر کی دنیا کے لوگ بھی خونِ مسلم کی ارزانی پر چونک پڑے اور سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ سلسلہ کب تک جاری رہے گا؟ مسلمانوں کی بے بسی، بے کسی اور قتل و غارت کا سلسلہ کبھی ختم بھی ہوگا یا نہیں؟۔

ممالک غیر کے مدبّروں کے تاثرات

جبل پور کے خوں ریز حادثات المیہ پر

مشہور برطانوی اہل قلم کا مقالہ

"۔ ڈی ناس" نے حادثہ جبل پور پر ایک طویل مقالہ تحریر کیا تھا جس کا ایک ٹکڑا درج ذیل ہے۔

مدھیہ پردیش ایم پی ایس جبل پور میں جو ہندو مسلم فسادات ہوئے ہیں بھارت کی برسر اقتدار کانگرس پارٹی کی ورکنگ کمیٹی نے ان کی اعلےٰ سطح پر تحقیقات پر زور دیا ہے انتہا پسند فرقہ پرست سیاست والوں کے سوا تمام لوگ پارٹی کے اس بیان کا خیر مقدم کریں گے۔ بھارت کے وسطی علاقوں کی طرح جنوبی علاقوں میں بھی اس قسم کے فسادات کی خبروں سے مسلمانوں میں جو وہاں اقلیت ہیں، اضطراب اور بے چینی پھیل جاتی ہے۔ وسطی اور جنوبی علاقوں کی آب و ہوا برصغیر ہند و پاکستان کے شمالی علاقوں سے مختلف ہے، یہی وجہ ہے کہ تقسیم کے وقت مذکورہ علاقوں کے مسلمان مغربی پاکستان میں جو شدید آب و ہوا والا علاقہ ہے نہیں گئے تھے۔ مسلمان اقلیت کی حیثیت سے اب تک بھارت میں آباد ہیں۔ جب کبھی فرقہ وارانہ فسادات ہوتے ہیں تو یہ مسلمان ایسا محسوس کرتے ہیں کہ انہوں نے خود اپنے آپ کو یہاں مقید کر رکھا ہے۔ کانگرس کی ورکنگ پارٹی کی اپیل پر جبل پور کے ہندو مسلم فسادات کی اعلےٰ سطح پر آزادانہ تحقیقات کرائی جائے اور فسادات کو ختم کیا جائے۔ مدراس کے ایک اخبار ہندو کے نامہ نگار مقیم دہلی نے لکھا ہے یہ کوئی پہلی بار نہیں ہوا ہے کہ کمیٹی نے اپیل کی ہے۔ کمیٹی اس قسم کی اپیلیں کرتی ہی رہتی ہے ورکنگ کمیٹی کے لئے یہ غور کا موقع ہے کہ اس کی اپیلیں بار آور ثابت کیوں نہیں ہوتیں؟

مانچسٹر گارجین کا تبصرہ

لندن کے مشہور اخبار "مانچسٹر گارجین" نے اس واقعہ پر ایک سنجیدہ اور سلجھا ہوا اداریہ اپنی ۱۳ مارچ ۱۹۶۱ء کی اشاعت میں قلم بند کیا۔ اخبار نے ہندوستان کے اخبارات کی اس خبر کا حوالہ دیا کہ جبل پور میں ہندو مسلم فسادات پہلے تو اچانک ہوا، اس کے بعد سیاسی لیڈروں نے اس کو ہوا دی۔ اخبار نے لکھا ہے کہ:

"اگر ایسا ہی ہے تو یہ دیکھنا ہے کہ سیاسی لیڈر انتخابات سے قبل اس قسم کی حرکتوں سے اپنے مقاصد میں کس حد تک کامیاب ہوتے ہیں۔ مذکورہ اخبار نے خبردار کیا ہے کہ یہ خطرہ بین الاقوامی شکل اختیار کر گیا ہے۔ اخبار نے کراچی میں ہندوستان کے خلاف مظاہروں کا بھی حوالہ دیا ہے اور پاکستان کے اخباروں کے اداریہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

گارجین نے لکھا ہے کہ اس کشیدگی کو ختم کرنے کی ذمہ داری ہندوستان پر ہے ہندوستان میں مسلمانوں کی سلامتی کی ذمہ داری حکومت ہند پر ہے۔ برطانوی جانتے ہیں کہ حکومت ہند کی نیت اچھی ہے لیکن اسے یہ ثابت کرنا ضروری ہے کہ جو لوگ بری نیت رکھتے ہیں، انہیں معاف نہیں کیا جائے گا۔

لیکن کیا ایسا ہوا؟

یہ فسادات ایک گہری سازش کا نتیجہ ہیں

نئی دہلی، ہندوستان کی راجدھانی ہے، یہاں ممالک غیر کے سفارت خانے ہیں غیر ممالک کے نمائندے موجود ہیں۔ بین الاقوامی مدبرین تشریف رکھتے ہیں یہ سب ملک کے حالات سے باخبر رہتے ہیں اور ان حالات سے باخبر رہنا ان کا فرض منصبی ہے۔

جبل پور کے واقعہ نے دلی کے سفارتی مبصرین کو بھی چونکنے، سوچنے اور غور کرنے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ کوئی دوسرا نہیں پریس ٹرسٹ آف انڈیا ثقہ راوی بیان کرتا ہے۔

مقامی سفارتی مبصرین نے کہا ہے کہ پاکستان میں جلد ہی جبلپور اور اس کے نواحی علاقوں کے فسادات زدہ مسلمانوں کا تانتا بندھ گیا کیونکہ ان علاقوں کے

مسلمانوں نے بھارت سے ہجرت کر کے پاکستان میں داخلہ حاصل کرنے کے لئے کوششیں شروع کر دی ہیں۔

پاکستان کے لئے پاسپورٹ اور ویزا حاصل کرنے کی درخواستوں کی تعداد میں پہلے سے بہت اضافہ ہو چکا ہے۔ بھارت کے سفارتی نمائندے تو پاکستان سے بھارت جانے کے خواہشمند کسی بھی ہندو کو نقل مکانی کے سرٹیفکیٹ دینے میں کسی تامل سے کام نہیں لیتے لیکن پاکستان اس قسم کی نقل مکانی کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا کیونکہ پاکستان نے بھارت کے ایک کروڑ مہاجروں کو بسانے کا کام جو قیام پاکستان کے بعد اس سرزمین پر پناہ گزین ہوئے تھے حال ہی میں مکمل کیا ہے متعدد بھارتی رہنماؤں نے کھلم کھلا یہ الزام عائد کیا ہے کہ مدھیہ پردیش میں وسیع پیمانہ پر فسادات برپا کرنا ایک گہری سازش کا نتیجہ ہے، کہا گیا ہے۔ یہ سازش بھارتی مسلمانوں کے خلاف کم اور پاکستان کے خلاف زیادہ ہے۔ جبل پور کے مسلمان جو ان دنوں کس مپرسی کی حالت میں کیمپوں میں پڑے ہیں ان کو پاکستان میں دھکیلنے سے فرقہ وارانہ ہندو جماعتوں جن میں جن سنگھ اور مہاسبھا وغیرہ کا مقصد پاکستان میں وہ بحرانی اور غیر مستحکم حالت پیدا کرنا ہے جو اکتوبر کے فوجی انقلاب سے پہلے قائم تھی۔

خود ہندوستانی کیا کہتے ہیں؟

ہندوستان کے ارباب فکر و سیاست
کے ارشادات، تاثرات، مشاہدات

نگاہِ اوّلین

ہندوستان کے کسی فساد نے سارے ملک میں ایسا تہلکہ نہیں مچایا تھا جیسا کہ جبلپور کے فساد نے، اس لئے کہ اس فساد میں ذرہ برابر بھی معقولیت نہ تھی۔ یہ کھلا ہوا قتل عام تھا۔ یہ کھلی ہوئی نسل کشی تھی۔ یہ واضح اور غیر مشکوک بہیمانہ غارتگری تھی۔

اس واقعہ نے ساری دنیا میں ہندوستان کو رسوا کر دیا تھا، ساری مہذب دنیا ہندوستان پر گری ہوئی نظر ڈال رہی تھی۔ تقسیم ہند کے کامل تیرہ سال کے بعد ایسا خونریز حادثہ، ایسا قتل عام، ایسی مجنونانہ غارت گری ایک شائستہ اور مہذب قوم کے شایان شان ہرگز نہیں ہو سکتی۔

اس بات کو ہندوستان کے سمجھدار طبقہ نے — جو زیادہ تر ہندوؤں پر مشتمل تھا — محسوس کیا اور اپنے تاثرات کا اظہار بے جھجک کیا۔

نامناسب نہ ہوگا، اگر اس دفتر بے پایاں کا کچھ حصہ بھی نظر کے سامنے رہے۔

فسانۂ غم دل ہے یہ کچھ سوال نہیں
نہ دو جواب، سنے جاؤ کچھ ملال نہیں

لوک سبھا میں حادثہ جبل پور کی گونج

۲۱ فروری ۱۹۶۱ء کو صدر مملکت بابو راجندر پرشاد کے خطبہ پر مباحثہ کے دوران میں ہندوستان کی پارلیمنٹ کے بہت سے ممبروں نے جبل پور کے انسانیت سوز اور لرزہ خیز حوادث پر اظہار خیال کیا۔

اس مباحثہ کا کچھ حصہ نظر کے سامنے رہے تو بہتر ہے۔

اچاریہ کرپلانی نے ایوان سے خطاب کرتے ہوئے حکومت سے اپیل کی کہ وہ انتشار پسند عناصر کا ڈٹ کر مقابلہ کرے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ہمارے عوام کو اب بھی ہوش نہ آیا تو تاریخ اپنے اعادہ پر مجبور ہوگی۔

مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن نے کہا کہ جبل پور کے فسادات، فرقہ وارانہ فسادات نہیں تھے۔ بلکہ وہ مسلمانوں کے خلاف ان غیر سماجی عناصر کی ایک گھناؤنی سازش تھی جنہوں نے اپنے افعال کی پردہ پوشی کے لئے پولس کو بھی اپنا ہمنوا بنا رکھا ہے انہوں نے ارباب مجاز سے اپیل کی کہ وہ ہندوستان کی اقلیتوں کو سرکاری ملازمتوں اور دوسرے اقتصادی شعبوں میں ان کا جائز اور منصفانہ حصہ دیں سوتنترا پارٹی کے لیڈر مسٹر این جی رنگا نے جبل پور کے فسادات کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ حکومت کو اس قسم کے واقعات کے انسداد کے سلسلے میں موثر اقدام اٹھانا چاہیئے۔

مدھیہ پردیش اسمبلی کے ایک ممبر کا اعلانِ حق

مدھیہ پردیش اسمبلی کے ایک کمیونسٹ ممبر مسٹر ہولی واچی نے ۲۲ فروری ۱۹۶۱ء کو

اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے ڈاکٹر کاٹجو نے حکومت پر زور دیا کہ وہ جبل پور کے فرقہ وارانہ فسادات اور اس کے نتیجہ میں ہونے والے پولیس فائرنگ کے بارے میں عدالتی تحقیقات کا حکم دے۔ یہاں ایک پریس کانفرنس میں خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ صوبائی حکومت نے سات فروری کی رات میں جبل پور میں پولیس فائرنگ کی مجسٹریٹ کو تحقیقات کا جو حکم دیا ہے اس سے یہ بات سامنے نہ آسکے گی کہ وہ اسباب اور واقعات کیا تھے جن کے نتیجہ میں گولی چلنے کی نوبت آئی؟ مدھیہ پردیش کے شہریوں کو جبل پور اور اس کے آس پاس کے مقامات کے فرقہ وارانہ ہنگاموں پر کسی فرقہ پر الزام لگانے کی بجائے اپنی گردنیں شرم سے جھکا لینی چاہئیں۔

مسٹر واچی نے جو جبلپور کے صورت حال کا موقع پر جائزہ لے کر اندور واپس آئے ہیں کہا ہے کہ ۷ فروری کو اور اس کے بعد والی صبح کو شہر میں حالات نے بہت سنگین شکل اختیار کر لی تھی کیونکہ ضلع کے حکام سے سنگین کوتاہی ہوئی تھی۔

مثال کے طور پر ۷ فروری کی شام کو والیس فورس ہٹالی گئی اور ۸ فروری کی صبح کو کرفیو نافذ کیا گیا۔ حکام نے بروقت کارروائی کر کے اس فرقہ وارانہ پروپیگنڈہ کو بھی نہیں روکا تھا جو اخبارات میں اظہار خیال کی آزادی کی آڑ لے کر کیا جا رہا تھا۔

مسٹر واچی نے کہا کہ وزیراعظم نہرو تمام وزراء اعلےٰ کو یہ سرکلر پہلے ہی بھیج چکے ہیں کہ اگر ان صوبوں میں فرقہ وارانہ فسادات کی وجہ سے جان یا مال کا نقصان ہو تو عدالتی تحقیقات کا حکم دیں۔

انہوں نے صوبائی حکومت سے اپیل کی کہ وہ جبل پور ساگر اور دوسرے متاثرہ علاقوں میں مصیبت زدگان کی امداد کے لئے مزید رقم کی منظوری دے لیکن یہ صدا، صدا بہ صحرا ثابت ہوئی۔

بھارتی پارلیمنٹ میں ایک اینگلو انڈین کی حق گوئی

مسٹر فرینک انھونی ممبر بھارتی پارلیمنٹ نے ۲۲ فروری ۱۹۶۱ء کو ایوان میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

جبل پور اور دوسرے مقامات پر ہندوؤں کی بدنام فرقہ وارانہ جماعتوں نے باقاعدہ منصوبہ بنا کر فسادات کرائے اور پولیس نے کھلم کھلا غنڈوں کی امداد کی اب

حالت یہ ہے کہ مسلمانوں اور بھارت کی دوسری اقلیتوں کو ہر گھڑی قتل و غارت اور لوٹ مار کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔

مسٹر فرینک انتھونی نے کہا کہ جبلپور اور نواحی علاقوں کے حالیہ فرقہ وارانہ فسادات کوئی اتفاقیہ حادثہ نہیں تھے۔ یہ ساری کارروائی باقاعدہ منصوبہ بندی کا نتیجہ تھی۔ آپ نے کہا وزیراعلیٰ مدھیہ پردیش کے مخالف بعض کانگرسی لیڈروں اور دوسرے مقامی سیاست دانوں نے بھی فسادات کے سلسلہ میں اپنے ذاتی مقاصد کی خاطر فرقہ پرستوں کا آلہ کار بننا منظور کیا۔ مسٹر انتھونی نے کہا کہ موجودہ ماحول میں کوئی عدالتی یا غیر سرکاری تحقیقات اصل واقعات کو منظر عام پر نہیں لا سکے گی۔ کیونکہ ایک تو پولیس لوگوں کو صحیح شہادتیں دینے کی اجازت نہیں دے گی۔ دوسرے انتخابی مصلحتیں انکوائری کا اصل مقصد پورا نہیں ہونے دیں گی مسٹر فرینک انتھونی نے کہا کہ جبل پور کے فسادات کے بعد یہ سنگین مسئلہ سامنے آگیا ہے کہ آیا صوبوں میں پولیس سے اقلیتوں کے جان و مال کے تحفظ کی توقع کی جا سکتی ہے آپ نے کہا کہ پولیس خود فرقہ وارانہ ذہنیت کا شکار ہے اور وہ اقلیتوں کی حفاظت نہیں کر سکتی اس مقصد کے لئے پولیس کا ایک مضبوط مرکزی لیڈر قائم کرنا ضروری ہوگا۔

واضح رہے یہ مسٹر فرینک انتھونی خاص جبل پور کے باشندے ہیں لہٰذا انہوں نے جو کچھ کہا تھا وہ سنی سنائی باتوں پر مشتمل نہیں تھا بلکہ مشاہدات پر مبنی تھا۔

شرومنی اکالی دل کی تجویز

سکھوں اور مسلمانوں کے تعلقات تقسیم ہند کے وقت حد درجہ تلخ ہو گئے تھے۔ لیکن جبل پور نے سکھوں کی انسانیت کو بھی ابھار دیا۔

۳ مارچ ۱۹۶۱ء کو

شرومنی اکالی دل کے ایک جنرل اجلاس نے جبل پور کے حالیہ فسادات کی مذمت کرتے ہوئے حکومت سے اس کی کھلی تحقیقات کرنے اور فساد زدگان کو معاوضہ دینے کا مطالبہ کیا ہے۔ ایک قرارداد میں حکومت پر اکالی دل نے زور دیا ہے کہ مجرموں کو سخت سزا دی جائے اور اقلیتوں کے مفادات کی مکمل حفاظت کی جائے۔

شیو پرشاد سنہا کی سچی باتیں

الہ آباد ہائی کورٹ کے سابق جج اور سپریم کورٹ آف انڈیا، سینئر اور معزز ایڈووکیٹ مسٹر شیو پرشاد نے ایک طویل بیان حادثہ، اپریل ۱۹۶۱ء میں جبل پور پر شائع کیا جسے بھارت اور پاکستان کے جرائد وصحائف نے تائیدی شذرات کے ساتھ اپنے کالموں میں جگہ دی. قارئین پر ظلم ہوگا اگر اسے نظر انداز کر دیا جائے۔

سنہا صاحب نے اپنے طویل مضمون میں کئی چبھتے ہوئے نکتوں کو اٹھایا ہے۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسلمان اپنے حفظ ودفاع کے لئے کسی جماعت کی تشکیل کریں یا نہ کریں. جبل پور کے واقعات نے مسلمانوں کے ایک معقول طبقہ میں یہ جذبہ پیدا کر دیا تھا انہیں کانگریس کی صرف ہاں میں ہاں نہ ملانا چاہیئے بلکہ اپنا جماعتی نظام مستحکم کرنا چاہیئے، حافظ محمد ابراہیم وزیر آب پاشی حکومت ہند نے اس رائے سے اختلاف کیا اور جماعتی تنظیم سے مسلمانوں کو روکنا چاہا. ان کے کچھ اور ہم سفر اور ہمنوا بھی میدان میں آئے. انہوں نے بھی یہی کہا سنہا صاحب نے اس بارے میں بھی اپنی نچی تلی رائے ظاہر کی۔

"آئندہ الیکشن قریب ہے اور ضروری ہے کہ ہر شخص اس کی طرف توجہ کرے اقلیتوں کی توجہ اس طرف پوری طرح ہونی چاہیئے. زنجیر کی کوئی کڑی اگر کمزور رہے تو پوری زنجیر کمزور رہے گی —— یہ قانون قدرت ہے. اقلیتوں میں سے مسلمانوں کو اپنی حالت پر غور کرنا چاہیئے. ان کی سیاسی معاشی اور اخلاقی حالت ناگفتہ بہ ہے. میں دینی امور کے متعلق تو کہنا نہیں چاہتا کیونکہ میری یہ قطعی رائے ہے کہ سیاسی امور کو دینی معاملات سے بالکل الگ رکھا جائے. میری پہلے بھی یہی رائے تھی لیکن جب سے میں نے عمر فاروق رض کی سوانح حیات پڑھی ہے میری رائے پختہ ہو گئی ہے. انہوں نے مذہب کو سیاست سے بالکل الگ رکھا تھا. نظام سلطنت ان سے بہتر کسی کو نصیب نہیں ہوا یہی وجہ تھی کہ ان کے دور خلافت میں غیر مسلم اہل اسلام سے زیادہ خوش تھے. یہ بات فتوحات شام اور بیت المقدس کے موقعوں پر زیادہ نمایاں تھی.

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو خاص توجہ کی ضرورت کیوں ہے. جیسا کہ میں نے پہلے بھی اظہار خیال کیا ہے. ملک کی دیگر اقلیتوں کے لیڈر واقعی لیڈر رہے. سکھوں کو دیکھیے ماسٹر تارا سنگھ نے اپنے خلوص ایثار اور اپنی جانفشانی سے اس چھوٹی سی اقلیت کے

ڈنکے بجوا دیئے۔

اینگلو انڈین اقلیت بہت ہی چھوٹی ہے لیکن فرینک انتھونی نے جو چاہا کرا لیا اب غور کیجیے کہ مسلمانوں کی حالت کیا ہے؟ جنوبی ہند کو تھوڑی دیر کے لیے چھوڑ دیجیے شمال مشرقی اور مغربی ہند کی طرف غور کیجیے۔ مولانا حفیظ الرحمٰن کے سوا کون ہے جو واقعی نمائندہ کہلایا جا سکے؟ یوپی کی طرف غور کیجیے جہاں مسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ میرے مکرم دوست حافظ محمد ابراہیم صاحب بہت ہی نیک اور شریف آدمی ہیں۔ لیکن مجھ کو حیرت ہوتی ہے کہ وہ مسلمانوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ اپنی علیحدہ جماعت قائم نہ کریں اور اپنے حقوق نہ مانگیں۔ کبھی حافظ صاحب نے یہ بھی غور کیا کہ ان کے اہل مذہب کی حالت اس چودہ برس میں کیا سے کیا ہو گئی؟ وہ تو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ممبر بھی ہیں انہوں نے کیا کیا۔ وہاں جا کر کیا فرائض انجام دیئے۔ حافظ صاحب فرمانے لگے کہ ان کا نصب العین ملک ہے نہ کوئی خاص فرقہ۔ ملک کے معنی اینٹ اور پتھر کے نہیں ہیں۔ ملک کے معنی ملک کے انسان ہیں۔ کیا اقلیتیں ملک کا جزو نہیں ہیں؟

جب ان کے صوبہ میں اردو کے وجود سے انکار کیا گیا تھا جب اردو حرفِ غلط کی طرح مٹائی جا رہی تھی۔ جب کتاب "بیسک ریڈر" کا ایجی ٹیشن چل رہا تھا اور جب ڈاکٹر سمپورنانند نے اس کتاب کو خلافِ قانون قرار دینے سے انکار کر دیا تھا اور بہار اور بنگال وغیرہ میں وہ پھر دوبارہ چھپ ہوگئی تھی۔ یہی نہیں جب اس کے سلسلہ میں جو ایجی ٹیشن ہوا تھا اس کو انہوں نے فرقہ وارانہ رنگ دے کر اپنی پوری طاقت سے کچلنا شروع کر دیا تھا۔ اس وقت حافظ ابراہیم یا سید علی ظہیر صاحب کیا کر رہے تھے؟ انہوں نے استعفیٰ کیوں نہیں دیا؟ یہ عجیب قسم کی منسٹری اور لیڈری تھی اور ہے اس وقت ان دونوں نے کوئی صدائے احتجاج بلند کی یا صرف چند مشاعروں کی صدارت سے اردو کی خدمت ادا ہوگئی یا زیادہ سے زیادہ شیعہ سنی وقف بورڈ کی خدمت کو کافی سمجھا گیا؟

آمدم بر سرِ مطلب۔ گزشتہ الیکشن کے وقت رفیع احمد قدوائی صاحب کا انتقال ہو چکا ہے۔ حب الوطنی ان کی رگ رگ میں بسی تھی۔ کٹر سے کٹر جن سنگھی اور راشٹریہ سیوک سنگھ والے کو بھی ان پر اعتماد تھا لیکن وہ مسلمانوں کے ساتھ بھی ویسی ہی

لگتا ہے۔ بجز سٹیٹسمین جس کا ایڈیٹر انگریز ہے انگریزی اخبارات سب غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہیں۔ مسلمانوں کو شکایت رہتی ہے کہ عموماً ان کا نظریہ ان کے ساتھ منصفانہ نہیں رہتا ہے لیکن اس مرتبہ مسلمانوں پر اس قدر ظلم کا پہاڑ ٹوٹا ہے کہ انہوں نے بھی اس کی مذمت کی ہے۔ گو اس درجہ اور کھلے الفاظ میں نہیں جیسا کہ اردو اخبارات نے کہا اور صحیح طور پر کہا۔ صرف ایک اخبار انڈین ایکسپریس دہلی نے پوری ترجمانی کی۔ اس نے یہ بھی صاف صاف لکھ دیا کہ جس لڑکی کی بے حرمتی کی وجہ سے یہ مصیبت نازل ہوئی اس واقعہ میں خود اس کے رشتہ دار کا ہاتھ تھا۔ یہ بھی لکھ دیا کہ جن سنگھی، اخباروں پر اس کی ساری ذمہ داری ہے اس معاملہ میں انڈین ایکسپریس کا کردار نہایت اونچا رہا، کچھ اخبار ایسے بھی ہیں مثلاً ناگپور ٹائمز، جنہوں نے اس مرتبہ بھی مسلمانوں کو ہی مجرم قرار دیا۔

اب ذرا ان مسلمان لیڈروں کی کیفیت دیکھیے۔ بجز مولانا حفظ الرحمٰن کے کسی نے بھی لب کشائی نہ کی۔ کہاں ہیں حافظ صاحب، علی ظہیر صاحب [illegible] الجنتی غلام محمد صاحب وغیرہ وغیرہ، کیا لیڈری کے یہی معنی ہیں کہ اپنے ضمیر کو کچل دیا جائے پنڈت نہرو نے کہا کراچی میں جو کچھ ہوا برا ہوا لیکن اصل وجہ تو جبل پور کے واقعات ہیں جو سب برائیوں کی جڑ ہیں مولانا حفظ الرحمٰن کے سوائے چوٹی کے مسلمانوں [illegible] لیڈروں نے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر انگریزی عملداری میں ایسا واقعہ ہوتا تو چند گھنٹوں میں وائسرائے اور کمانڈر انچیف خود موقع پر پہنچتے۔ یہاں کوئی صاحب نہیں گئے پریذیڈنٹ نے اپنے خطبہ میں اس کا تذکرہ تک نہیں کیا۔ آسام میں گڑبڑ ہوئی تو مسٹر تروپ کمار چوہدری نے پارلیمنٹ میں ان الفاظ میں نہرو اور پنت کو مخاطب کیا تھا۔

"میں پنڈت نہرو اور پنڈت پنت کو اصل مجرم قرار دیتا ہوں"

مسلمان لیڈر بھی ان الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے اور ان کے مطالبات یہ ہونے چاہئیں۔

نمبر ۱۔ ڈاکٹر کاٹجو فوراً استعفیٰ دے دیں۔

نمبر ۲۔ کمشنر اور کلکٹر اور انسپکٹر جنرل پولیس وغیرہ برخاست کئے جائیں۔

نمبر ۳۔ وصرم لنگ اخبار پر مقدمہ چلایا جائے۔

نمبر ۴۔ مسلمانوں کا جس قدر نقصان ہوا ہے وہ گورنمنٹ پورا کرے۔

ہمدردی کرتے تھے جیسے ہندو، عیسائی یا پارسی یا کسی اور سے کرتے تھے، ادھر مولانا آزاد کی عظیم ہستی موجود تھی۔ گو وہ دیر سے بہت سوچ سمجھ کر میدان میں آئے تھے لیکن پانی جب سر سے گزرنے کو ہوتا تھا تو پھر وہ نہیں ہٹتے تھے اب دونوں ہستیاں چلی گئیں اور ان کی جگہ کوئی لینے والا نہیں۔

مسلمانوں کو بہت سی باتوں پر غور کرنا ہے۔ سب سے پہلے تو ان کو دو چار ایسے نمائندوں کو تجویز کرنا ہے جو واقعی مولانا حفظ الرحمن کا ہاتھ بٹا سکیں۔ اس کے لئے ان کو بہت سوچ سمجھ کر کام کرنا ہوگا ان کے ایسے نمائندے ہونے چاہئیں، جیسے ماسٹر تارا سنگھ یا سنت فتح سنگھ سکھوں میں ہیں یا مسٹر راجگوپال اچاری سوتنتر پارٹی میں۔ اگرچہ کام آسان نہیں ہے بہت ہی مشکل کام ہے لیکن اس کو کرنا ہے۔

ان مسلمان نمائندوں کا فرض ہے کہ وہ غور کریں کہ کیا وجہ ہے کہ کیا وجہ ہے کہ مسلمان کس مپرسی کے عالم میں ہیں۔ کمپی ٹیشن میں ان کا نمبر قریب صفر ہے، بزنس ان کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ معاشی حالت ناگفتہ بہ ہے زرکشی الگ ہو رہی ہے، اس ملک کا پرائم منسٹر بے مثل اور بے نظیر انسان ہے۔ مسلمانوں سے اس کو خاص ہمدردی ہے یہ اسی ہمدردی کی وجہ سے کہ اس کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ پاکستان سے اچھے تعلقات قائم رہیں۔

کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں کو پنڈت نہرو کے ہونے کے باوجود اپنے حقوق نہیں ملتے جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے کمپی ٹیشن میں وہ صفر کے برابر ہیں بزنس اور انڈسٹری میں کہیں ان کا پتہ نہیں ہے کیا وجہ ہے کہ جب وہ محض اپنے حقوق مانگتے ہیں تو انہیں غدار کہا جاتا ہے اور ان پر مقدمے چلائے جاتے ہیں، جن سنگھ، راشٹریہ سیوک سنگھ اور ہندو مہا سبھا روزانہ زہر اگلتے ہیں تو ان کے خلاف کبھی کوئی کارروائی نہیں ہوتی۔ خاص دہلی میں ایسے اخبارات ہیں جن کا کام ہی صرف یہ ہے کہ مسلمانوں اور سکھوں کے خلاف زہر اگلیں۔ حکومت کی توہین کریں اور ان کے خلاف کچھ بھی نہ ہو۔ کیا وجہ ہے کہ علی گڑھ، ستیا پور، فیروز آباد اور بھوپال میں پہاڑ ٹوٹیں اور ڈاکٹر سمپورنانند اور کملا پتی ترپاٹھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کریں اور ڈاکٹر کاٹجو یہی کہے جائیں کہ مسلمانوں کی زیادتی ہے۔

جبل پور میں جس قدر تباہ کن واقعات ہوئے ہیں کہ ان کے تصور سے بدن کانپنے

اگر اس موقعہ پر مسلمان لیڈر مولانا حفیظ الرحمٰن کا ساتھ نہ دیں گے تو قوم کا مستقبل بالکل تاریک ہو جائے گا۔ اس موقع پر مسلمانوں کو ایک بات اور صاف کر لینی چاہیئے کہ اکثریت کے فتنہ ساز ہمیشہ ایک فرسودہ اور ذلیل حربہ استعمال کیا کرتے ہیں وہ یہ کہ ہر فتنہ کو پاکستان سے جوڑ لیتے ہیں اور مسلمان مرعوب ہو جاتے ہیں۔ گو ہمیشہ یہ بہتان غلط ثابت ہوا لیکن یہ مرعوبیت قائم رہی۔ اس خوف کو بھی ان کے دل سے نکال دینا چاہیئے۔ پاکستان سے اچھے تعلقات قائم رہیں یہ ہر شخص کا اولین فرض ہے۔ ابھی دو چار دن ہوئے کہ لارڈ اٹیلی نے یہ مشورہ دیا کہ ہندوستان اور پاکستان کا مشترکہ محاذ قائم ہونا چاہیئے۔ یاد رہے کہ جب تک کرشنا مینن کا اثر پنڈت نہرو پر ہے۔

این خیال است و محال است و جنون

لیکن ہمیں اس کے لئے کوشش کرنا چاہیئے اور پاکستان کے نام پر مسلمانوں کو مرعوب اور غیر مسلموں کو چراغ پا نہ ہونا چاہیئے۔ مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ چونکہ الیکشن کا زمانہ قریب ہے اس لئے ان کی کچھ دلجوئی اور اشک شوئی بھی ہوگی لیکن وہ کمیٹی جو اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے محمد طارق ممبر پارلیمنٹ کی تحریک پر کانگرس نے مقرر کی ہے وہ ہرگز ہرگز قابلِ اعتماد نہیں ہے ایک دو ممبروں کے علاوہ سب جی حضوری موجود ہیں، خود مسٹر طارق پر کسی کو اعتماد نہیں ہو سکتا۔ یہ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے جن سنگھ یا راشٹریہ سیوک سنگھ کو کچھ زیادہ قابلِ اعتراض نہیں سمجھا لیکن انہوں نے جماعت اسلامی کے خلاف سخت اور بے وجہ تہ سرافشانی کی۔ مسلمانوں کو ان پر اعتماد کرنا مناسب نہیں ان کو کمر ہمت باندھ کر مستقبل کے متعلق سوچنا چاہیئے اور اس کے متعلق تدبیریں ہونی چاہئیں۔ انہیں اپنے دشمنوں کو کہہ دینا چاہیئے کہ اس ملک میں ان کو بھی وہی حقوق حاصل ہونے چاہئیں۔ جو دوسروں کو حاصل ہیں۔ ہم وطن کے غدار نہیں۔ دور کیوں جایئے آج جتنے مقدمے غداروں کے خلاف چل رہے ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی مسلمان نہیں ہے۔ مسلمانوں میں سے کوئی گوڈسے یا شادی لال تو نہیں ہوا اور نہ ہے۔"

اس طویل اقتباس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں لیکن مسٹر سنہا نے جس بیباکی اور انصاف پسندی سے کام لیتے ہوئے اپنے تاثرات اور انسانیت دوستی کا اظہار کیا ہے اسے تاریخی حیثیت حاصل ہے اور ضرورت ہے کہ آئندہ مورخ کے لئے یہ سرمایہ محفوظ رکھا جائے۔

مسلم کنونشن کا انعقاد

بالآخر مولانا حفظ الرحمٰن کے مساعی جمیلہ بار آور ہوئی اور دلّی میں مسلم کنونشن کا نہایت باوقار اور شایان شان اجتماع ہوا۔ اس اجتماع میں ـــ مسلم لیگ کے سوا ـ ہر طبقہ اور خیال کے مسلمانوں کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی اور سب نے جوش و خروش کے ساتھ شرکت کی اور جرأت وہمت کے ساتھ اپنی شکایات و مطالبات کا اعلان واعادہ بھی کیا۔

کانگرس کی طرف سے تو اس کنونشن کی مخالفت نہیں ہوئی۔ نہرو اور دیگر کانگریسیوں کو کچھ غلط فہمیاں تھیں۔ وہ بہ آسانی رفع ہوگئیں۔ لیکن وہ طبقہ جو سردار پٹیل کے زمانے میں کانگرس پر چھایا ہوا تھا اور جو اونچے درجہ کا فرقہ پرست تھا ـــ اس کی طرف سے کنونشن کے انعقاد اور اس کی کارروائیوں پر اعتراض و ایراد کی بوچھاڑ شروع ہوگئی کہ مسلم کنونشن کے اعلان ہونے کے وقت ہم میں سے بعض لوگوں کے دل میں جو شبہات پیدا ہوئے تھے وہ اخبارات میں شائع ہونے والی کارروائی سے رفع نہیں ہوئے میرا اشارہ قرار دادوں کی طرف نہیں ہے جن کی عبارت بہت احتیاط کے ساتھ تیار کی گئی ہے بلکہ اجلاس کی عام فضا کی طرف ہے جو اس سلوک سے ظاہر ہوتی ہے جو مسٹر طرزی کے ساتھ کیا گیا۔ جب انہوں نے یہ حقیقت بیان کرنے کی کوشش کی کہ صنعت و تجارت کے میدان میں مسلمانوں کے خلاف کوئی امتیاز نہیں برتا جاتا تو انہیں بولنے نہیں دیا گیا۔ لوگ ان کی بات سننے کے لئے تیار نہیں تھے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے دماغ کے دروازے بند کر لئے تھے۔ اور وہ اپنے دماغ میں بجز اس کے اور کوئی بات گھسنے نہیں دینا چاہتے تھے کہ ہندو اکثریت مسلمانوں کے ساتھ بُرا سلوک کرتی ہے

کنونشن کے صدر ڈاکٹر محمود نے یہ سلسلہ صدارتی خطبہ سے شروع کر دیا انہوں نے نہ صرف ان باتوں کی طرف توجہ مبذول کرائی جن کو وہ مسلمانوں کی سنگین شکایات سمجھتے ہیں بلکہ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ریاستی حکومتوں کو خواہ مخواہ غیر ذمہ دارانہ طور پر کام کرنے کی آزادی دے دی گئی ہے۔

میں سوچتا ہوں فاضل ڈاکٹر صاحب اپنے تخیل سے کام لے رہے ہیں یا ان تجربات کی بنا پر یہ بات کہہ رہے ہیں جو انہیں ایک زمانہ میں ریاستی وزیر کی

دارالحکومت بلالیا گیا۔

ایک دوسرا جواب آں غزل

مولانا شاہد فاخری الہ آبادی ممبر یوپی اسمبلی حق گوئی اور کھری بات کہنے میں اپنے وقت کے مولانا حسرت موہانی ہیں سمپورنانند کے بیان پر وہ خاموش نہ رہ سکے انہوں نے ڈاکٹر صاحب کی لاف زنی کا — جو اپنے عہد گرامی کے زمانے سے متعلق تھی — نہایت مکمل و مدلل اور کافی وشافی جواب دیا ہے ضروری ہے کہ مولانا فاخری کے بیان کا ایک حصہ بھی پیش نظر ہے۔

مجھے ہندوستان ٹائمز مورخہ ۱۳ جون ۱۹۶۱ء میں ڈاکٹر سمپورنانند کے بیان پر بڑا تعجب ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے مسلم کونشن کے انعقاد پر تعجب کرتے ہوئے دعویٰ کیا ہے کہ جس زمانے میں ان کا براہ راست یوپی سے تعلق رہا ہے اس وقت ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہوا جس میں مسلمانوں کو اذیت پہنچی ہو — مجھے ڈاکٹر صاحب کے اس دعویٰ پر سخت تعجب ہوا۔ میں تو کہتا ہوں ان کے دور حکومت میں کوئی ایک سال بھی ایسا نہیں گیا کہ کسی نہ کسی مقام پر مسلمانوں کو جسمانی، مالی، اقتصادی اور روحانی اور مذہبی تکلیفیں نہ دی گئی ہوں۔

سب سے تاریک پہلو ان کی حکومت کا یہ تھا کہ جب لہر پور میں بیگناہ مسلمان تعزیہ داروں پر گولی چلی تو میں نے صرف یہی کہا تھا کہ کانگرس اسمبلی پارٹی ہی سہی لیکن غور کر لیجئے۔ اگر مناسب ہو تو ایک ڈسٹرکٹ جج ہی کے برابر ریول ا پرسہی مگر واقعہ کی جانچ کر لیجئے — تو سمپورنانند نے پارٹی کے اندر بھی اس موضوع پر بحث مباحثہ کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔

جب یونیورسٹیوں کے میڈیکل کالج موجود ہیں تو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو میڈیکل کالج کی اجازت نہ دینا سمپورنانند ہی کی حکومت کا کارنامہ تھا۔

اسی طرح چودہ برس سے جب ان کا براہ راست ایڈمنسٹریشن سے تعلق تھا۔ سینکڑوں مسلمانوں پر مظالم ہوئے لیکن ہمارے ساتھ انصاف کرنا بھی اس مغرور ایڈمنسٹریشن نے گوارا نہ کرتے ہوئے انکار کر دیا۔ ملازمتوں میں سو ڈیڑھ سو تقرریوں میں بہت ڈھونڈے سے شاید ایک مسلمان کا نام بھی مشکل سے نہ مل [illegible] پی کے

حیثیت سے حاصل ہوئے؟ بس حکومت کے وہ ایک معزز دکن تھے کیا اس نے دیدہ و دانستہ مسلمانوں کو ان کے حقوق سے محروم نہیں کیا؟

جواب آں غزل

سمپورنا نند کی اس غزل کا بڑا دلچسپ جواب لکھنو کے مشہور ڈاکٹر اور یوپی اسمبلی کے ممبر ڈاکٹر فریدی نے دیا۔ ڈاکٹر فریدی کا جواب ایک پمفلٹ کی صورت میں شائع ہوا اس کا ایک اہم پہلو یہ ہے۔

فرقہ وارانہ جھگڑوں کے بڑھنے اور جلد جلد واقع ہونے میں یوپی حکومت کی بے عملی اور مجہولیت کا بڑا ہاتھ ہے ہر بڑے فساد کے موقع پر حکومت سے باضابطہ تحقیقات کرنے کو کہا گیا مگر اس نے نہ سنی۔ جب لہر پور میں بلوہ ہوا تو وہاں بھون کے ۲۶ ممبروں نے مل کر حکومت سے تحقیقات کی درخواست کی مگر لا حاصل۔ مجرم حکام کو زیادہ تر سزا کی بجائے انعام دیا گیا۔

گڑھ مکتیشر میں بلوہ کے وقت سینئر ایس پی نے سب انسپکٹر کے کوارٹر میں پناہ لی اور ایڈیشنل ایس پی نے ان مظلوموں کو جو اس واقعہ کی رپورٹ کرنے گئے بھلا بُرا کہا۔ کچھ دنوں بعد سینئر افسر کو ترقی دے کر ڈی آئی جی کر دیا گیا اور ایڈیشنل ایس ایس پی کو ضلع کا چارج دے دیا گیا۔

شاہجہان پور کا ہنگامہ جس نے سارے روہیلکھنڈ کو ہلا ڈالا تھا اس کی اصل ذمہ داری جس شخص پر تھی حکومت نے اس کو اس طرح نوازا کہ اسے راجستھان کا چیف سیکرٹری بنا دیا گیا۔

مبارک پور کا ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اب بھی ہے اور سپرنٹنڈنٹ پولیس کی ملازمت میں دو دو سال کی توسیع کر دی گئی۔

لہر پور میں جس وقت پولیس نے گولی چلائی ہے حکام دوپہر کے کھانے کی ایک دعوت سے لطف اندوز ہو رہے تھے جس تحصیلدار نے اپنے پستول سے اس بے گناہ آدمی کو مارا تھا جو درخت پر چڑھا شاخ کاٹ رہا تھا اس کو ڈپٹی کلکٹر بنا کر اس جگہ تعینات کر دیا گیا۔

آگرہ کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو ڈھائی سو روپے مہینے کا سپیشل الاؤنس دے کر

پانچ بڑے شہروں میں کسی مسلمان کو ایس پی یا کلکٹر کی جگہ پر سمپورنا نند حکومت نے آنے نہیں دیا۔

..."ہم پہ قیامت گزر گئی"

اب تک جو تاثرات اور واردات پیش کئے گئے وہ باہر کے لوگوں کے تھے اب میں جبل پور کے رہنے والے آگ اور خون کے اس دریا سے گزرنے والے ایک شخص مسٹر ایم اے صدیقی کے ایک طویل مقالے کے چند اجزا پیش کرتا ہوں ان سے صحیح واقعات کو سمجھنے اور صحیح ترنتیجہ قائم کرنے میں مدد ملے گی۔

جبل پور کے حکام بالا کے بارے میں صدیقی صاحب نے لکھا ہے۔

— یہ لوگ اقلیتی فرقہ کی بات تک سننے کو تیار نہ تھے۔ اور یہی سبب ہے کہ اقلیتی فرقہ سے تعلق رکھنے والے کئی کارکنوں کو پولیس نے زدوکوب کیا اور جیل میں بند کر دیا بقیہ حکام بالا کے رویہ سے انتہائی سراسیمہ اور خوفزدہ ہو کر پولیس کی لوٹ اور جیل کی چار دیواری کے ڈر سے گھروں میں چھپ رہے۔

آگے چل کر صدیقی صاحب نے پولیس اور غنڈوں کے باہمی تعاون پر روشنی ڈالنے کے بعد ایک اور حقیقت کے چہرے سے نقاب اٹھایا اور بتایا کہ:۔

پولیس کی خاموشی اور غیر جانبداری سے فائدہ اٹھا کر جبلپور کے طلبا اور شہر کے مشہور جرائم پیشہ غنڈوں کا ایک بھاری جلوس نکلا جس نے پہلے انجمن اسلامیہ ہائی سکول پر حملہ کیا اور اسکول کے تین ماسٹروں کو زدوکوب کرنے کے ساتھ سکول کی عمارت کو نقصان پہنچایا۔ اس کے بعد یہی جلوس شہر کے مختلف راستوں سے ہوتا ہوا اور تمام راستہ لوٹ مار کرتا ہوا اور قسم قسم کے نعرے لگاتا ہوا ڈھائی میل مسافت طے کر کے قریب تین گھنٹہ بعد ہنومان تال امور گنج پہنچا جہاں پر کہ مسعود رہتا ہے اچنانچہ جلوس نے نہ صرف مسعود بلکہ [illegible] محلہ کے تمام مکانات پر پتھراؤ کیا اور نقصان پہنچایا ——

یاد رہے کہ مسعود کے مکان کے بالکل سامنے ہنومان تال پولیس سٹیشن ہے جہاں ہماری پولیس کا پورا عملہ موجود تھا لیکن اس نے کوئی مداخلت نہ کی۔

آگے چل کر ہوائی فائرنگ اور کرفیو کے نفاذ کی داستان بیان کرتے ہوئے صدیقی صاحب فرماتے ہیں

ہوائی فائرنگ کے باوجود مکانات میں آگ لگتی رہی اور دکانیں لٹتی رہیں اور یہ سلسلہ ۴ فروری کی صبح تک جاری رہا۔ تعجب اس امر پر ہے کہ اگر مزدور اپنے پیٹ کی خاطر سٹرائیک کرتے ہیں۔ یا جلوس نکالتے ہیں تو پولیس بلا جھجک ان پر فائرنگ کر دیتی ہے لیکن جو غنڈے آگ و خون کی ہولی کھیل رہے ہوں۔ انہیں اتنی کھلی چھٹی دے دی جائے۔

اور اس کھلی چھٹی دے دینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ کرفیو اور دفعہ ۱۴۴ اور ہوائی فائرنگ کے باوجود ایک دن رات کے ٹھیک ۹ بجے گھنٹہ و ناقوس و مذہبی نعروں کے ساتھ اب تک محفوظ اقلیتی محلوں میں بیک وقت چاروں طرف سے ہلہ بول دیا گیا۔ چنانچہ ۷، فروری کی رات کو ۹ بجے رات سے اب تک جو کچھ ہوا وہ نہ تو تحریر میں لایا جا سکتا ہے اور نہ ہی قیاس میں۔ صرف اس سلسلہ میں مدھیہ پردیش کے وزیر اعلیٰ مسٹر کاٹجو کے وہ الفاظ دہرا دینا کافی ہیں۔ جو انہوں نے شہر کی حالت دیکھنے کے بعد کہے تھے۔ اور وہ الفاظ —— سارا شہر جبل پور شمشان بھومی (قبرستان) بنا ہوا ہے —— اور یہ سب کچھ پولیس کے اعلیٰ حکام کی موجودگی میں ہوا۔

آگے چل کر صدیقی صاحب نے ایک بڑی سچی بات کہی ہے یعنی اس قتل عام میں شہر کی ہندو اکثریت نے حصہ نہیں لیا۔ یہ سماج دشمن عناصر کی حرکت تھی لیکن پولیس سے ساز باز کے بعد یہ اتنے قوی ہو گئے تھے کہ ہندو اکثریت بھی ان کا کچھ نہ بگاڑ سکی۔

لیکن اس سارے فساد میں جو خاص بات قابل ستائش دیکھنے میں آئی وہ یہ تھی کہ قوم و مذہب کے نام پر انتہائی اشتعال انگیزی کے باوجود اکثریتی فرقہ سے تعلق رکھنے والے ۹۰ فیصد اشخاص اس فساد سے الگ رہے۔ صرف ۱۰ فیصدی جرائم پیشہ غنڈوں نے یہ تباہی پھیلائی۔ قومی پولیس کے کچھ نا فرض شناس عہدہ داروں اور سپاہیوں نے ان غنڈوں کا پورا پورا ساتھ دیا اور یہ وہ جرائم پیشہ غنڈے ہیں۔ کہ جن کا ذریعہ معاش بلیک مارکیٹنگ، اسمگلنگ، قمار بازی اور ناجائز شراب کشید کرنا اور فروخت کرنا ہے اور اپنے اس ناجائز منافع میں پولیس کے سپاہیوں اور عہدیداروں کو برابر کا حصہ دے کر اپنے موافق بنائے رکھنا ہے۔

یہ حکومت کی بہت بڑی غفلت ہے کہ جو ایسے سماج دشمن عناصر و جرائم پیشہ اشخاص کو ایسے جرم و انسانی خون سے ہولی کھیلنے کی اجازت دیئے ہوئے ہے۔

آشا اور مسعود میں دیرینہ تعلقات تھے۔

ذرا حافظہ پر پھر زور ڈالئے آپ کو یاد آجائے گا کہ جبل پور کے فساد کی علت خبر رساں ایجنسیوں اور مقامی اخبارات نے بڑے زور شور سے یہ بتائی تھی کہ:۔

- مسعود نے جبراً آشا کی آبروریزی کی اور وہ مری ہوئی ملی۔
- پھر بتایا گیا کہ وہ ہسپتال جاکر جاں بحق ہوئی کیونکہ اس نے وفور غیرت سے خودکشی کرلی تھی۔

لیکن ہندوستان کی سوشلسٹ پارٹی کے زعیم کبیر ڈاکٹر رام منوہر لوہیا نے پوری ذمہ داری کے ساتھ کانپور میں ۲ اپریل ۱۹۶۱ء کو اس سلسلہ میں بڑی پتہ کی باتیں کہی ہیں اور پوری جرأت صاف گوئی اور بے خوف بے لاگ کہی ہیں۔

سنیئے۔

جبل پور کے واقعہ میں تین باتیں قابل غور ہیں ۱۔ عورت۔ ۲۔ خود سری ۳۔ فساد ان میں سے پہلے مسئلہ پر مجھے جو اطلاعات ملی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ جبل پور میں جس لڑکی نے خودکشی کی اس کی اس لڑکے کے ساتھ جو سامنے لایا گیا ہے۔ پرانی دوستی تھی۔ اس سلسلہ میں لڑکی پر اس کے اسکول میں جرمانہ بھی ہو چکا ہے اور جب لڑکی کے بچہ ہونے والا تھا تو اس نے بدنامی کے خوف سے خودکشی کا اقدام کیا ان دونوں کے تعلقات کا چرچا ڈھائی سال سے چل رہا تھا اس کو فرقہ واریت کا رنگ دے دیا گیا۔

زنا خواہ کوئی کرے قابل تعزیر جرم ہے لیکن یہ سارا دنگہ اس لئے ہوا کہ لڑکا دوسرے فرقہ کا تھا۔ یہ پاگل پن نہیں تو کیا ہے کہ ہم ایک جان نہ بچا سکے اور ہزاروں کو برباد کر ڈالا۔ روزانہ سینکڑوں ہندو اور مسلمان لڑکیوں کی آبروریزی ہوتی رہتی ہے لیکن عوام کا خون نہیں کھولتا آخر جبلپور کے ہندوؤں کا خون کیوں کھولا۔ اسی سے شبہ ہوتا ہے کہ یہ دنگہ فساد سوچا سمجھا تھا۔

مولانا دریابادی کا تبصرہ

ڈاکٹر لوہیا کے اس بیان پر ۱۵ مئی ۱۹۶۱ء کے صدق میں مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے بایں الفاظ تبصرہ فرمایا۔

اللہ اللہ اسی کو کہتے ہیں رائی کا پہاڑ بنا لینا جس روایت کا سہارا لے کر بے گناہوں کے سر ایک قیامت لائی گئی تھی اور جان، مال، آبرو سب پر یک لخت یوں بول دیا گیا تھا وہ بالفرض سو فیصدی بھی صحیح ہو جاتی جب بھی آخر کیا تھی یہی کہ فلاں کنواری کی آبرو ریزی؟ تو ہر ملت و مذہب کی بے شمار کنواریوں کی آبرو ریزی ملک کے کس حصہ میں اور کب نہیں ہوتی؟ مگر کسی حال میں بھی فرد کے جرم کا انتقام خاندان، کنبہ قبیلہ یا قوم سے لینا عقلاً نقلاً عرفاً درست ہو سکتا ہے؟ اور چہ جائیکہ جب اس شر انگیز روایت کی بنیادی ریت پر نکلے ظالموں سفاکوں کے لئے اگر ان میں ذرا بھی احساس شرافت و غیرت باقی رہ گیا ہو تو ڈوب مرنے کا مقام ہے۔

تقدیم

جبل پور کے قتل عام پر پاکستان اور ہندوستان کے تمام اخبارات نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے اپنے تاثرات وجذبات کا اظہار کیا۔ اخبارات کے افکار اور ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

ذیل میں پاکستان کے چیدہ چیدہ اور سربرآوردہ اخبارات کے نگارشات ادارت کے کچھ اجزا پیش کرنے پر ہم اکتفا کریں گے۔ کہ تنگ دامانی اس سے زیادہ کی اجازت نہیں دیتی۔

تبصرے

پاکستانی اخبارات وجرائد کے تاثرات

چند ماہ ہوئے کہ جونا گڑھ کے ہندوؤں نے ایک مسلمان کو جس کے خلاف ایک ہندو لڑکی کو اغوا کرنے کے الزام میں عدالت میں مقدمہ چل رہا تھا عدالت کے کمرے میں مجسٹریٹ کے سامنے، پولیس گارد کی موجودگی کے باوجود حملہ کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا اس المناک بہیمیت اور عصبیت پر بھارت کے کسی بھدرپرش کے چہرے پر رنج وغم کی کوئی کیفیت نہ ابھری۔ ابھی یہ واقعہ لوگوں کو بھولا بھی نہ تھا کہ اسی فسطائی ہندو ذہنیت نے جبل پور (سنٹرل انڈیا) میں ایک اور خونیں ڈرامہ رچایا۔

روزنامہ "امروز" کا ایڈیٹوریل

روزنامہ امروز نے ایک خاصا ڈبل ایڈیٹوریل اس موضوع پر ۱۳ فروری ۱۹۶۱ء کو لکھا جس کا ایک حصہ یہ ہے۔

کانگرس کے ان رہنماؤں نے بھی جو فرقہ پرستی کو واقعی ہندوستان کے اجتماعی مفاد کے منافی سمجھتے ہیں۔ اب تک اپنی تنظیم کو انتظامیہ کو تنگ نظر عناصر سے پاک کرنے کے لئے کوئی قدم نہیں بڑھایا۔ پھر انہوں نے جن سنگھ ایسی فرقہ پرست جماعتوں کو کھلی چھٹی دے رکھی ہے جن کا مقصد ہندوؤں کی یا اپنے فرقے کی خدمت کرنا اور اس کے حقوق کی حفاظت کرنا نہیں بلکہ دوسرے فرقے کے لوگوں کو پریشان کرنا اور ہراساں رکھنا اور موقع ملے تو ان کی عزت و آبرو اور جان و مال پر حملے کرنا ہے۔ سہارنپور میں رام لیلا کے جلوس پر خشت باری کا واقعہ اس بات کا ثبوت ہے جن سنگھیوں اور دوسرے فرقے پرستوں نے اسے مسلمانوں کی سازش قرار دے کر فساد برپا کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔ مگر جب مقدمہ چلا تو یہ راز کھلا کہ پتھر پھینکنے والے خود ہندو تھے۔ اور یہ سازش جن سنگھیوں کی تھی تاکہ ایک طرف مسلمانوں کو تختۂ مشق بنائیں اور دوسری طرف کانگرس کا جلوس منتشر کر دیں، اسی طرح نگرام کے مسلم کنونشن میں پاکستان زندہ باد کے نعرے لگائے جانے کا الزام بھی بے بنیاد ثابت ہوا مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے، جب تک فرقہ پرستی اور فرقہ پرست شر پسندوں کے خلاف ملک گیر سطح پر واضح پالیسی کے تحت بھرپور کارروائی نہیں کی جاتی اس وقت تک بے بنیاد افواہیں اڑانے اور سازشوں کا جال پھیلانے میں مصروف رہیں گے ضروری نہیں کہ سہارنپور کی طرح ہر جگہ کا وار خطا جائے بلکہ اس کا زیادہ

نوائے وقت کا ایک اداریہ

لاہور کے روزنامہ نوائے وقت نے ۱۱ فروری کو جبل پور میں قتل عام کے عنوان سے ایک طویل اداریہ لکھا۔ اس کا ایک حصہ:۔

بھارتی شہر جبلپور (مدھیا پردیش ایم پی) میں مسلمانوں پر جو ظلم ڈھایا جا رہا ہے ہم صرف ایک مسلمان کی حیثیت سے ہی نہیں ایک انسان کے طور پر بھی اس کی مذمت اور اس کے خلاف احتجاج کرنے پر مجبور ہیں۔ بھارتی خبر رساں ایجنسیاں اور ہندوستانی اخبار جس المناک ڈرامہ کو "فرقہ وارانہ فساد" کے نام سے یاد کر رہے ہیں دراصل وہ اکثریت کی اقلیت کے خلاف جارحانہ یلغار بلکہ مسلمانوں کا یکطرفہ قتل عام ہے۔ جبل پور میں مسلمانوں پر جو بہیمانہ مظالم ڈھائے گئے ہیں وہ ہندوستان کے دامن پر ایک شرمناک دھبہ ہیں۔ ہر انسان کو جس کا ضمیر مردہ نہیں ہوگیا بلا لحاظ عقائد مذہبی ایک بے بس اقلیت سے اس انسانیت سوز سلوک کی مذمت اور اس کے خلاف احتجاج کرنا چاہیئے۔

کیا پنڈت نہرو جو کانگو میں مسٹر لوممبا کی پٹائی کے خلاف احتجاجی بیان دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں اپنے ملک میں اس اقلیت کے قتل عام کے خلاف بھی کچھ کہیں گے — اور کریں گے؟

"اقدام" کا نوٹ

لاہور کے ایک ہفتہ وار اخبار "اقدام" نے اس مسئلے پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا

امکان ہے کہ جبل پور کی طرح وہ فساد کی آگ بھڑکانے میں کامیاب رہیں۔

"اقدام" کا ایک اور اداریہ

جبل پور میں جس دن کہ آگ دوبارہ بھڑک اٹھی اور اس مرتبہ نواحی مقامات تک کے مسلمانوں کو قتل کیا جانے لگا تو ہفت روزہ اقدام نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھا۔

سوال یہ ہے کہ بھارت کی ہندو اکثریت اقلیتوں اور خصوصاً مسلمانوں کے خلاف اس حد تک غیر رواوار کیوں ہے کہ ہر چھوٹی بڑی بات کو بہانہ بنا کر قتل و غارت اور آتش زنی پر تل جاتی ہے۔ ہندوستان کا آئین جمہوری اور سیکولر ہے، ہندوستان کا وزیر اعظم ایک ایسا شخص ہے جس کے متعلق یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ وہ فرقہ وارانہ تعصب سے پاک ہے۔ ہندوستان کے تمام صوبوں میں کانگرس کا راج ہے جس کی رکنیت کے دروازے تمام ہندوستانیوں کے لئے کھلے ہیں ملک میں ایک چھوڑ دو گورنر مسلمان ہیں۔ مرکزی وزارت میں بھی دو وزیر مسلمان ہیں ایک صوبے میں مسلم لیگ کولیشن وزارت میں شامل ہے۔ ملک کے باہر بھی چند مسلمان سفارت کے عہدوں پر مامور ہیں۔ ان تمام امور کے باوجود ہندوستان میں آئے دن ان مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی جاتی ہے۔ آخر یہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟

کیا پنڈت جواہر لال نہرو جو بین الاقوامی شخصیت کے مالک ہیں — کیا — ایک مفلوج وزیر اعظم ہیں کہ وہ اپنے دیش میں غیر فرقہ وارانہ آشتی کی فضا پیدا کرنے میں اپنے مینڈیٹ میں کامیاب نہیں ہو سکتے؟ کیا دنیا اور ان کی مسلمان رعایا یہ سمجھ لے کہ پنڈت جی متعصب ہندو ذہنیت کے سامنے ہتھیار ڈال چکے ہیں۔ کیا کانگرس درا صل ایک ہندوستانی جماعت ہے جس نے محض مصلحت کے لئے اپنے چہرے پر غیر فرقہ وارانہ نقاب اوڑھ رکھا ہے۔

نوائے وقت کے چند اداریے

جبل پور کے حالات جس طرح پلٹا کھا رہے تھے ان سے متاثر ہو کر روزنامہ نوائے وقت نے کئی اداریے اس موضوع پر لکھے۔ ذیل میں ہم تین اداریوں کے

خالص اجزا پیش کرتے ہیں۔

۴ مارچ ۱۹۶۱ء کے مقالے میں اس نے لکھا:

ہمارا خیال ہے کہ ہندوستان سے احتجاج کے علاوہ ہمیں یہ معاملہ یو این او میں بھی پیش کرنا چاہیے۔ مدھیہ پردیش میں جو کچھ ہوا وہ لیاقت نہرو پیکٹ کی خلاف ورزی ہی نہیں۔ بین الاقوامی قانون کے تحت بھی جرم ہے۔ اور ہم اقوام متحدہ سے یہ مطالبہ کر سکتے ہیں کہ وہ ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کرے، اس کے علاوہ پاکستان کو یہ چاہیئے کہ وہ مدھیہ پردیش میں مسلمانوں پر بہیمانہ ظلم کے ان واقعات کو سرکاری و سفارتی سطح پر ساری دنیا کے مسلمانوں کے نوٹس میں لائے۔ دنیا کے کسی حصہ میں مسلمانوں پر کوئی حادثہ گزر جائے، ہندوستانی اور پاکستانی مسلمانوں کے دل درد سے بے تاب ہو جاتے ہیں۔ ہمیں دوسرے ملکوں کے مسلمانوں کو بھی یہ بتانا چاہیئے کہ ہندوستانی مسلمانوں پر کیا بیت رہی ہے۔

پھر حکومت کی طرف سے جب مسلمانان جبل پور کی امداد کا سلسلہ شروع ہوا۔ اور ساڑھے سولہ ہزار روپے کی رقم خطیر اس کار خیر کے لئے وقف کی گئی تو اس نے لکھا

اور اس افسوسناک ذہنیت کی غماز تازہ ترین یہ خبر ہے کہ جبل پور کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے مصیبت زدگان کی امداد کے لئے ساڑھے سولہ ہزار روپے کی رقم منظور کی ہے۔ خدانخواستہ ٹوکیو میں زلزلہ آجائے یا رنگون میں آتشزدگی کی کوئی بڑی واردات ہو جائے تو حکومت ہند لاکھوں روپے ریلیف فنڈ میں چندہ کے طور پر جاپان یا برما بھیجتی اور اعلان کرتی ہے۔ مگر اپنے ملک میں اپنے ہم وطنوں کے جان و مال کی کیا قیمت ڈالی جا رہی ہے؟ جبل پور میں جو تباہ کاری ہوئی اس کی وسعت کا اندازہ وزیر اعلیٰ مدھیہ پردیش کے اس ارشاد سے لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے فساد کے بعد جبل پور کے چشم دید معائنہ کے بعد فرمایا تھا —— جبل پور شمشان بھومی کا منظر پیش کر رہا ہے —— سولہ ہزار کی رقم تو کسی بڑے شہر کی شمشان بھومی کی مرمت کے لئے بھی کافی نہ ہوگی —— مگر اس ذہنیت کا علاج کہ برسر اقتدار اکثریت کی نظر میں اقلیت کے کسی فرد کی زندگی بھیڑ بکری کی زندگی سے بھی کم مایہ ہے۔

جو لوگ آخر وقت تک دو قومی نظریہ کی تردید کرتے اور ہندو مسلمانوں کو ایک

تبصرے

ہندوستانی اخبارات کے افکار و تاثرات

مقالات ، مراسلات ، بیانات

قوم بناتے رہے ہیں اب وہ خود ہی قدم قدم پہ دو قومی نظریہ کی تصدیق اور اپنے دعوے کی تردید کر رہے ہیں ۔

روزنامہ اسٹیٹسمین کا تبصرہ

روزنامہ اسٹیٹسمین نے جبل پور کے واقعات پر جو اداریہ لکھا وہ اپنے منفرد معنی الفاظ وعبارت کے لحاظ سے خاص طور پر غور طلب ہے۔

وہ لکھتا ہے:۔

جبل پور اور مدھیہ پردیش کے مشرقی اضلاع میں جو فرقہ وارانہ ہنگامہ آرائی ہوئی ہے۔ اس کے تجزیہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں کچھ بدقسمتی اور کچھ گناہ کا کھلا دخل ہے۔ کیونکہ جو باتیں سامنے آئی ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ جس لڑکی کی خودکشی اور دوستی کا مسئلہ اتنا اچھالا گیا ہے اس کا پہلے سے علم اس کے خاندان کو تھا۔ اور انہوں نے کھلی چھٹی دی اور روک تھام نہ کی اس لئے نتائج کے ذمہ دار وہ ہیں۔

بدقسمتی یہ کہ ہندوستان کے ممتاز اخبارات نے کوئی لب کشائی نہ کی اور فرقہ وارانہ ذہنیت کے انسان دشمن مظاہرے سے چشم پوشی کی جس کے نتیجہ میں ہر چھوٹی بات بڑی بنتی گئی۔

امر واقعہ یہ ہے کہ لڑکی نے ڈھائی بجے دن میں اپنے مکان پر خودکشی کی۔ اس نے پولیس افسران اور میڈیکل افسر کی موجودگی میں اپنا آخری بیان بھی دیا۔ اس کے اس واقعہ کی ٹوٹی پھوٹی خبریں شہر میں پھیلیں اور اس کے مبینہ بیان کی روشنی میں کچھ لوگ مشتعل بھی ہوئے لیکن کوئی ناخوشگوار واقعہ اس دن پیش نہیں آیا لیکن صبح ہوتے ہی ایک مقامی پرچہ نے اس واقعہ کو ایک خاص انداز سے پیش کیا جس کے نتیجہ میں کالج کے لڑکوں نے جلوس نکالا۔ پھر لوٹ مار، خنجرزنی کے واقعات شروع ہو گئے اس موقع

نگاہِ اولین

جبل پور ہندوستان کا ایک شہر ہے، وہاں اقلیت کے افراد کا قتل عام ہوا بوڑھوں، عورتوں، بچوں، بیماروں، مسافروں، راہ گیروں، سب پر قاتلانہ حملے کئے گئے۔ مکانات میں آگ لگادی گئی۔ دوکانیں لوٹ لی گئیں۔ ظلم و تعدی کا کوئی دقیقہ، فروگزاشت نہیں کیا گیا —— ایسا ظلم جس کی مثال چشم فلک نے بھی شاید ہی دیکھی ہو اس قتل عام نے ساری دنیا کو انگشت بدنداں کر دیا۔ ہندوستان کے سمجھ دار اور معاملہ فہم سیاست دان جتنے اس حادثہ سے ملول تھے اس سے زیادہ دنیا کی رائے عامہ کی نظر میں اپنی اور اپنے ملک کی رسوائی سے شرمندہ اور پریشان تھے۔
ان حالات میں ہندوستان کے اخبارات نے جو کچھ لکھا وہ خاص طور پر اہم ہے اور اس کا سرسری جائزہ لینے پر ہم مجبور ہیں۔

"الجمیعتہ" کا ایک اور انتباہ

۱۰ فروری ۱۹۶۱ء کے الجمیعتہ نے حکومت ہند کو متوجہ کرتے ہوئے ایک اداریہ میں لکھا۔

ہم مرکزی حکومت کو باخبر کرنا چاہتے ہیں کہ دہلی کا آریہ سماج پریس جبل پور کے فسادات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سارے ملک میں فساد کی تخم ریزی کر رہا ہے آج ہی معاصر تیج دہلی نے میوات میں گائے کشی کی خبر شائع کی ہے۔ اس سے پہلے بھی وہ گائے کشی کی خبریں خاص اہتمام سے اچھالتا رہا ہے۔

معاصر پرتاپ دہلی نے آج ۱۸ فروری کی اشاعت میں بہت سی اشتعال انگیز خبریں شائع کی ہیں۔ ان خبروں میں گائے دیوی پاکستان زندہ باد۔ پاکستانی جھنڈا وغیرہ سب کچھ آگیا۔

پھر وہ ایک خبر اس عنوان سے دیتا ہے ـــــ کانپور میں مندر گرا دیا گیا۔ عنوان کا متن یہ ہے ـــ یہاں اس وقت غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی جبکہ مقامی میونسپل کارپوریشن کے اشارے پر ایک ٹھیکیدار کے مسلمان مزدور نے رات رات میں بابا ہر ہر دیو کی سادھی پر بنے ہوئے مٹھ کو مسمار کر دیا۔ "ظاہر ہے کہ مزدور کے ساتھ مسلمان کا اضافہ خاص منصوبہ کے تحت کیا گیا ہے تاکہ کارپوریشن بھی الگ ہو جائے ٹھیکیدار پر بھی آنچ نہ آئے اور سارا نزلہ مسلمان مزدور پر گرے اور مسلمان مزدور کی سزا تمام مسلمانوں کو ملے۔"

مذکورہ مقالہ کے بعد دہلی کے آریہ سماج اخبار پرتاپ کی دریدہ ذہنی اور سفاکانہ ذہنیت پر تبصرہ کرتے ہوئے الجمیعتہ نے لکھا ہے کہ۔

"اس معاصر نے "فرقہ وارانہ فسادات کیوں؟" کے عنوان سے ایک مقالہ سپرد قلم فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ فساد کی ابتداء مسلمانوں کی طرف سے ہوتی ہے اور یہی لوگ ہنگامے مچاتے ہیں ـــــــــــ معاصر کے اندر کا چور اسے بار بار چٹکیاں لیتا ہے وہ اس بات سے شرمندہ ہے کہ ہنرو لیاقت پیکٹ کے بعد ۵۰ء سے ۶۱ء تک پاکستان میں ہندوؤں پر ایک سکینڈ کے لئے بھی حملہ نہیں ہوا انہیں ایک دھیلے کا نقصان پہنچایا گیا۔ ان کی کوئی دکان نہیں لوٹی گئی۔ قتل کرنا کجا کسی ایک کی چوٹی تک نہیں کاٹی گئی اور ہندوستان میں اب اس پیکٹ کے بعد سینکڑوں فسادات ہوئے۔ سینکڑوں مسلمان مارے گئے۔ کروڑوں کی جائداد کا نقصان ہوا۔ پولیس نے بھی گولیوں سے مارا اور

پر یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ — جبلپور کے طلبا کی رہنمائی ایک انتہائی فرقہ وارانہ جماعت کرتی ہے — یہ تمام واقعات ہوتے رہے اور پولیس نے اپنے مقدمہ کی مصلحتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہ لڑکی کے آخری بیان کو واضح کیا اور نہ پوسٹ مارٹم کے نتائج سے لوگوں کو آگاہ کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ مقامی اخبارات بھی خاموش رہے بلکہ اس کے بالمقابل ایک خبر یہ پھیلا دی کہ اقلیتی فرقہ کے لوگ اکثریتی فرقہ پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔

"الجمعیتہ" دہلی کا ایک حقیقت افروز مقالہ

جمعیتہ علمائے ہند کے آرگن "الجمعیتہ" نے ۲۱ فروری ۱۹۶۱ء کے ایک اداریئے میں حق گوئی کی پوری شان کے ساتھ لکھا:۔

پس چہ باید کرد؟ اب مسلمانانِ ہند کو کیا کرنا چاہیئے؟ کانگرس گورنمنٹ چودہ سال سے فسادات کا تماشہ دیکھ رہی ہے اور انہیں روکنے میں ناکام رہی ہے۔ جبل پور اور اس کے نواحی علاقوں میں مسلمان اپنی اسلامیت کا مزہ چکھ چکے، آئندہ کے لئے ابھی انہیں مزا چکھانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں، بھوپال اس وقت تک بچا ہوا ہے۔ الہ آباد سے بھی کشیدگی کی خبریں آ رہی ہیں۔ مدھیہ پردیش کا مسلمان خاص طور پر نشانہ پر ہے۔ اگر کہیں کچھ ہوا تو حکام کا رول وہی ہوگا جو جبل پور میں دیکھا گیا۔ پنڈت نہرو دو لفظوں میں صرف یہ کہہ کر رہ جائیں گے کہ ہماری ذہنی حالت صحت مند نہیں۔

اسی مقالے میں الجمعیتہ نے نہایت جرأت و ہمت کے ساتھ بغیر کسی تامل اور تذبذب کے تحریر کیا۔

— کیا وہاں مہر ولیاقت پیکٹ کے بعد کسی کی نکسیر پھوٹی؟ کسی اخبار نے ہندوؤں کے خلاف اشتعال پھیلایا؟ کیا وہاں انٹی ہندو جماعت بنائی گئی؟ کوئی بھی جن سنگھی ہندو مہاسبھائی۔ راشٹری، سیوک سنگھی قسم کا ادارہ قائم کیا گیا؟ درسی کتابوں میں ہندوؤں کے بزرگوں کو قاتل یا ڈاکو بنایا گیا یا ہندو دھرم کی توہین کی گئی یا اپنی مذہبی روایات کو بچوں پر مسلط کیا گیا۔ مگر اکثریتی طبقہ نے اور حکومت نے یہ ساری باتیں سنی ان سنی کر دیں۔ — اور اشتعال انگیزی کا سلسلہ جاری رکھا اور اب بھی جاری ہے اور یقین ہے کہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔

بمبئی کے ایک ہر دلعزیز اور مشہور روزنامہ 'انقلاب' نے ۲۳ فروری کے ایک اداریہ میں لکھا :-

شری اچاریہ کرپلانی کی اس رائے سے کسے اختلاف ہوگا۔ اگر ہمارے ملک میں آزادی کے تیرہ چودہ برس بعد بھی فرقہ وارانہ فسادات کا یہی سلسلہ جاری رہا تو تاریخ اپنے اعادہ پر مجبور ہو جائے گی۔ کاش اچاریہ کرپلانی اپنی تقریر کے دوران ہندوستان کے ان بدترین دشمنوں کی بھی خبر لیتے جو سرکاری وردی پہن کر بھی اپنے آپ کو بدترین ہندو فرقہ پرستوں کے خادم سمجھتے ہیں۔ کیا اس بات کی توقع کی جائے کہ مدھیہ پردیش کی صوبائی سرکار جو اس تازہ سانحہ پر گہری تشویش کا اظہار کر رہی ہے، شہریوں کی جان و مال کی حفاظت کرنے والے ایک اہم محکمہ سے ایسے عہدیداروں کو بلا رو رعایت نکال باہر کرے گی جن کے بارے میں ثابت ہو جائے کہ وہ فسادیوں اور شرپسندوں کی شرپسندی کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں ؟

روزنامہ خلافت کا مقالہ اِفتتاحیہ

مجلس مرکزیۂ خلافت (ہند) کے ترجمان روزنامہ خلافت نے —— جو ضیغم اسلام مولانا شوکت علی کی یادگار ہے —— اپنے مقالہ افتتاحیہ میں لوممبا کے حادثۂ قتل پر بلجمی سفارت خانہ پرہالیان بمبئی کے مظاہرے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

— اس موقعہ پر یہ کہے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ ہندوستان سے ہزاروں میل دور کانگو کے وزیر اعظم کے قتل کا ماتم کرنے والوں کو اپنے ہی دیش میں قتل کئے گئے بے گناہوں کا ماتم کرنا تو ان کے لئے کیا ہمدردی کے دو لول بھی نہ نکلے۔ بڑی عجیب بات ہے کہ ہماری میونسپل کارپوریشن نے وزیر اعظم لوممبا کے قتل کے خلاف احتجاج کرنے والوں پر پولیس کی جانب سے کئے گئے لاٹھی چارج پر اپنے احتجاج کے طور پر کسی کارروائی کے بغیر اجلاس تک ملتوی کر دیا لیکن اس نے اس بات کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ اپنی ہی ریاست کے ایک صوبہ میں جس سے اس کی سرحدیں میلوں تک ملی ہوئی ہیں، اقلیتی فرقہ کے ساتھ کئے گئے انسانیت سوز سلوک کے خلاف بھی کوئی ایسا رویہ اختیار کیا جائے جو ملک کے اقلیتی فرقہ کے زخموں پر مرہم کا کام دے سکے۔

فرقہ پرستوں نے بھی آگ اور خون سے ہولی کھیلی — بھئی یہ مقابلہ تو بہت بُرا ہے دنیا کہے گی کہ پاکستان میں نام کو فساد نہیں ہوا اور یہاں ہر مہینے کہیں نہ کہیں فساد ہو جاتا ہے اب معاصر نے پاکستان میں فساد نہ ہونے کی توجیہہ کی ہے وہ لکھتا ہے —— اس کے ایک معنی ہو سکتے ہیں اس (پاکستان) نے اقلیت ختم کردی ہے اگر پنجاب میں تھوڑے بہت ہندو سکھ ہیں۔ بھی تو ان کی مجال نہیں کہ مسلمانوں کے منہ آئیں۔ مسلمان ان سے کوئی زبردستی کریں تو وہ چپ چاپ برداشت کر لیتے ہیں ان کے خلاف شکایت لب پر نہیں لاتے "

پھر آگے چل کر الجمعیتہ نے اس دلیل کا جواب باصواب دیتے ہوئے کہا ہے ——

اگر معاصر کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان میں سرے سے ہندو اقلیت موجود ہی نہیں تو یہ سفید جھوٹ کسی نہ کسی دن اس کے سامنے آجائے گا۔ مشرقی پاکستان میں اس وقت بھی ایک کروڑ سے زیادہ ہندو آباد ہیں اور سرکاری ملازمتوں میں ان کا تناسب ۲۵ فیصدی مقرر کیا گیا ہے۔ لیکن اگر مطلب یہ ہے کہ پاکستان کے ہندو بے بس اور بے یار و مددگار ہیں۔ اس لئے وہ فساد برپا کرنے کی ہمت نہیں رکھتے تو براہِ کرم یہ بھی بتا دیا جائے۔ کہ پاکستان نے انہیں بے بس کرنے کے لئے کیا کیا طریقے اختیار کئے؟ کیا اس نے بت پرستی پر پابندی لگائی—؟ حالانکہ یہاں ذبیحہ گائے پر پابندی لگ چکی ہے۔ کیا اس نے درسی کتابوں میں ایسی باتیں درج کیں جن میں ہندو دھرم، ہندو مت، روایات اور کلچر کی توہین کی گئی ہو؟ یا وہاں کے اخبارات نے ہندو دھرم کے خلاف کوئی ہنگامہ برپا کیا؟ وہاں تو کوئی "امرت بازار پتریکا" بھی نہیں جو ہندوؤں کی مذہبی دلآزاری کا مرتکب ہوا ہو۔ کیا وہاں کوئی انٹی ہندو جماعت قائم کی گئی؟ یہاں تو ہندو مہاسبھا، راشٹریہ سیوک سنگھ، جن سنگھ وغیرہ انٹی مسلم جماعتیں موجود ہیں۔ کیا وہاں کسی جلسہ، کسی جلوس، کسی مظاہرے میں ہندوؤں کے خلاف اشتعال پھیلا؟ کیا ان پر پولیس ایکشن ہوا؟ —— آخر وہاں کے ہندوؤں کی بے بسی کے وجوہ کیا ہیں۔ اگر ان باتوں سے کوئی بات وہاں نہیں ہوئی تو ایک بڑے الزام سے بچنے کے لئے پاکستانی ہندوؤں کو بے بس قرار دینا اور ہندوستان میں فسادات کا جواز تلاش کرنا انصاف نہیں نری دھینگامشتی ہے۔

روزنامہ انقلاب کا اداریہ

غسل کے بعد ہی انسپکٹر جنرل پولیس مسٹر رستم جی اور ڈپٹی انسپکٹر ناگو جبلپور واپس آئے یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ جب انہوں نے جبل پور آنے کے بعد ۲۶ گھنٹوں کا مسلسل کرفیو نافذ کیا تب ہی حالات سدھرنے شروع ہوئے۔

"ملاپ" کا اداریہ، رفیع احمد قدوائی کی مثال

دہلی کے روزنامہ "ملاپ" نے جبل پور کے فساد پر ۲۸ فروری کی اشاعت میں ایک طویل مقالہ افتتاحیہ لکھا جس کی ایک اہم حصہ یہ ہے۔

فساد خواہ فرقہ وارانہ ہو، لسانی یا کوئی دوسرا، اس میں حصہ لینے والے شریف یا ذمہ دار لوگ نہیں ہوتے بلکہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جن کا کام ہی غنڈہ گردی قتل و غارت گری اور آتش زنی ہے۔ فساد کے دوران ان لوگوں کو مذہب زبان یا علاقے کی آڑ اور شہ بھی مل جاتی ہے۔ تب یہ پوری شدت سے اپنی مکروہ خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا علاج نرمی یا شرافت نہیں بلکہ ایسی سختی ہے جو ان کے ہوش ٹھکانے لگا دے اور ان کے لئے عبرت کو جگا دے۔ یہ کام جتنی تیزی اور سختی سے ہو موثر ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں ایک واقعہ مجھے یاد آتا ہے۔ بہت دنوں کی بات ہے۔ دوسری جنگ عظیم سے پہلے کی۔ یو پی میں اس وقت پہلی کانگرس وزارت کام کر رہی تھی مرحوم شری رفیع احمد قدوائی اس کے وزیر داخلہ تھے، ان ہی دنوں الہ آباد میں ہندو مسلم فساد ہوگیا۔ مقامی حکام کی جدوجہد پر بھی فساد نہیں رکا۔ رفیع صاحب اس بات سے بہت دکھی تھے انہوں نے الہ آباد کے کلکٹر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس کو اطلاع دی کہ میں کل شام کو الہ آباد پہنچ رہا ہوں میرے آنے سے پہلے پہلے یہ فساد ختم ہو جانا چاہیئے اگر یہ ختم نہیں ہوا تو دونوں کو نوکری سے الگ کر دیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے حکم دیا" فساد کرنے والوں سے رتی بھر کی بھی رعایت نہ کرو۔ پولیس کی گولی سے اگر ہزار ہندو یا ہزار مسلمان مر جائیں تو کوئی پرواہ نہیں لیکن اگر کسی ہندو کے چھرے سے کوئی مسلمان یا کسی مسلمان کے چھرے سے کوئی ہندو ہلاک ہوا تو یاد رکھنا تمہاری خیر نہیں یہ حکم دے کر وہ خاموشی سے بیٹھ گئے اور دوسرے دن وہ الہ آباد جا پہنچے۔ تب تک فساد ختم ہو چکا تھا۔ پولیس نے دو ایک جگہ گولیاں چلائیں کچھ آدمی ہلاک بھی

"بلٹز" کے ہندو وقائع نگار کا اعتراف حق

بمبئی کا مشہور اخبار "بلٹز" اپنی آزادانہ روش اور بیباک گوئی کے اعتبار سے ممتاز حیثیت رکھتا ہے ۲۴ فروری کی اشاعت میں اس نے ہندو وقائع نگار کا طویل مقالہ شائع کیا جس کا ایک حصہ یہ ہے۔

انسانی جانوں کے خون کی ہولی۔ وسیع پیمانے پر آتشزدگیوں، جبل پور اور مدھیہ پردیش کے ایک درجن مقامات پر قتل و غارت گری کی غیر سنسر شدہ داستان پیش کرنا ضروری ہے تاکہ سیکولر ہندوستان کو متنبہ کیا جا سکے — بیسیوں افراد ہلاک اور ناکارہ کر دیئے گئے۔ بہت سے مکانات اور دکانیں جلائی گئیں — لاکھوں روپے کی مالیت کا سامان لوٹ لیا گیا۔ اور آج ہزاروں افراد کیمپوں میں خوف وڈر کی زندگی گزار رہے ہیں۔ انہیں اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی یقین نہیں ہے۔ اگرچہ میں ہندو ہوں لیکن اس ناخوشگوار حقیقت کو نہیں چھپانا چاہتا کہ اس عظیم المثال فرقہ وارانہ جنون میں جن کو نقصان پہنچا ہے، وہ اقلیتی فرقہ کے لوگ ہیں گزشتہ پانچ سال میں یہ تیسرا فساد ہے سب سے زیادہ افسوس اور شرم کی بات یہ ہے کہ نہ تو کانگریس نے اور نہ حکام نے فرقہ پرست ہندو عناصر کے اس جنون کی روک تھام کی کوشش کی۔

جس دن ہنگامہ شروع ہوا اسی دن کلکٹر نے شہریوں کا ایک جلسہ بلایا تاکہ ہنگامہ روکنے کی تجاویز کی جائیں۔ جب اس دعوت کے جواب میں شہری کلکٹر کے ہاں پہنچے تو معلوم ہوا کلکٹر صاحب وہاں نہیں ہیں کہیں گئے ہوئے ہیں۔

۴ فروری کو ذمہ دار شہریوں نے حکام کو خطرے سے آگاہ کر دیا تھا لیکن ۴ بجے شام تک اکثر سرکاری عہدیدار ایک بہت بڑے عہدے دار کی بیٹی کی شادی میں شریک تھے۔ ۷ تاریخ کی رات کو ایک افواہ پھر یہ پھیلائی گئی کہ اقلیتی فرقہ شہر میں چھ مقامات پر آتشیں اسلحہ کے ذریعے حملہ کر رہا ہے۔ ہندو فرقہ پرستوں نے کھلم کھلا مٹرکوں پر گھنٹے اور سنکھ لئے ہوئے ہر ہر مہادیو کے نعرے زور زور سے لگانے شروع کر دیئے اس کے بعد اللہ اکبر کے نعرے بھی جواب میں کہیں کہیں سنائی دیئے۔ اس کا نتیجہ خونی شکل میں نمودار ہوا۔

دوسرے دن اخبار "یگ دھرما" بناوٹی داستانوں کے ساتھ ہندوؤں کو اشتعال دلانے کے لئے نکلا۔ چنانچہ ۸ فروری کو بھی خون کا یہ ہنگامہ بدستور جاری رہا۔ اس "خونی

اس اخبار نے مطالبہ کیا ہے کہ ۰ فروری کی رات کو جو فسادات بھڑکے وہ انتہائی غیر ذمہ داری کا ثبوت ہیں اس لئے مجرموں کو قرار واقعی سزا دی جائے ۔

"بھارت جیوتی" میں مسٹر کوپلے کا مضمون

بمبئی کے ایک انگریزی روزنامہ بھارت جیوتی" میں اس کے مرہٹی مکالہ نگار مسٹر کوپلے کا ایک طویل اور معلومات افزا مضمون شائع ہوا تھا اس کے ضروری اقتباس درج ذیل ہیں -

مسٹر کوپلے نے جبل پور کے بلوے کی شدید مذمت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جبل پور فرقہ وارانہ فسادات کے لئے بدنام ہے ۔ ۱۹۵۰ء کے بعد سے اب تک وہاں تین بڑے فرقہ وارانہ فساد ہوئے ہیں ان میں سے دو فساد ہندو مسلمان کے درمیان اور ایک ہندوؤں اور جینیوں کے درمیان ہوا تھا -

اس اخبار نے لکھا ہے کہ اس شہر میں فرقہ وارانہ فسادات کا ایک ہی طرز رہا ہے مسٹر تیواری کے بیان کے مطابق اکثریتی فرقہ پرست معمولی معمولی باتوں سے فائدہ اٹھاکر زبردست فرقہ وارانہ جنون پیدا کر دیتے ہیں ۔ اگر پولیس وہ تمام معلومات شائع کر دیتی جو اس کو اوشا بھارگوا کی موت کے سلسلہ میں حاصل تھیں تو اس کا تمام صورتحال پر بہت اچھا اثر ہوتا ۔ اوشا بھارگوا کا بستر مرگ کا بیان اور پوسٹ مارٹم کی رپورٹ ابھی تک پردہ راز میں ہے ۔ گرفتار شدہ لڑکوں میں سے ایک کے اس گھرانے سے پرانے تعلقات تھے ۔

پھر آگے چل کر مسٹر کوپلے نے کچھ اور انکشافات کئے ہیں ——— وہ لکھا ہے :-

اوشا کے باپ دیو کی نندن بھارگوا نے زور دے کر کہا کہ اوشا نے بستر مرگ پر جو بیان دیا ۔ اس میں عصمت دری کا کوئی تذکرہ نہیں ——— کیونکہ یہ معاملہ عدالت میں پیش ہے اس لئے اس پر کوئی بحث نہیں کی جا سکتی ——— اوشا بھارگوا سے متعلق تمام تفصیلات کو شائع کرنا ضروری ہے تاکہ عوام کو باخبر کیا جا سکے کہ معمولی اور بے حقیقت جھگڑوں سے فائدہ اٹھاکر کس طرح بڑے بڑے فسادات برپا کئے جاتے ہیں ۔

موضع سہرو باکے واقعہ کے سلسلہ میں جہاں ہندرہ اشخاص کو جلا دیا گیا پولیس نے ا ؟ ۔

ہوئے لیکن فرقہ وارانہ فساد اس طرح ختم ہوگیا جیسے وہ کبھی شروع ہی نہ ہوا تھا۔ رفیع احمد صاحب رات بھر الہ آباد کے باہر ایک بنگلے میں رہے اور صبح کے وقت یہ سن کر واپس چلے آئے کہ رات میں کوئی بھی واقعہ حملے وغیرہ کا نہیں ہوا۔۔۔ یہ بات بہت پہلے کی ہے، لیکن پہلے کی ہو یا آج کی، ظاہر ہے کہ فساد کو روکنے کا اس کے سوا کوئی دوسرا طریق کار نہیں۔ اس وقت سمجھانے بجھانے اور اپلیں کرنے سے کام نہیں چلتا۔۔۔ جو لوگ فسادات میں عملی حصہ لیتے ہیں وہ سمجھ بوجھ یا اپیل کے معاملے میں کلیتہً اثر پروف ہوتے ہیں وہ صرف ڈنڈے کی پوجا کرتے ہیں اور ڈنڈے کی زبان ہی سمجھ سکتے ہیں۔ جب تک یہ زبان استعمال نہ ہو تب تک کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔

"دی کرنٹ" بمبئی کا مقالہ

"بلٹز" کی طرح بمبئی کا "کرنٹ" بھی ایک صاف گو اور بیباک اخبار ہے اس کے مقالے کا ایک نتیجہ خیز حصہ :۔

جبل پور اور مدھیہ پردیس کے دوسرے علاقوں میں فرقہ وارانہ فسادات پیدا کرنے کے بعد بھارت کی متعصب سیاسی پارٹیاں اب پورے ملک میں ہندو مسلم فسادات کی آگ بھڑکانے کی کوشش کر رہی ہیں، جبل پور کے فسادات جس میں بارہ سو معصوم مسلمان ہلاک، اور ہزاروں اقتصادی طور پر مفلوج ہو کر رہ گئے پولیس بھی برابر کی شریک ہے۔

پولیس فسادات کی آگ بھڑکانے اور اسے تیز کرنے میں برابر کی شریک رہی ہے صوبائی حکومت نے بھی افواہوں کی تردید میں انتہائی سستی کا ثبوت دیا جس سے ہنگاموں کی شدت بڑھ گئی۔

جن سنگھ لیڈر، مہا سبھا کانگرس اور دوسری پارٹیاں جبلپور کی اس لڑکی کا نام لے کر جس نے خود کشی کی تھی اور اس سے فساد پھیلا تھا سارے ملک میں ہندو مسلم فسادات کرانا چاہتی ہیں۔ حالانکہ لڑکی کے باپ نے اپنے بیان میں لکھا ہے کہ لڑکی نے مرتے وقت اپنے بیان میں جبری عصمت دری یا کسی شخص کا نام تک نہیں لیا۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ سے بھی اس کی تصدیق نہیں ہوئی ہے۔

پرستی کے خلاف جنگ ــــ کے عنوان سے شائع ہوا تھا جس میں بڑے کام اور پتے کی باتیں ہندو نامہ نگار نے کہی ہیں۔ مقالہ کا ایک حصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

فرقہ پرستی، فرقہ پرست جماعتوں کا نتیجہ نہیں بلکہ فرقہ پرست افراد کا نتیجہ ہے اور فرقہ پرست جماعتوں کا وجود اس لئے ہے کہ ملک میں فرقہ پرستی موجود ہے۔ یعنی فرقہ پرستی سے فرقہ پرست جماعتیں وجود میں آتی ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ فرقہ پرست جماعتوں نے فرقہ پرستی کو جنم دیا ہو۔ افراد میں فرقہ پرستی ہوگی تو ان کے مجموعہ سے فرقہ پرست جماعت بنے گی۔ اور یہ ناممکن ہے کہ افراد فرقہ پرست نہ ہوں، اس لئے فرقہ پرست جماعتوں پر پابندی لگانا ضروری ہے فرقہ پرستی کا کوئی علاج نہیں۔ اصل علاج فرقہ پرست افراد پر پابندی لگانے سے ہو سکتا ہے۔ ہمارے نزدیک صحیح راستہ یہ ہے کہ فرقہ پرستی کو جو چیزیں سہارا دیتی ہیں وہ ختم کردی جائیں۔ مثلاً مسلمانوں پر یکطرفہ حملوں کا سدباب، اس کا واحد حل یہ ہے کہ جس علاقہ میں کوئی ہنگامہ ہو وہاں کے تمام حکام اور افسروں کو ملازمت سے الگ کرکے سخت سزا دی جائے اس کے بعد کسی ہنگامہ کا نام سننے میں نہیں آئے گا۔ دوم۔ مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز اور منافرت انگیز تقریروں کو ممنوع قرار دیا جائے اور ان سے خواہ مخواہ کی چھیڑ چھاڑ فقرہ بازی، الزام تراشی اور نعرہ بازی کو خلاف قانون قرار دیا جائے ــــ سوم مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد فوج اور پولیس میں بھرتی کی جائے ــــ چہارم نصاب کی کتابوں سے وہ تمام حصے نکال دیئے جائیں جن میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلائی گئی ہے ــــ اگر ان چاروں باتوں پر عمل کرلیا جائے تو فرقہ پرستی کے سہارے ختم ہو جائیں گے۔ لیکن حکومت سے توقع نہیں کہ وہ ان باتوں پر توجہ دے گی ــــ یہ بات تسلیم کرلینی چاہیئے کہ اس وقت جس خطرناک فرقہ پرستی سے ہم دوچار ہیں وہ ہندو پرستی ہے اس لئے کہ فرقہ پرستی کی دوسری شکلوں سے ہندو فرقہ پرستی زیادہ ہمہ گیر اور شر انگیز ہے۔ بلکہ اس لئے کہ دوسروں کی فرقہ پرستی اکثریت کی فرقہ پرستی کا ردعمل ہے۔"

کوئی شبہ نہیں مقالہ نگار نے فرقہ پرستی کے سدباب کی جو تجویزیں پیش کی ہیں وہ مؤثر بھی ہیں اور قابل عمل بھی ــــ لیکن سوال یہ ہے کہ ان باتوں کو سنتا کون ہے؟

گوش سخن شنو کجا دیدہ اعتبار کو؟

ہندو مالگذار کو گرفتار کیا ہے جس نے اس بہیمانہ جرم کے لئے ہندوؤں کو اکسایا تھا اور فرقہ وارانہ جذبات بھڑکا کر اپنی انتقام کی آگ بجھائی تھی۔ ان فسادات میں ایک بڑے مرچنٹ کی املاک کو خاص طور پر نشانہ بنایا گیا۔ جبل پور میں آتشزدگی کے اکثر واقعات کاروباری رقابت کا نتیجہ ہیں ۔

قومی آواز کا انکشاف

لکھنو کے کانگرسی اخبار "قومی آواز" نے اپنے مقالہ افتتاحیہ میں کہا ہے ——

اس وقت ہمارے پاس جبل پور اور ساگر کے فسادوں کے بارے میں جو خبریں جبلپور کے اخباروں میں شائع ہوئی ہیں وہ سب موجود ہیں۔ ان کے مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ مذکورہ مقاموں اور آس پاس کے علاقوں میں جو کچھ ہوا ہے وہ فساد نہیں ہے۔ فساد تو اس کو کہتے ہیں جو دو فریقوں میں ہو اور دونوں یکساں اشتعال سے ایک دوسرے سے گتھ جائیں۔ جبلپور اور ساگر وغیرہ کے ہنگاموں میں دو فریق تھے ہی نہیں ۔ ایک فریق نے دوسرے پر حملہ کیا۔ لوٹ مار کی۔ آگ لگائی اور خونریزی کی۔ اس بات کی گواہی لاشیں، جلے ہوئے مکان اور لٹے ہوئے گھر دے رہے ہیں۔ جبل پور کی بیڑی کی صنعت مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھی اس لئے اس پر خاص طور سے حملہ کیا گیا۔ ایک کارخانے دار کالے خاں محمد حنیف کو ۵ لاکھ روپے کا نقصان پہنچایا گیا۔

یہ واقعہ بالکل اسی طرح کا ہے جیسے مبارک پور میں اور پھر فیروز آباد میں ہوا تھا۔ وہاں بھی لوٹ مار صرف ایک فریق کے خلاف ہوئی تھی اور پھر گرفتار بھی اسی فریق کے لوگ کئے گئے۔ فیروز آباد میں چوڑی کی صنعت پر جس کا کافی حصہ مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا برباد کیا گیا تھا جبل پور میں بیڑی کی صنعت کو تاکا گیا۔

جبلپور میں اور ساگر وغیرہ میں آلہ کار طالب علموں کو بنایا گیا۔ ان کے ساتھ غنڈے لگ گئے اور انہوں نے سوچی سمجھی ہوئی اسکیم کے مطابق ساری کارروائی کر ڈالی۔ اس کارروائی میں سرکاری لوگوں کی اگر اکثریت نہیں تو مجرمانہ غفلت ضرور ہے۔

ہندوستان ٹائمز کا ایک معرکہ آرا مقالہ

روزنامہ ہندوستان ٹائمز دہلی میں ۱۹ اپریل ۱۹۶۱ء کو ایک مقالہ اور —— فرقہ

مشترکہ تحقیقاتی رپورٹ

عجیب اور حیرت انگیز انکشافات

بمبئی کے مشہور روزنامہ انگریزی فری
پریس جرنل اور ناگپور کے مشہور مرہٹی
روزنامہ نیا دور کے نمائندگان مسٹر
ستیہ رام اور سردار بلونت سنگھ کی
مشترکہ تحقیقاتی رپورٹ

تحقیقاتی رپورٹیں

مبنی بر
- تحقیقات
- مشاہدات
- واردات
- تاثرات

وکٹوریہ ہسپتال میں انتہائی جلی بھنی حالت میں داخل کر لی گئی۔ رات میں یہ لڑکی چل بسی مرنے سے پہلے دو پڑوسیوں اور ایک ڈاکٹر کی موجودگی میں اس نے بیان دیتے ہوئے کہا کہ میں نے مٹی کا تیل اپنے جسم پر چھڑک کر آگ لگائی ہے اور خودکشی کر لی کیونکہ مجھ پر غیر شریفانہ حملہ کی کوشش کی گئی تھی۔

اس نے کسی ملزم کا نام نہ لیا

لیکن کہا جاتا ہے کہ اس نے کسی نوجوان کی تفصیل نہیں بتائی اور نہ اس کے کسی پڑوسی نے کوئی بیان دیا ہے۔ جس کے نتیجہ میں ایک مشہور بیڑی کے تاجر کا لڑکا مسعود اور ایک اور لڑکا لطیف گرفتار کر لئے گئے۔

اس واقعہ پر دوسرے دن کی صبح تک کسی کے کان کھڑے نہ ہوئے اور حادثہ کے وقت لڑکی کے والدین کہیں باہر گئے ہوئے تھے، اس وقت ایک افسر کے ہاں شادی کی تقریب تھی لیکن اس کے باوجود یہ دونوں لڑکے گرفتار کر لئے گئے اور انہیں لارڈ گنج پولیس اسٹیشن میں بند کر دیا گیا۔

اس واقعہ سے سنسنی اس وقت پھیلی جب دوسرے دن جن سنگھی ہندی روزنامہ "یگ دھرم" نے موٹی موٹی سرخیوں کے ساتھ اس خبر کو اچھالا اور لکھا کہ مسلمان نوجوان نے چھرا دکھا کر ایک ہندو لڑکی کی عصمت لوٹ لی ــــ دو اور ہندی اخبارات "نئی دنیا" اور "نو بھارت" نے بھی واقعات اسی طرح پیش کئے۔

یگ دھرم کا ہسٹریا

ہندوؤں میں یہ مشہور ہے کہ "یگ دھرم" بڑی دلیری کے ساتھ لکھتا ہے اور اس نے اس واقعہ کی صحیح رپورٹ پیش کی۔ مزید برآں دوسرے مقامی اخبارات اور مقامی پولیس بھی ایک اعلےٰ پیمانے پر سازش میں شریک ہو گئی اور یہی وجہ تھی کہ ہندؤں نے سرکاری بیان کو کوئی اہمیت نہ دی۔

اس موقعہ پر پبلسٹی ڈیپارٹمنٹ اور حکام نے کوئی اقدام نہ کیا اور لڑکی کی خودکشی سے متعلق کہانی کو اس کے صحیح روپ میں پیش نہ کیا۔

فرقہ واریت کی اخلاق سوز تباہ کارانہ سرگرمیوں کے بعد ہی ۱۱ فروری کو ہم لوگ جبلپور پہنچے۔ چونکہ اس مقام پر اس سے پہلے بھی گزشتہ پانچ برسوں میں تین ایسے ہی فسادات اپنی پوری شدت کے ساتھ ہو چکے تھے اس لئے واقعہ کی اہمیت کے پیش نظر ہمارے اخبارات نے ہمیں فوراً موقعہ پر معائنہ اور تحقیقات کے لئے روانہ کر دیا۔

جبلپور کے باہر ان فسادات کے بارے میں مختلف افواہیں تھیں — ان کا سلسلہ ۴ فروری سے شروع ہوا تھا ایک پر اسرار تحریک ملک کی سیکولر فضا کو اس وقت زہر آلود کر رہی تھی، کہا جا رہا تھا کہ مسلمان پاکستان لے کر بھی مطمئن نہیں ہیں اور مسلم لیگ بنا کر پاکستان کی شہ پر فرقہ وارانہ زہر پھیلا رہے ہیں وغیرہ وغیرہ — یہ باتیں ہندو عوام سچ سمجھ رہے ہیں۔ بہر حال ہمیں جو کچھ معلوم ہوا ہے، اس کے مطابق ہم نے واقعات کا پوسٹ مارٹم شروع کیا۔ چونکہ ہم لوگ باہر ہی تھے۔ اس لئے فضا کا ہمارے دماغ پر اثر نہ تھا اور ہم آسانی کے ساتھ واقعات پر جو پردے پڑے ہوئے تھے، انہیں ہٹا سکے اور ہم نے تمام واقعات کے تسلسل کو جو ۳ فروری کو ہندو لڑکی اوشا بھارگوا کی خودکشی کے سبب منظر عام پر آئے تھے سمجھ لیا۔

متوفیہ نے کوئی نام نہ لیا

اس موقعہ پر ہم اتنا واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ واقعات کا جہاں تک ہمیں علم ہے ہم نقاب کشائی کر رہے ہیں، اس میں ہمارا کوئی سیاسی مقصد نہیں ہے۔ ہوا یہ کہ ۳ فروری سہ پہر میں ۳ بجے کے قریب اوشا بھارگوا ۱۲ سالہ ہندو لڑکی

جس میں ایک سینما ہاؤس میں دو لڑکیوں کے ساتھ پھرتے ہوئے یہ دونوں لڑکے دیکھے گئے تھے، ان لڑکیوں میں ایک اوشا کی سب سے چھوٹی بہن تھی۔ اس وقت لڑکوں پر پانچ پانچ روپے جرمانہ بھی ہوا تھا، ہوسکتا ہے بھارگو فیملی میں ان مسلمان لڑکوں کا آنا جانا ہندوؤں نے پسند نہ کیا ہو۔ انہیں دو لڑکوں میں سے ایک مالدار بیڑی کے تاجر محبوب خاں کا بیٹا بھی ہے جس کی اس خفیف الحرکتی سے فرقہ وارانہ ذہنیت رکھنے والوں نے فائدہ اٹھایا اور فرقہ واریت کی آگ بھڑکائی اور یہ کام اس موقعہ پر آسان بھی تھا۔ بعض پڑوسیوں کا یہ کہنا ہے کہ اوشا ایک شریف لڑکی تھی اور اسے اپنی بہن کی مسلمان لڑکوں سے دوستی ناپسند تھی اس لئے ہوسکتا ہے کہ مسلمان لڑکوں نے اسے دھمکی دی ہو۔ ایک بیان یہ بھی ہے کہ اس کے دوستوں کا حلقہ علیحدہ ہو وغیرہ وغیرہ۔

آخری بیان غائب

پوسٹ مارٹم رپورٹ سے لڑکی کا حاملہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ رپورٹ سے یہ بھی واضح ہے کہ وہ کنواری بھی نہ تھی بلکہ جنسی تجربات کی حامل تھی، اگر فنار کئے جانے والے لڑکوں نے اپنے آپ کو بے گناہ قرار دیا ہے اور اپنی معصومیت کے سلسلہ میں کافی ثبوت بھی بہم پہنچایا ہے، ان حالات میں لڑکی کی خودکشی سے متعلق کسی واقعہ کو بیان کرنا محال ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ لڑکی کا آخری بیان اور پوسٹ مارٹم رپورٹ پولیس کو دبانی نہ چاہیئے تھی۔ کیونکہ اس کے نہ ہونے سے فرقہ وارانہ آگ کو اور ہوا دی جاسکی۔

فرقہ واریت کے جو شعلے ۹ اور ۱۰ فروری کو بھڑکے، ان کی زد میں آنے والا سب سے پہلا مسلمان برتنوں کا ایک دوکاندار تھا، جو بہت پرانا نیشنلسٹ تھا۔ لوٹ مار اور آتشزدگی کے واقعات ہوتے رہے اور پولیس اونگھتی رہی، البتہ فوج کے جانے سے حالات قابو میں آئے لیکن یہ اندازہ بھی غلط نکلا۔ کیونکہ، فروری کو پابندیاں جب ڈھیلی کی گئیں تو بعض افسران کی بڑی ناتجربہ کاری سامنے آئی۔ کیونکہ اس وقت بھی فضا خراب تھی اور ردعمل کے امکانات واضح تھے اور، فروری کی شب سے جو خون کی ہولی شروع ہوئی وہ پولیس کے قابو سے باہر تھی اور صرف تماشبین کی

خون کی ہولی

لوٹ مار اور آتشزدگی

مبینہ عصمت دری کی داستان نے ۴ فروری کو طلباء کے جلوس کی شکل اختیار کر لی جو لارڈ گنج پولیس اسٹیشن پر یہ معلوم کرنے کے لئے پہنچا کہ ملزمین گرفتار کر لئے گئے یا نہیں پولیس کے یقین دلانے پر مجمع منتشر ہو گیا لیکن کچھ لوگ شام کے وقت ایک مسلم سکول کے سامنے جمع ہو گئے اور سکول پر پتھراؤ کرنا شروع کر دیا۔

اوشا کی بہن کے دوست

اوشا بھارگوا کے نام پر پورے ملک میں جو فرقہ وارانہ زہر پھیلایا جا رہا ہے اسے دور کرنے کے لئے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ بھارگوا خاندان کے متعلق واقعات سامنے لائے جائیں۔

گرفتار کئے جانے والے لڑکوں میں سے کم از کم ایک لڑکا تو بھارگوا فیملی کے لئے اجنبی نہ تھا، وہ تو اوشا بھارگوا کی سب سے چھوٹی بہن کا دوست تھا۔ یہ بھارگوا خاندان جبل پور کے لارڈ گنج علاقہ کے شارع عام پر رہتا ہے مبینہ واقعہ عصمت دری اس وقت ہوا جب کہ لڑکی کے والدین کہیں گئے ہوئے تھے لڑکی چار بجے شام کو ہسپتال میں لائی گئی۔ لڑکی کے باپ دیو کی نندن بھارگوا نے ہمیں بتایا کہ لڑکی نے واقعی مبینہ عصمت دری سے متعلق کوئی بیان نہ دیا۔ بلکہ ایک سوال کے جواب میں کہا کہ مجھ سے چھیڑ چھاڑ کی گئی تھی۔ لڑکی کے باپ نے اس بات کی بھی تصدیق کی کہ اوشا نے ملزمین میں سے کسی کا نام نہ لیا۔

لڑکے برابر آتے جاتے تھے

دونوں مسعود اور لطیف کی گرفتاری ایک پڑوسی کے بیان پر عمل میں آئی ہے جس نے دعویٰ کیا ہے کہ اس نے ۳ فروری کو اس جگہ لڑکوں کو دیکھا تھا۔ اسی مکان کے سامنے اور بہت سی دکانیں ہیں لیکن ان میں سے کسی ایک دکاندار نے یہ نہ کہا کہ اس نے لڑکوں کو دیکھا یا اس گھر میں کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا۔ ہاں البتہ غسل خانے سے جب دھواں اٹھا تو لوگوں کو تشویش ہوئی۔

ایک سینئر پولیس افسر نے ہمیں بتایا کہ ۱۸ مہینے پہلے ایک کیس درج رجسٹر ہوا

گاؤں کے مقامی ہندو بھی مسلمانوں کے ہمدرد ہی تھے۔

کانگریس، پی ایس پی کی بے عملی

پولیس نے سہرو پا کے ایک ہندو مالگذار کو گرفتار کیا اور بھی کچھ گرفتاریاں عمل میں آئیں لیکن سب سے زیادہ حیرانی کی بات یہ ہے کہ پرجا سوشلسٹ اور کانگریس جیسی بڑی پارٹیاں کان میں تیل ڈالے پڑی رہیں، کانگرس لیڈر نے فسادات کی ذمہ داری ہندوؤں پر عائد کرتے ہوئے کہا کہ میں اور کچھ نہیں کہہ سکتا مجھے نقصان پہنچے گا۔ بہرحال اس فرقہ واریت کے زہر کی ان سیاسی لیڈروں نے اور پارٹیوں نے کوئی روک تھام نہ کی۔

افواہیں

بعض مقامی وکلاء اور دوسرے سیاسی لیڈروں نے ہمیں اس بات پر مطمئن کرنا چاہا کہ ہندوؤں کا بڑا نقصان ہوا، لیکن یہ سب باتیں غلط ہیں، مضافات میں ۲۶ افراد اور جبلپور میں ۴۲ افراد مرے تھے انہیں میں سہرو پا کے پندرہ افراد شامل ہیں۔ بہرحال اس سلسلہ میں پولیس رپورٹ درست تھی اور یہ افواہ تھی کہ پولیس مار مار کر لوگوں کو دفن کر رہی ہے، لاوارث لاشیں ضرور دفن کی گئیں۔ لیکن ان کے اعداد و شمار پیش نہیں کیے گئے۔ بعض مسلمانوں کی بے لائسنس ہتھیار رکھنے پر گرفتاری کی خبر بھی غلط تھی۔ پاکستان کو وائرلیس سے خفیہ اطلاعات دینے کی خبر بھی غلط تھی صرف پولیس اپنی رپورٹ بھوپال اور نئی دہلی بھیج رہی تھی، یہ دوسری بات ہے کہ پاکستان نے نئی دہلی بھیجی جانے والی ریڈیو نیوز وی ایچ ایف سسٹم سے پکڑ لی ہوں اور انہیں، وزدری کو نشر کیا ہو یا آل انڈیا ریڈیو سے اس نے کچھ حاصل کیا ہو جبل پور کی آبادی چار لاکھ ہے۔ اس میں چالیس ہزار مسلمان ہیں۔ آبادی ہندو مسلمان اور چینیوں پر مشتمل ہے جو الگ الگ رہتے ہیں۔ جہاں کہیں مخلوط آبادی تھی وہیں فسادات سے مسلمانوں کو نقصان پہنچا۔

اس سے پہلے

اس سے پہلے تین برسوں میں تین بڑے فسادات ہو چکے ہیں، دو ہندو مسلمانوں

حیثیت سے بے بس کھڑی تمام لرزہ خیز واقعات دیکھتی رہی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پولیس کا بھی ان واقعات میں ہاتھ ہے۔

غنڈوں کی حکومت

دو دن یعنی ۷ اور ۸ فروری کو قطعی غنڈوں کی حکومت رہی یہ بھی ایک حیرانی کی بات ہے کہ پورا شہر کیوں نہ جل اٹھا، فروری کی ایڈمنسٹریشن کی ناکامی کے بارے میں ہم تحقیقات مکمل نہ کر سکے — ایک سپاہی نے دو مہینے کے ایک بچے کو روند کر ہلاک کر ڈالا۔ اس کے بارے میں یہ ضرور معلوم ہوا ہے کہ تحقیقات کی جارہی ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ۷ فروری کو ایک مسلمان لڑکی کی آبرو ریزی کی گئی بہرحال مرکز کے حکام پر فوج طلب کر لی گئی اور پولیس کو بھی سخت ہدایتیں دی گئیں اور واقعات کی حقیقی روک تھام شروع ہوئی ہے۔

الٹا حساب

جو تباہی آئی تصور سے باہر ہے، جبل پور میں مسلمانوں کے تین سو مکانات سوخت کر دیئے گئے۔ بلوہ اور فائرنگ سے مرنے والوں کی تعداد ۴۲ ہے لیکن ان میں صرف دو ہندو تھے جبکہ نقصان جان اور مال کا شکار صرف اقلیتی فرقہ کے لوگ تھے ہندوستان میں بات پھیلائی جارہی تھی کہ بیشتر نقصان جان و مال ہندوؤں کا ہوا ہے، ساگر اور دموہ کی تباہ کاریاں جبل پور کی خبروں سے عمل میں آئیں، ابھی حالات معمول پر نہ آئے تھے۔ کہ ۱۰ فروری کو جبل پور سے گیارہ میل دور سہروپا پرسوپر ہندوؤں نے چڑھائی کر دی۔ مقامی ہندو بھاگ نکلے اور مسلمانوں کا ایک سابق زمیندار خاندان اور اس کے پندرہ افراد جلادیئے گئے بچنے والا ایک گیارہ سالہ لڑکا ہے جو درخت پر چڑھ گیا تھا اس کے علاوہ چار اور بھی جو بھاگ نکلے تھے۔ حادثہ کے تین دن بعد ہم لوگ سہروپا پہنچے تھے جہاں سے بھنے ہوئے گوشت کی بو آرہی تھی — اور یہ سب کچھ یہاں کے ایک مقامی ہندو کا کیا ہوا تھا جس نے مسلمانوں سے اپنے پرانے جھگڑے کا اس بربریت اور سفاکی کے ساتھ بدلہ لیا۔ حملہ آور دور کے گاؤں سے آئے تھے۔ اور خود اپنے گاؤں کے واحد مسلم گھرانوں پر انہوں نے ہاتھ تک نہیں اٹھایا تھا۔ سہروپا

میں دو دو ایک ہندوؤں اور چینیوں میں۔ ان تمام مواقع پر "یگ دھرم" نے اس آگ کو ہوا دی۔ تجارتی رسہ کشی کا بھی ان فرقہ وارانہ فسادات میں ہاتھ تھا ان تمام باتوں کے باوجود بعض ہندو گھرانوں نے اپنی جانوں پر کھیل کر مسلمانوں کو پناہ دی لیکن یگ دھرم کے پھیلائے ہوئے اس فرقہ وارانہ زہر نے پوری طرح اپنا کام کیا اور ساگر دموہ، اور نرسنگھ پور تک یہ آگ پھیل گئی اور بڑی تنظیم کے ساتھ پھیلی۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ہینڈ بل بھی تقسیم کئے گئے اور فرقہ پرست اخبارات نے بھی آگ لگائی۔

کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کی تحقیقاتی رپورٹ

واقعات وحقائق کی عریاں تصویر

کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کے وفد نے جبلپور اور متاثرہ شہروں کا دورہ کرنے کے بعد ذیل کی رپورٹ مرتب کی ہے،

کرنے کی کوئی قابل عمل کوشش نہیں کی گئی اور بدمعاشوں اور پیشہ ور غنڈوں کو ہاتھ تک نہیں لگایا گیا۔ لیکن جب ملونی گنج اور دوسرے علاقوں میں جمع ہونے والے لوگ مسلمان محلوں کی طرف بڑھنے لگے تو وہی پولیس جو دوپہر تک بالکل مطمئن اور بے عمل رہی تھی گھبرا گئی اور کلکٹر کو فوج کی مدد طلب کرنی پڑی۔

شام کے چار بجے جب فوج کی تین کمپنیاں آئیں تو حالات قابو میں آئے فوجی سپاہیوں کو مختلف مقامات پر اور فساد زدہ علاقوں میں متعین کر دیا گیا اور مجمع گلی کوچوں میں واپس جانے لگا۔

ملونی گنج میں فوج اس وقت پہنچی جب تقریباً پانچ ہزار کا مجمع مسلمان محلوں کی طرف بڑھ رہا تھا اور اس طرح شہر ایک زبردست حادثہ سے بچ گیا۔

فوراً ہی صبح سے شام تک کا کرفیو لگا دیا گیا اور اسے سختی کے ساتھ نافذ کر دیا گیا۔ اس طرح اکا دکا واقعات کے علاوہ رات سکون سے گذر گئی اور فسادی رہنماؤں کے حوصلے پست ہو گئے۔

۵ فروری کو بھان تلیا کے علاوہ جہاں دو فرقوں کے درمیان سخت خشت باری ہوئی اور چند افراد مجروح بھی ہوئے، شہر میں فساد کا کوئی واقعہ نہیں پیش آیا اور بھان تلیا میں مسلح پولیس کے پہنچ جانے کی بدولت وہاں بھی حالات پر قابو پا لیا گیا۔ اس روز شام سے صبح تک کرفیو نافذ رہا اور رات پورے اطمینان کے ساتھ گذری

۵ فروری کے پرسکون حالات نے حکام کو پھر مطمئن بنا دیا۔ انہوں نے فوج اور دوسرے اضلاع سے بلائی ہوئی پولیس کو واپس بھیج دیا حتٰی کہ انسپکٹر جنرل پولیس اور ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس ریڈ کوارٹر، جو فسادات کو دبانے جبل پور آئے تھے واپس چلے گئے۔

یگ دھرم کی اشتعال انگیزی

۴ فروری سے ۷ فروری تک جن سنگھ کا روزنامہ یگ دھرم نہایت اشتعال انگیز اور جلی قلم کے تحت ۳ فروری کے واقعہ کو شائع کر کے ایک فرقہ کو دوسرے کے خلاف مشتعل کرنے کی کوشش کرتا رہا۔

اس صورت حال کے پیش نظر شہر کے بہت سے ممتاز لوگوں نے ۳ فروری کی

فسادیوں نے تین گھنٹہ کے اندر شہر کے سب سے بڑے کاروباری مرکز اندھرولو سے لے کر نوارہ اور بلونی گنج تک ایک درجن دکانوں کو لوٹ کر خالی کر دیا اور جن چیزوں کو اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتے تھے۔ انہیں سڑک پر جمع کر کے آگ لگا دی شہر کے مختلف حصوں سے دھواں اور شعلے اٹھنے لگے لیکن کسی جگہ سے بھی فائر بریگیڈ دو تین گھنٹے سے پہلے نہیں پہنچا۔ دن کے بارہ بجے شہر میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی گئی لیکن پولیس کی طرف سے اس پر عمل کرانے کی معمولی سی کوشش بھی نہیں کی گئی دو بجے دن تک اومستی سے بلونی گنج تک ہزاروں افراد جمع ہو گئے اور بلونی گنج میں جو فسادی علاقہ ہونے کی حیثیت سے بدنام ہے مجمع کی رہنمائی کی باگ ڈور فسادیوں کے ہاتھ میں چلی گئی

فسادیوں نے جہاں جہاں آگ لگائی، سنگ باری کی اور دکانوں کو لوٹا وہاں پولیس موجود رہی، لیکن اس نے کوئی مداخلت نہیں کی اور خاموشی سے ان تمام حرکتوں کو دیکھتی رہی۔

پولیس کا رویہ

اس تمام معاملہ میں پولیس کا طرز عمل جو رہا اس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ پولیس کی ایک معقول جمعیت الوزخاں، محبوب خان اینڈ کمپنی اور بعض دوسرے مسلمانوں کی حفاظت تو کرتی رہی لیکن اس نے شہر کے مختلف حصوں میں فسادیوں کو تباہ کاری کی کھلی ہوئی آزادی دے دی۔ فسادیوں اور ان کے لیڈر کو گرفتار

میں آتشزدگی لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا بازار گرم ہو گیا — لیکن ہر شخص کی زبان پہ یہی ایک جملہ تھا — اقلیت والے فرقہ نے آتشیں اسلحہ سے مسلح ہو کر شہر کے چھ طرف سے حملہ کر دیا ہے۔

رات کو ساڑھے گیارہ بجے فوج بلائی گئی اور وہ دو گھنٹہ سے پہلے امن قائم نہیں کر سکی۔ اس کے باوجود دوسری صبح کو اخبارات اور خصوصاً یگ دھرم کی طرف سے اقلیت کی طرف سے منظم حملہ کرنے۔ دو پولیس انسپکٹروں کو مارنے اور انہیں اٹھا لے جانے۔ ایک ہندو ہوٹل والے کا ہاتھ کاٹ ڈالنے۔ جیب کاٹیں استعمال کرنے۔ پولیس کی وردیاں اور برقعے پہن کر حملہ کرنے کی خبریں شائع ہوتی رہیں۔

کانگرس اور پرجا لیڈروں کی کمزوری

دو تین دن کے پرسکون ماحول کے بعد اکثر ہندو یہ محسوس کرنے لگے ہیں۔ دراصل جانی و مالی نقصان دوسرے فرقہ کا ہوا ہے۔ لیکن کافی تعداد اب بھی ایسے لوگوں کی ہے کہ جو یہی یقین رکھتے ہیں کہ شر و فساد اقلیتی فرقہ کی طرف سے ہوا۔

بدقسمتی سے اس قسم کی خبروں کی تصدیق و تشہیر پولیس اور کانگرس لیڈر گوبند داس (ایم پی) اور بہ شائد اس لئے کہ کہیں ہندو طبقہ سیٹھ جی سے ناراض نہ ہو جائے اور اگلے انتخاب میں ان کو نقصان نہ ہو۔ پی ایس پی کے لیڈروں کو صحیح بات معلوم ہے لیکن وہ حق گوئی کی جرأت نہیں کرتے۔

رات اور ۴ فروری کی صبح کو پولیس سپرنٹنڈنٹ کو اس طرف توجہ دلائی تھی کہ شہر میں فساد ہو جانے کا اندیشہ ہے لیکن حکام اس پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں ہوئے اور انہوں نے احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے لئے انکار کر دیا لیکن جب انہیں ہوش آیا تو فسادات شروع ہو چکے تھے اور وہ اس قدر حواس باختہ ہو گئے تھے۔ کہ ان کے پاس پولیس کی جو طاقت موجود تھی --- وہ اسے بھی موثر طریقے پر استعمال نہیں کر سکے۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ اس نازک صورت حال کے باوجود حکام نے کسی مرحلہ پر بھی غیر فرقہ پرست عناصر کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی حتیٰ کہ انہوں نے تین مقامی روزناموں "نوبھارت"، "نئی دنیا" اور جبل پور چار" کو بھی جو اکثریت کے مشتعل جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لئے قابل تعریف جرأت کے ساتھ کام کر رہے تھے اپنے اعتماد میں لینے سے انکار کر دیا۔

دوسرا دور

۷ فروری کو ملونی گنج کے قریب ایک محلہ ہے جہاں سے اقلیت سے تعلق رکھنے والی عورتوں کی منظر عام پر بے حرمتی کئے جانے کی کچھ خبریں آئیں اور یہ افواہ پھیل گئی کہ رات کو اقلیت والے فرقہ کی خواتین کو اجتماعی طور پر بے حرمت کیا جائے گا۔ اس طرح ایک طرف اقلیت کو خوفزدہ کر دیا گیا اور ان کے بعض عناصر صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہے اور دوسری طرف اکثریت والے فرقہ کو منظم طور پر مشتعل اور مسلح کر کے تیار رکھا گیا۔

رات کے نو بجے ایک مسلمان آتشباز کی دکان کو آگ لگا دی گئی اور جب وہاں سے پٹاخے اور گولے چھوٹنے کی آوازیں آنے لگیں تو مظلومانہ انداز میں چیخ چیخ کر ہندوؤں کو امداد کے لئے بلایا جانے لگا۔ انہیں جمع کرنے کے لئے ڈھول بجائے اور نرسنگھے پھونکے گئے اور چند ہی منٹ میں اقلیت کے محلوں کی سرحد پر دس ہزار آدمی مچھلی مارکیٹ میں اور اسی قدر لوگ گھوڑا نخاس کے قریب ہنومان تلیہ میں جمع ہو گئے۔ پھر یہ مشتعل ہجوم فاشسٹ حملہ آوروں کی طرح سے آگے بڑھا اور وسیع رقبہ

مسلمان عورتوں کی عصمت دری

عصمت دری کے شرمناک واقعہ کو جن سنگھیوں نے بدلہ لو، ہندو یودتی (دوشیزہ) کا بدلہ لو کا نعرہ بلند کرنے اور اس کو پھیلانے کا ذریعہ بنا لیا اس سے بھی زیادہ گندے اور ناقابل اشاعت نعرے لگائے گئے اور ان پر عمل بھی کیا گیا۔ مسلمان عورتوں کی جبراً عصمت دری کی گئی اور کسی بھی خبر رساں ایجنسی اور نہ سرکاری بیانوں میں ان واقعات کو بیان کیا گیا نہ اس گندے نعرے بازی کو روکنے کی کوئی کوشش کی گئی۔

دوسرا فساد ۷ فروری کو ہوا اور اس موقع پر جو سرکاری بیان جاری کیا گیا اس سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ حملہ آور مسلمان تھے اور ہندو اپنے دفاع میں مصروف تھے — اس غلط بیانی سے بڑی اور کوئی غلط بیانی نہیں ہو سکتی۔

دوسرے فساد کی شام کو جن سنگھی عناصر اپنے محلوں میں کھلے خزانے یہ کہتے پھر رہے تھے کہ اب اور زیادہ بڑا فساد ہوگا — اور اسی رات بڑا فساد ہوا۔

اس المناک رات کو تین بجے تک اخبار نویس سرکاری بیان طلب کرتے رہے لیکن کوئی بیان نہ جاری کیا گیا۔ دوسرے روز یعنی ۸ فروری کو "یگ دھرم" نے یہ خبر شائع کی کہ چھ مقامات پر مسلمانوں کے جتھوں نے حملہ کیا اور اسی طرح کی سو فیصدی جھوٹی خبریں شائع کیں۔ جبل پور کا قوم پرست اخبار "نئی دنیا" ان خبروں کے بارے میں خاموش رہا دوسرے روز سرکاری اعلامیہ جاری کیا گیا جس میں "یگ دھرم" کے بیان ہی کو دہرایا گیا تھا اور اس کے اگلے روز پولیس افسروں نے بھی یہی اطلاعات دینا شروع کیں کہ مسلمانوں نے فساد شروع کیا تھا — جس شخص کی بھی آنکھیں ہیں وہ دیکھ سکتا ہے

کمیونسٹ پارٹی کے رہنما

مسٹر جوشی کی رپورٹ

مسٹر جوشی ہندوستان کی کمیونسٹ پارٹی کے مشہور زعیم ہیں۔ انہوں نے بذاتِ خود جبل پور وغیرہ کا دورہ کر کے حسب ذیل رپورٹ مرتب کی

کر دیا گیا۔

افسروں کا رویہ

ایماندار عناصر میں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ پولیس نے فسادات کے شروع ہونے اور پھیلنے سے روکنے کے لئے کوئی ٹھوس قدم نہیں اٹھایا اس کے بعد پولیس نے اندھا دھند فائرنگ کی اور لوٹ مار میں حصہ بھی لیا۔ اس وقت تک جن سنگھ کا ایک بھی لیڈر یا کارکن گرفتار نہیں کیا گیا۔

کانگریسی اور ایماندار عناصر یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ جن سنگھ کے اخبار "یگ دھرم" نے براہ راست طریقہ سے فسادات شروع کرنے کے لئے اشتعال دلایا اڈیٹر اور پبلشر کے خلاف اب تک کوئی اقدام نہیں کیا گیا ہے اس سے بھی زیادہ خراب بات یہ ہے کہ اس فرقہ پرست چیتھڑے میں شائع ہونے والی جھوٹی اور اشتعال انگیز خبروں کی کوئی تردید نہیں کی گئی۔

پولیس کی شرارت

"نئی دنیا" شہر کا ایک ذمہ دار اور قوم پرست اخبار ہے۔ اس کے نمائندوں کو مقامی افسران نے روز روز کی خبریں بتانے سے صرف اس لئے انکار کر دیا کہ یہ اخبار وہ سب ہضم کرنے کے لئے تیار نہیں تھا جو اس کو بتایا جاتا تھا۔ خفیہ سرکاری اور گرم خبریں حاصل کرنے کا حق صرف یگ دھرم کو تھا اور حد تو یہ ہے کہ سرکاری کمیونک بھی پہلے اسی اخبار کو دیا جاتا تھا۔ نئی دنیا اور دوسرے قوم پرست اخبار "بھارت" نے اس بات کی کھل کر اپنے اخبار میں شکایت کی ہے کہ مقامی حکام ان سے تعاون نہیں کرتے۔ ان دونوں اخباروں نے پولیس کے رویہ اور اس کی نااہلیوں پر نکتہ چینی کی ہے۔ صرف یگ دھرم نے مستقلاً پولیس کی تعریف کی ہے۔

پولیس اور یگ دھرم میں گٹھ جوڑ

ان فسادات کے دوران پولیس کوتوالی جن سنگھ کا اڈہ تھی۔ مقامی رہنما وہاں بیٹھے تھے جن سنگھ سے دوستی نبھایا کرتے تھے ان میں کچھ فساد زدہ علاقوں میں

کہ مسلم اقلیت حملہ آور نہیں تھی بلکہ وہی دراصل فساد کا شکار ہوئی۔

اس ایماندارانہ نتیجہ کا ثبوت ایک ایسی حقیقت ہے جس کو دیکھا جا سکتا ہے اور نہ جس کو چھپایا جا سکتا ہے اور نہ جس کو غلط قرار دیا جا سکتا ہے۔

دلائل

۱۔ تمام بیانات کے بموجب ہندو مجمع کی تعداد مسلمانوں سے بہت زیادہ تھی شہر کی آبادی میں تین لاکھ ہندو آباد ہیں اور چالیس ہزار مسلمان۔ فساد گھنٹوں کے بجنے اور نرسنگھے کے پھونکنے سے شروع ہوا۔ جو ہندوؤں کی علامات ہیں نہ کہ مسلمانوں کی

۲۔ جن علاقوں سے فساد شروع ہونے کی اطلاعات ملی ہیں وہ مسلم آبادی کے علاقے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حملہ آور نہیں تھے اپنے دفاع میں مصروف تھے۔

میں نے اپنی آنکھوں سے سڑک کے اس پار ایک بڑے مندر پر ایک بڑا بانس لگا دیکھا ہے جس پر ایک بلب لگایا گیا تھا جس کو جلا بجھا کر بلوائیوں کی رہبری کی جاتی تھی جس مقام پر یہ مندر ہے وہاں سے ہندو علاقہ شروع ہوتا ہے۔

۳۔ مسلم اکثریت کے علاقوں میں ہندوؤں کے مکانات نہیں جلائے گئے میں نے مسلمانوں کے مکانوں کی قطاروں کی قطاریں جلی ہوئی دیکھی ہیں اور ۲۹۳ مکان جلائے گئے جن میں صرف چھ مکانات ہندوؤں کے تھے یہ چھ مکانات بھی پوری طرح نہیں جلے ہیں۔ ان مکانات کے درمیان میں آ گئے تھے۔

۴۔ ہندوؤں کے نہیں بلکہ مسلمانوں کے مکانات بڑے پیمانہ پر لوٹے گئے جو آج بھی اجڑے ہوئے کھڑے ہیں کیونکہ ان کے مکین بھاگ گئے ہیں بوڑھی مسلمان عورتوں کی ایک بڑی تعداد نے مجھے اپنی کہانی سنائی۔ یہ سب کہانیاں ایک جیسی تھیں۔ پولیس کے دستے محلوں میں آئے۔ اس کے بعد جن سنگھیوں کے گروہ جلتی مشعلیں مٹی کے تیل میں بھیگے کپڑے کی گیندے کر آئے اور انہوں نے مکانات میں آگ لگا دی۔ جب جلتے ہوئے مکانات میں پھنسے لوگ باہر نکلے تو ان کو لوٹا گیا۔ خوفزدہ عورتوں سے زیورات اور دوسری قیمتی اشیا چھین لی گئیں اور اس کے بعد اگر ان کی عصمت دری نہیں کی گئی تو بھاگنے پر مجبور

جن سنگھ کا منصوبہ

جن سنگھ کا پروگرام یہ ہے کہ ہندو عوام کے سامنے اپنے کو ہندو قوم کا محافظ بنا کر پیش کریں جس طرح ہٹلر نے جرمنی میں اپنے کو جرمنی عوام کا محافظ بنا کر پیش کیا تھا وہ ہندوستان کے مسلمانوں کو جرمنی کے یہودیوں کی جگہ پر رکھ کر اپنے پروگرام کو بالکل اس پروگرام کے مطابق چلا رہے ہیں۔

جبل پور کی کانگرس میں اس وقت جو لوگ برسر اقتدار ہیں وہ زیادہ تر سرمایہ دار طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں یہاں کے سب سے اہم لیڈر سیٹھ گووند داس ممبر پارلیمنٹ ہیں جو رجعت پسند ذہنیت کے آدمی ہیں ان کی ہمدردیاں ہمیشہ فرقہ پرستوں کے ساتھ رہی ہیں۔

آیا جایا کرتے تھے اور اس طرح اپنے ایجنٹوں سے رابطہ قائم کئے ہوئے تھے یہ لوگ وہیں آپس میں صلاح مشورہ کرتے تھے اور پولیس اور کوتوالی کے انچارج پر اپنے تاثرات استعمال کرتے تھے۔

اس دوران پولیس کو توالی میں بار بار ٹیلیفون کر کے ایسی جگہوں کے لئے مدد طلب کی گئی جہاں کوئی واقعہ نہیں ہوا تھا۔ اور جب سچ مچ کے فساد زدہ علاقوں سے مدد طلب کی گئی تو ان سے کہہ دیا گیا کہ کوتوالی میں پولیس موجود نہیں ہے۔ آگ بجھانے والے انجن کے سلسلہ میں بھی یہی ہوا۔ میں نے جبل پور کے ممتاز باشندوں سے اس طریق کار کی متعدد مثالیں سنی ہیں۔

اس کے علاوہ فسادات کے سلسلہ میں عمل میں آنے والی گرفتاریوں کی نوعیت سے بھی جن سنگھ اور پولیس کے درمیان تعاون اور رابطہ کا ثبوت ملتا ہے۔

اکثریتی فرقہ میں سے فساد کے سرغنوں کو گرفتار نہیں کیا گیا ہے لیکن رائے عامہ کو دھوکہ دینے کے لئے بڑے پیمانہ پر گرفتاریاں ہوئی ہیں، ہندوؤں میں معمولی غنڈوں اور ایسے لوگوں کو جن کی نگرانی پولیس کرتی تھی گرفتار کر لیا گیا اور ان کے ساتھ بہت سے بے گناہوں کو بھی جو ان کے ساتھ ایسے علاقوں میں رہتے تھے جہاں فسادات یا کوئی بڑے واقعات نہیں ہوئے تھے۔ گرفتار کیا گیا ہے، ایسے لوگوں کی رہائی یا ان پر چارج شیٹ نہ لگنے سے پولیس کو روپیہ کمانے میں مدد مل سکتی ہے۔

مسلمانوں میں ایسے لوگوں کو گرفتار کیا گیا ہے جو نہ تو فرقہ پرست تھے نہ کسی پارٹی سے تعلق رکھتے تھے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں انتہائی خوف اور دہشت پیدا ہو گئی ہے۔ اور سینکڑوں مسلمان اپنے گھر بار سمیت بھوپال اور دوسرے مقامات کو جا رہے ہیں۔ حکام کی طرف سے اس ہجرت کو روکنے کی کوئی کوشش نہیں کی جا رہی ہے، سازش کے اصل لیڈر خاص خاص ہندو غنڈے اور جن سنگھی آزادی سے گھوم رہے ہیں اور اکثر مسلمان ان کے کہنے سے گرفتار کئے جا رہے ہیں۔

پولیس اور دوسرے حکام وزیراعظم کے بیان کے بعد یہ محسوس کر رہے ہیں کہ تحقیقاتی کمیٹی میں ان سے باز پرس کی جائے گی اس لئے وہ ان کو اس بات کے لئے ڈرا دھمکا رہے ہیں کہ وہ ان کے خلاف گواہی نہ دیں۔

حکام اور سماج دشمن عناصر

جبل پور میں ایک افسوسناک شخصی واردات کو مقامی فرقہ پرست پریس نے اچھالا اور پبلک میں انتشار پیدا کیا۔ اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ فرقہ پرست عناصر حرکت میں آ گئے جو اقلیت کشی کے لئے اپنی زندگی وقف کر چکے ہیں اور جو پہلے سے اس نواح میں غدر مچانے کی تیاریاں رکھتے تھے۔ ۴ فروری کی صبح ہی کو مقامی فرقہ پرست تنظیم نے اپنی فوج، کالجوں کے طلبہ کو شہر میں دھکیل دیا جنہوں نے شہر میں ادھم مچا دیا اور ہر طرف اشتعال انگیزی توڑ پھوڑ، مارپیٹ، آتشزنی اور زبردستی ہڑتال کرانے کی کوشش سے شہر کا امن وسکون برباد کیا۔

ان سرکش باغیوں کی فوج سب سے پہلے پولیس کوتوالی میں جمع ہوئی تھی اور اس کے تیور صاف بتا رہے تھے کہ آج وہ کیا گل کھلانے والے ہیں۔ اگر حکام اس لاقانونیت اور طوفان بدتمیزی کو پہلے ہی قدم پر روک دیتے تو یہ سارا تماشا ہی دنیا نہ دیکھتی۔ حکام نے ان کو پوری مہلت اور آزادی دی۔ چنانچہ اس روز قتل و غارت گری کے افسوسناک واقعات کثرت سے پیش آئے لیکن یہ واقعہ ہے کہ اپنی پوری کوشش کے باوجود ان شرپسندوں کو عوام میں اشتعال پھیلانے اور انہیں آمادۂ فساد کرنے میں نمایاں کامیابی نہیں ہوئی اور ان کے ارمان پورے نہ ہو سکے، چنانچہ اگلے دو تین دن میں انہوں نے بڑے پیمانہ پر تیاریاں کر کے سات فروری کی شام کو زیادہ مضبوط اور منظم یلغار کی جو مقامی پولیس اور ایڈمنسٹریشن کی ہمدردیوں کے بغیر یقیناً نامکمل رہتی، بہرحال یہ منظم اور مضبوط حملہ اپنے نتائج اور بربادیوں کے لحاظ سے نہایت

جمیعتہ علمائے ہند کی تحقیقاتی رپورٹ

زہرہ گداز واقعات وحوادث کی تفصیل

مولانا مسعود احمد صدیقی اور سید انیس الحسن پر مشتمل جمیعتہ علما کے ایک وفد نے جبل پور اور ساگر وغیرہ کا دورہ کرنے کے بعد ایک طویل رپورٹ مرتب کی جس کا خلاصہ یہ ہے۔

نرسنگھ پورہ، دموہ، کٹنی، کریلی گوٹے گاؤں، پتھریا اور سہرپا جیسے دیہوں چھوٹے چھوٹے قصبات اور دیہات میں بیک وقت حملہ شروع ہوا اور مسلم آبادیوں کو لوٹا جلایا گیا۔ نرسنگھ پورہ میں دو مسلمان شہید اور کچھ مجروح ہوئے۔ پتھریا میں دو سبزی فروش غریبوں کو تہ تیغ کر دیا سہروپا میں ایک مکان میں چھوٹے بڑے ستر نفوس کو چاروں طرف سے گھیر کر آگ لگا دی گئی۔ ان میں سے صرف ایک زخمی قاسم نامی کسی طرح بچ کر نکل سکا جو جبلپور کے ہسپتال میں ہے۔ سہروپا کا واقعہ ان تمام ہنگاموں میں شاید سب سے ہولناک بھیانک اور دل ہلا دینے والا واقعہ ہے جہاں ایک شیر خوار بچہ اپنی ماں سے لپٹا ہوا ہے اور یوں ہی دونوں جل کر راکھ ہو گئے ہیں۔ سنا ہے کہ جس انسان نے بھی یہ دلخراش منظر دیکھا ہے اپنا دل پکڑ کر رہ گیا ہے۔

ساگر میں قتل و غارت

خود ساگر شہر اپنی بربادی کے لحاظ سے جبل پور کے بعد دوسرے نمبر پر رہا۔ یہاں چھ تاریخ سے ہی طلبا نے جلوس نکالنے کی تیاریاں شروع کر دی تھیں لیکن حکام نے اس کی اجازت نہ دی تاہم زبانی چرچا کی بنیاد پر ۹ تاریخ کو شہر میں ہڑتال یقینی تھی۔ حالات کے تیور نیز ہی سے بگڑ رہے تھے چنانچہ دو مقامی ممبران اسمبلی نے آٹھ فروری کو بھوپال میں ڈپٹی ہوم منسٹر ڈکشت سے ملاقات کی اور حالات کی پوری رپورٹ دیتے ہوئے خطرہ سے خبردار کر دیا تھا۔ اس کے باوجود ساگر میں وہ سب کچھ ہوا جو نہ ہونا تھا ۹ تاریخ کو شہر کے بازار بند تھے۔ گیارہ بجے دن سے طلبا اور بلوائیوں کی ٹولیوں نے شہر میں گشت شروع کر رکھی تھی وہ کوتوالی کے سامنے سے بھی گذریں لیکن پولیس نے کوئی تعرض نہیں کیا۔ ہمیں معتبر ذرائع سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اسی روز صبح کی ٹرین سے ۱۲ بجے کے قریب شہر پر منڈلاتے ہوئے بلوائیوں نے چلتے پھرتے حملے شروع کر دیئے اور تیزی کے ساتھ اقلیت کی آبادیوں میں آگ لگانی شروع کر دی۔ یہاں تک کہ چار پانچ گھنٹے میں ایک سو سے زائد مکان اور دکانیں آگ کی لپٹوں میں گھر چکے تھے جن میں سے کوئی بھی نہ بچایا جا سکا۔ جامع مسجد کے جنوبی پہلو میں پولیس چوکی ہے، دیکھتے ہی دیکھتے جامع مسجد کے جنوبی اور مشرقی جانب کی تمام ہی دکانیں جل کر راکھ ہو گئیں۔

ہولناک تھا اور اس کے نتیجہ میں اقلیت کی زندگی چکنا چور ہو کر رہ گئی بچہ نہ صرف جبلپور میں بڑے پیمانہ پر قتل وغارت گری کی یہ تیاریاں کی گئیں بلکہ اس مرتبہ پروگرام کو اور زیادہ وسعت دی گئی اور ایسا اہتمام کیا گیا کہ جبل پور سے باہر بھی ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو سو میل تک بغاوت و سرکشی کا یہ سیلاب پھیل سکے۔ چنانچہ ۷ فروری کو جبل پور سے باہر بیک وقت دوسرے شہروں قصبوں اور دیہات میں یہ سکیم بروئے کار لائی گئی

قیامت کی رات

جبل پور کی اقلیتی آبادی پر یہ رات گویا قیامت کی رات گذر رہی، جابجا بجلی پہلے ہی فیل کر دی گئی تھی کیسی بھیانک اور منظم چڑھائی تھی کہ ہر طرف آتش زنی، لوٹ مار مار دھاڑ کا بازار گرم تھا، دہشت زدہ عورتوں اور بچوں کی چیخ و پکار سے ایک کہرام بپا تھا۔ اقلیت کے بعض نمایاں افراد کا بیان ہے کہ ڈیڑھ گھنٹہ مسلسل پولیس اور حکام کو ٹیلیفون کھڑکھڑائے گئے مگر بے سود۔

بلوائیوں نے ایک نیا ستم یہ ایجاد کیا کہ خود ہی تکبیر کے نعرے لگائے جاتے تھے اور حکام کو دھوکا دیتے جاتے تھے کہ دوسری جانب سے حملہ ہو رہا ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ سرکاری رپورٹیں اقلیت کو بھی حملہ آور بتا سکیں۔

غرض یہ کہ اس رات کی غضب ناکیوں نے اقلیت پر کاری ضرب لگائی اور اس کے ہزارہا افراد اپنے گھروں سے برباد ہو کر دوسرے محلوں میں پناہ گزین ہو گئے بعض مسلم آبادیوں میں رہنے والے اکا دکا غیر مسلم بھی احتیاط کے خیال سے اپنے گھروں کو چھوڑ گئے تھے جو آج تک بھی بالکل محفوظ ہیں اور ان پر کسی نے دست درازی نہیں کی۔ ۹ فروری کو ریاست کے وزیر اعلےٰ نیز آئی جی پولیس رستم جی پھر جبل پور پہنچے اور تمام فساد زدہ علاقوں کا دورہ کیا۔ وہ سینکڑوں مکان اور دکانیں جن میں آگ لگائی گئی تھی اب تک راکھ کا ڈھیر ہو چکی تھیں۔ اس کے بعد شہر میں امن وامان بحال کرنے کے لیے بڑے پیمانہ پر کوشش شروع ہوئی اور آخر کار حالات بہتر ہوتے گئے۔

ساگر

۹ فروری کو دن کے بارہ بجے سے ایک ہی تاریخ میں اور ٹھیک اسی وقت ساگر

نے دیکھا اور خوب دیکھا۔

عمالِ حکومت

اس تمام لاقانونیت اور غدر و آفت کا مجرم تیسرے درجہ میں وہی طبقہ ہے جس کے ہاتھوں میں امن و قانون کی باگ ڈور ہے اور جس نے ہر دوسرے موقعہ کی طرح جبل پور سے ساگر تک بھی قانون کی دھجیاں بکھرنے کا تماشا دیکھا اور لطف اندوز ہوئے۔

ایک طرف ایک خاص فرقہ کے حملہ آوروں کے ساتھ حکام کی یہ سہل انگاری دیکھئے اور پھر ۴ فروری کے بعد، ۷ فروری کو جب اقلیت کو تہس نہس کر دینے کے لئے منظم چنگیزی یلغار ہوئی ہے اور پولیس موقعہ واردات پر پہنچی ہے تو پھر مظلوموں اور برباد اقلیت کے ساتھ اس نے فرعونیت تشدّد اور سخت گیری کے جو کرتب دکھائے اس کا بیان سننے کے لئے بھی بڑی ہمت و جگر درکار ہے۔ جبل پور میں مسماۃ تاج بی بی جو آج بھی موجود ہے اس کی گود سے ایک ننھے بچہ کو چھین کر خود پولیس کے ایک کارکن نے زمین پر پٹخا اور پیروں سے روند کر اسے ہلاک کر ڈالا ہم نے جبل پور کی اس رات میں پولیس کے کردار پر ایک عورت کا بیان بھی نظر انداز کر دیا اور بیسیوں زخمیوں، بوڑھوں۔ پردہ نشین عورتوں کی شہادتیں بھی نہ مانیں۔ جنہوں نے پولیس کی گالیاں، لاٹھیاں، جوتے اور مکے کھائے اور آہ بھی نہ بھر سکے تب بھی سینکڑوں مکانوں کے خاموش در و دیوار کی شہادت کو کیسے جھٹلایا جا سکے جن میں ۷ فروری ۱۹۶۱ء کو آگ بھڑکائی گئی تو تین دن تک وہ جلتے ہی رہے یہاں تک کہ ان کا کوئی گوشہ بھی سلامت نہ رہ سکا۔

جو بیسیوں دکانیں کرفیو کے اوقات میں لٹی ہیں آخر وہ پولیس کے رویہ پر کیا گواہی دے رہی ہیں۔ کیا جبل پور کی بربادیوں کو دیکھ کر ایک انسانی دماغ اس کے سوا بھی کوئی نتیجہ اخذ کر سکتا ہے کہ اتنے وسیع اور مکمل پیمانہ پر یہ سب کچھ تب ہی ہو سکتا تھا کہ اس کے کرنے والوں کو پوری آزادی اطمینان اور مہلت میسّر تھی۔

کیا ناگہانی اور اتفاقی طور پر کسی طرح بھی اتنی عظیم الشان تباہی لائی جا سکتی ہے؟ پھر نہ صرف جبل پور بلکہ ساگر، نرسنگھ پور، دموہ اور سر برباد شدہ بستی میں مقامی

جانی ومالی نقصانات

جبل پور ساگر اور دوسرے ملحقہ قصبات میں فتنہ انگیزوں نے بہت ہی تھوڑے وقت میں اس قدر وسیع اور بھیانک تباہی مچائی جس نے گزشتہ بارہ سال کے تمام ہنگاموں کو مات کر دیا ہے۔ اس تمام شورش اور بدامنی میں کس قدر جانی اور مالی نقصانات ہوئے ہیں ہمارا یہ خیال ہے کہ بہت جلد اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ سرکاری رپورٹوں میں ہلاک و مجروح ہونے والوں کی جو تعداد بیان کی گئی ہے ظاہر بات ہے کہ وہ وقتی اور سرسری رپورٹوں سے ماخوذ ہے، کتنے ہی زخمی اور مقتول ایسے ہیں جو سرکاری ریکارڈ میں نہیں آسکے، اس لئے سرکاری اعداد و شمار اس سلسلہ میں قطعاً بے حیثیت ہیں۔

بتایا گیا ہے کہ بہت سے بچے اور بے زبان نونہال خود پولیس کے ہاتھوں زخمی ہوئے ہیں۔ اسی طرح مالی نقصانات کا بھی کوئی ٹھکانہ نہیں۔

اسباب

جہاں تک ان ہنگاموں کے اسباب و عوامل کا تعلق ہے یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ ہنگامے ایک شرمناک، انفرادی واقعہ کے بعد جبل پور سے شروع ہوئے جس کو جبل پور کے بعض ہندی اخبارات نے نہایت بھیانک اور اشتعال انگیز انداز میں شائع کیا اور شہر میں اخبارات کے پھیلتے ہی ایک آگ سی لگ گئی۔ ۴ فروری کے مختلف اخبارات کو دیکھنے سے صاف طور پر نظر آتا ہے کہ اس شخصی واقعہ کو ایک مورچہ بنانے کے لئے کس طرح پیش کیا گیا۔ نہ صرف اُس روز بلکہ اس کے بعد بھی ان اخبارات کی اشتعال انگیزی برابر جاری رہی اور حالات کا اس پر بہت بُرا اثر ہوا۔

ہندی پریس کے ہاتھوں فتنہ و فساد کی اس تخم ریزی کے بعد دوسرا انیکٹر جس نے تخریب و تدبیر کے ذہنی منصوبوں کو عملی جامہ پہنایا سکولوں اور کالجوں کے طلباء کا فتنہ ہے۔ ۴ فروری کی صبح کو دو گھنٹے بھی گزرنے نہ پائے تھے کہ جبل پور کے طلباء اپنی اشتعال انگیزیوں اور فتنہ سامانیوں کے ساتھ گھروں سے نکلے اور شہر میں پھیل گئے شہری عوام کی شاید ہی کچھ تعداد ان کے ساتھ ہو۔ ورنہ پھر جو کچھ ہوا ان ہی "معصوموں" کی ایک انگڑائی تھی جس کا تماشا عمال حکومت اور لا اینڈ آرڈر کے نا اہل امانتداروں

مولانا شاہد فاخری کے مشاہدات

رقت انگیز، زہرہ گداز، روح فرسا

مولانا شاہد فاخری الہ آباد کے بلند پایہ عالم جمعیتہ علما کے رکن رکین اور یوپی اسمبلی کے کانگرس پارٹی کے ممبر ہیں۔ مولانا نے جبل پور وغیرہ کا دورہ کیا اور ذیل کی درد بھری کہانی اپنے ساتھ لائے جس کے جستہ جستہ حصے درج ذیل ہیں۔

ایڈمنسٹریشن اس سے بہتر کوئی کردار پیش نہ کر سکا اور اس لئے ہمیں شبہ ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ فتنہ انگیزی کی سکیموں میں پہلے ہی سے حکام کی آشیرواد شامل حال رہی ہو۔

مسجدوں پر حملہ

مسجد پر حملہ کرنے کے لئے جب بلوائی جمع ہوئے تو اس ناقابل برداشت حالت پر ان مسلمانوں کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے جو وہاں پر جمع ہو گئے تھے۔ بلوائیوں کی حرکتیں بڑھتی جا رہی تھیں۔ بیتاب ہو کر مجسٹریٹ اور کوتوال وغیرہ سے جو یہاں کچھ پولیس والوں کے ساتھ کھڑے تھے مسلمانوں نے کہا کہ اگر آپ اور پولیس بالکل بے بس ہیں تو سامنے سے ہٹ جائیے ہم خود اپنے کو اور مسجد کو بھی بچالیں گے خدا را۔ آپ تکلیف نہ کریں۔ ہمیں بلوائیوں سے نپٹ لینے دیں۔ اب حکام اور پولیس کو حکومت کا جوش آیا خونخوار آنکھیں نکال کر مسلمانوں کو ڈانٹا اور پیچھے دھکیل دیا اور فرمایا کہ جاؤ اپنے گھروں میں جا کر بیٹھو سب ہو جائے گا۔ مگر کتاب اللہ اور خانہ خدا کی بے حرمتی دیکھ کر بے چین مسلمانوں کا ایک طبقہ سر ہتھیلی پہ رکھ کر سینہ سپر ہو گیا۔ اس کا عزم دیکھ کر بلوائیوں کے قدم اکھڑنے لگے کئی منٹ تک آگے نہیں بڑھ سکے۔ مسلمان اب مردانہ وار مرنے کے قریب آگئے تھے اگر موقعہ ملتا تو یہ مسجد کی حفاظت بھی کر لیتے اور آگ بھی بجھا لیتے یہ دیکھ کو مجسٹریٹ اور پولیس والے جو کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے۔ ہوش میں آ گئے آگے بڑھے اور مسلمانوں کو دھکیل کر پیچھے ہٹا لے گئے۔ غالباً ڈی ایم بھی اس وقت موجود تھے۔ پولیس تھانہ یہاں سے بہت قریب ہے مگر مسلمانوں کو دھکیل کر سرکاری ملازم جلوس والوں کی حفاظت کرنے لگے۔ پھر مسجدوں کی بے حرمتی ہونے لگی اور دکانیں لٹنے لگیں۔

مسلمان عورتوں کی بے حرمتی

بلوائی عورتوں کو بھی کھینچ کر لاتے ۔ کمسن بچے اور بچیاں گھروں میں اور سڑک پر چیخ رہی تھیں مگر ہماری سیکولر گورنمنٹ کے حکام اور پولیس کے آدمیوں کا دل نہ پسیجا بلوائی ایک ٹولی میں اودمنی کی مسجد کے اندر گھس گئے ۔ مسجد جلنے لگی دوکانوں کے شعلے اٹھنے لگے ۔ قرآن کریم پھاڑے جانے لگے ۔ میں نے اس موقعہ کو بڑی دیر تک حیرت سے دیکھا اور کچھ گز کے فاصلے پر اودمنی کا دو منزلہ تھانہ ہے ۔ اس پر بیٹھے ہوئے اور نیچے کھڑے ہوئے افسران سکون سے دیکھتے رہے ، اسپیشل پولیس بھی موجود تھی مگر اس کی سنگینوں کے سایہ کے نیچے مسجدیں بھی اور دکانیں بھی برباد ہوئیں ۔

مسجد کی دکانوں میں ایک بڑی دکان عمدہ چمڑے کی تھی ۔ لاکھ روپے سے زیادہ کا مال اس میں تھا اس کے مالک کریم علی قاسم علی تھے ۔ اس کی ایک ایک چیز لوٹی گئی ، جلائی گئی اور اس کے اندر کی آگ آٹھ دس دن کے بعد پولیس کے آنے پر مکمل طور پر بجھی ۔ رستم جی نے ماتحتوں کو ڈانٹا ۔ تمہیں معلوم نہیں ۔ معلوم ہو تو اتنی کھلی حرکت کا کیا جواب دو گے ؟ تب کچھ ہوا ۔ اسی دن رانی تال کے مسلمانوں کو بھی لوٹا گیا اور مارا گیا ۔ میت کے جلوس سے لوٹ کر پہلے مسلمانوں کے مکانوں میں آگ لگائی پھر تین مسلمانوں کو زخمی کر کے جلتی ہوئی آگ میں ڈال کر زندہ جلا ڈالا ۔

لیا — بچی مرچکی تھی — عورت کے حواس خراب ہوچکے تھے — پھر بھی بچی کو کلیجہ سے لگائے رہی - ۹ فروری کو بڑی مشکل سے اس کی گود سے لے کر بچی کو دفن کیا گیا۔

دوسرے دن تاج بی کے اسی برس کے بوڑھے باپ کو پولیس والوں نے بے انتہا مارا۔ اور اس کے بھائیوں سمیت لے جا کر جیل میں بند کر دیا۔ تاج بی بی کو کچھ دنوں کے بعد کلکٹر نے ڈیڑھ سو روپیہ سرکاری امدادی فنڈ سے دے کر اس کے انگوٹھے کا نشان لے کر اس کا بیان لکھ لیا گیا۔

اس واقعہ کو حکام نے چھپانے کی بہت کوشش کی مگر یہ مشہور ہوتا ہی رہا۔

معززمسلمانوں کی ذلت

مسلم معززین کو چن چن کر مارا گیا۔ مسٹر حنیف انصاری بی اے آنرز ایم اے کو کوتوالی کی میٹنگ میں بلا کر لے گئے بعد کو بہت ذلیل کیا اور بھرے مجمع میں گالیاں دیں اور پھر بھگا دیا۔ پھر کچھ دیر کے بعد لے گئے اور رات بھر کوتوالی میں رکھا۔ سخت سردی کی حالت میں زمین پر بٹھایا گیا۔ چشمہ، فونٹن پن، گھڑی اور نقدی سب چھین لی۔ گورنمنٹ کی دی ہوئی سند بھی چھین لی جو پولیس کا آدمی ان کے قریب سے گزرتا تھا تھپڑ مارتا اور ڈنڈے ان کو تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد مارتا تھا۔ یہ شغل رات بھر رہا۔

میں نے کلکٹر اور کمشنر سے خود کہا لیکن معلوم نہیں ان کی چیزیں واپس کی گئیں یا نہیں۔

جرم تھا کہ وہ گرفتار کر لئے گئے ۔ تفصیلات کہاں تک لکھوں ۔ دن بھر مسلمان پٹتے رہے مسلمان عورتیں اور بچیاں مار کھاتی رہیں ۔

پولیس کی خصوصی کارفرمائیاں

ٹھیک جس وقت مسلمانوں کے مکان جلائے اور لوٹے جا رہے تھے اسی وقت پولیس نے مسلمانوں کی تلاشیاں لینا شروع کر دیں ۔ لوگوں کو کھینچ کھینچ کر گھر سے نکالا اور جیل لے گئے مگر آتش زنی کا کوئی سامان مسلمانوں کے گھروں سے نہ نکلا ۔ حملہ کے وقت میونسپلٹی کے کھمبوں میں بڑے بڑے پاور کے بلب لگا دیئے گئے جس سے مسلمانوں کے گھر آسانی سے پہچانے گئے سوا نو بجے رات کو حملہ کے وقت سنکھ بجائے جا رہے تھے تھالیاں پیٹی جا رہی تھیں اور خود بلوائی اللہ اکبر کے نعرے لگاتے جا رہے تھے اور خود ہی چلاتے جا رہے تھے ۔ کہ سینکڑوں ہندو مارے گئے ۔ اس شور کو سن کر بہت سے مسلمان گھبرا کر بچوں اور عورتوں کو لے کر گھروں سے باہر نکل آئے اور بعض جان سے مارے گئے ہندوؤں کے مکانوں میں جلتی ہوئی مشعلیں دکھائی دیں ۔ اسی وقت فقیر محمد اور شاہ محمد اور شاہ صاحب کے مکانات جلے اور این ایم شاہ ایڈووکیٹ کے آفس کو جلایا اور لوٹا گیا ۔ بلوائی ایک بندوق بھی اٹھا کر لے گئے اور پھر آگ لگا کر ۷۰ ہزار کتابیں جلا ڈالیں ۔ دھوئیں سے جب عورتوں اور بچوں کا دم گھٹنے لگے تو پولیس والوں نے کہا چلو تم کو دوسرے مسلم محلہ میں پہنچا دیں ۔ جب آدھی فیملی باہر آ گئی تو حملہ کر دیا ۔

تاج بی بی

دکھیاری ماں کی دلدوز کہانی

میں نے ایک غریب عورت تاج بی بی کو بے خود دیکھا ۔ اس کی گود میں ڈیڑھ دو برس کی بچی تھی ۔ عورت کو دھکا دیا تو بچی گود سے گر پڑی تاج بی بی نے لپک کر اٹھا لیا ۔ ایک پولیس والے نے اس کی گود سے بچے کو چھین کر زمین پر ٹپک دیا ۔ بچی کی ایک آواز ۔ اماں ۔ نکلی اور دم توڑنے لگی ۔ تاج بی بی نے پھر گود میں اٹھا

پریس ٹرسٹ آف انڈیا کی خبر مظہر ہے کہ

کانگریس پارلیمانی پارٹی کی چار ارکان پر مشتمل کمیٹی نے جبل پور کے حالیہ فرقہ وارانہ فسادات کی موقع پر تحقیقات کرنے کے بعد اس الزام کی تائید کی ہے کہ فسادات اتفاقیہ نہیں ہوئے تھے بلکہ منظم طور پر کئے گئے تھے۔ ٹائمز آف انڈیا میں شائع شدہ ایک اطلاع کے مطابق کمیٹی نے جو تحقیقات کی ہے اور جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ اس کے بارے میں متفقہ رائے رکھتی ہے۔ یہ کمیٹی گیانی گورمکھ سنگھ مسافر مسٹر الضاری ہریانوی۔ ڈاکٹر سوشیلا نائر اور مسٹر ہریندر موہن گھوش پر مشتمل تھی۔ کمیٹی نے اس سلسلہ میں اپنی رپورٹ بھارتی وزیر اعظم پنڈت نہرو کو پیش کر دی ہے مذکرہ اطلاع میں بتایا گیا ہے کہ پنڈت نہرو کو ان فسادات کے بارے میں دو اور رپورٹیں بھی ملی ہیں جو مسز اندرا گاندھی اور کانگریس کے صدر مسٹر سنجیوا ریڈی نے پیش کی ہیں۔

چار رکنی پارلیمانی کمیٹی نے اکیس صفحات پر مشتمل اپنی رپورٹ میں مقامی حکام پر الزام عائد کیا ہے کہ وہ فسادات کی شدت کے لئے ذمہ دار ہیں اور وہ صورتحال پر قابو پا کر اقلیتی فرقہ کی حفاظت کرنے میں ناکام رہے ہیں۔

یقین کیا جاتا ہے کہ کمیٹی نے خفیہ پولیس پر بھی کڑی نکتہ چینی کی ہے۔ کمیٹی نے کہا ہے خفیہ پولیس اپنے فرائض کی بجاآوری میں بری طرح ناکام ہوئی ہے۔ اگر وہ مستعدی سے کام لیتی تو خاصی حد تک فسادات کو روکا جا سکتا تھا — بیان کیا جاتا ہے کہ جبل پور میں مسلمانوں کی آبادی تیس اور چالیس ہزار کے درمیان ہے۔ کمیٹی نے رپورٹ

کانگریس پارلیمینٹری پارٹی کی رپورٹ

منظم فسادات اور حکام کی غفلت شعاری کا اعتراف

مرکزی اسمبلی (لوک سبھا) کی کانگریس پارلیمینٹری
پارٹی کے وفد نے اپنے مشاہدات کی رپورٹ
بایں الفاظ پیش کی

جمیعتہ علما ہند

اور

زعمائے جمیعتہ کے ناقابل فراموش کارنامے

میں اس بات پر زور دیا ہے کہ اقلیتی فرقہ میں اعتماد اور تحفظ کا احساس پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ فوری طور پر سخت اقدامات کئے جائیں۔

کمیٹی نے رپورٹ میں ان سرکاری اطلاعات کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ سینکڑوں مسلمان فسادات کے دوران جبل پور چھوڑ کر محفوظ مقامات پر چلے گئے ہیں، تجویز پیش کی ہے کہ حکومت دوسرے فرائض سے غفلت برتنے والے افسروں کے تبادلے کے لئے فوری احکام صادر کرے۔ کمیٹی نے اس بات پر زور دیا ہے کہ فساد زدہ لوگوں کو امداد بہم پہنچانے کے کام کی رفتار تیز کی جائے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اقلیتی فرقہ کے لوگوں میں اعتماد اس وقت تک بحال نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ حکومت ایسے افراد کو جن کے ذرائع معاش ان سے چھن گئے ہیں۔ ان کو دوبارہ روزگار فراہم کرنے کے لئے اقدامات نہ کرے۔

گزشتہ صفحات میں جو مواد پیش کیا گیا ہے اس کی روشنی میں ضروری ہے کہ مولانا حفظ الرحمٰن اور جمعیۃ کی کارکردگی کو بھی زیرِ نظر رکھا جائے ـــ گو مختصر طور پر سہی ۔

ملاحظات

تقسیم ہند کے بعد بھارت میں مسلم لیگ موجود تو ہے. لیکن اب اسے وہ اہمیت اور عظمت حاصل نہیں ہے جو تقسیم سے پہلے تھی. نہ اس کی آواز ایوان حکومت میں سنی جاتی ہے نہ اسے مسلمانوں کی سیاسی تنظیم کی سہولتیں حاصل ہیں.

جمیعتہ علما ہند شروع سے کانگرس کا ساتھ دیتی رہی تھی اس لئے وہ زیادہ ہمت اور جرأت کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کر سکتی ہے.

جمیعتہ کا یہ پہلو خاص طور پر قابل ذکر ہے اور قابل فخر ہے کہ اس نے کانگرس کا ساتھ دینے کے باوجود اس کے تابع مطلق کی حیثیت اختیار نہیں کی اس نے اپنی آزادئ فکر، اسلامیت اور خدمت اسلام کی شان قائم رکھی. اس نے کانگرس یا حکومت کو خوش کرنے کے لئے نہ مسلمانوں سے غداری کی نہ اپنے ضمیر سے جب مسلمانوں پر کوئی ستم ٹوٹا وہ پوری ہمت اور خود داری کے ساتھ میدان میں اتر آئی

جمیعتہ کی یہ کارفرمائیاں رہین منت تھیں. مولانا حفظ الرحمٰن کی. وہ بجا طور پر اپنے عرفانی کارناموں پر مجاہد ملت کہلانے کے مستحق ہیں. انہیں نہ وزارت مطلوب ہے نہ اقتدار و اختیار. وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو وہی حقوق حاصل ہوں جو دستور ہند نے انہیں دیئے ہیں، اور اس سلسلے میں وہ کسی کی خوشی کی پرواہ کئے بغیر اعلاء کلمۃ الحق کا فریضہ برابر ادا کرتے رہتے ہیں۔

پارلیمنٹ میں

مولانا حفظ الرحمٰن کی ایک معرکۃ آرا تقریر

۱۲ فروری ۱۹۶۱ء کو مولانا حفظ الرحمٰن ناظم جمیعۃ علماء ہند نے مدھیہ پردیش کے خونچکاں حوادث و واقعات پر ایک جرأت آموز اور معرکہ آرا تقریر کی جس کے خاص خاص حصص یہ ہیں۔

صدرِ مملکت سے شکوہ

جبل پور میں ۳ فروری سے ہنگامے شروع ہو گئے تھے۔ جو مدھیہ پردیش کے مختلف مقامات، ساگر، نرسنگھ پور، سروپا اور دموہ وغیرہ میں ۹ فروری تک جاری رہے۔ ان میں آگیں لگائی گئیں اور جان و مال کا زبردست نقصان ہوا لیکن افسوس ہے کہ صدر کے ایڈریس میں جو ۱۴ فروری کو پڑھا گیا اس میں ایک سطر بھی ان واقعات کے بارے میں نہیں آئی جس سے آئندہ تخریب پسندوں کی ہمت شکنی ہو سکتی۔

اب سیکولر حکومت کے لئے اس سے زیادہ ندامت کی کوئی اور بات نہیں ہے کہ فرقہ پرستی جاری رہے اور ہم اسے روک نہ سکیں ـــ اسی ایوان میں کہا گیا ہے کہ اگر ایکشن ہوگا تو اس کا ری ایکشن ردِ عمل بھی ہوگا۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلم کمیونٹی کا کوئی آدمی کچھ کرے گا تو اس کا نتیجہ پوری کمیونٹی کو بھگتنا پڑے گا

ہاؤس کا فرض ہے کہ وہ اس صورت حال کو روکے۔ مجھے افسوس ہے کہ یہاں ناگپور ٹائمز کا حوالہ دیا گیا۔ مسٹر جا جیلی نے ناگپور ٹائمز سے اقتباس پڑھا تھا جس میں مدھیہ پردیش کے مسلمانوں کا پاکستان سے جوڑ ملا دیا گیا تھا لیکن اسٹیٹسمین ٹائمز آف انڈیا اور ہندوستان ٹائمز کے حوالے نہیں دیئے گئے جس میں صاف طور سے مسلم اقلیت کی یک طرفہ تباہی کی تفصیلات شائع ہوئی ہیں۔

صدر پاکستان کی تقریر

صدر پاکستان جنرل ایوب خاں نے جو کچھ کہا اس کا ذکر کیا جاتا ہے بے شک وہ ہمارے معاملات میں دخل نہ دیں۔ ہمارے اندر از خود اتنی طاقت ہے کہ ہم اپنے مسائل حل کر سکتے ہیں۔ جنہوں نے آزادی کی جنگ میں جان کی بازی لگائی۔ ایک قوم بنائے رکھنا کے لئے جیلیں کاٹیں۔ اپنوں ہی کی گالیاں کھائیں اور رچا تو کھائے، وہ اپنے تحفظ کے لئے بہت کچھ کر سکتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جب مسلم اقلیت کی کوئی بات سامنے آئے تو پاکستان ریڈیو کا حوالہ دیا جائے اس کا جوڑ پاکستان کے ساتھ ملا دیا جائے۔ اس طرح آپ کسی اقلیت کی آواز کو دبا نہیں سکتے اور ہمیں ایسی باتوں سے مرعوب نہیں کر سکتے۔ اس طرح اگر آپ حقیقتوں کو دبانے کی کوشش کریں گے تو اس میں ملک کا شدید نقصان ہوگا اگر کسی جگہ مسلم اقلیت پر زیادتی ہوتی ہے تو فوراً اس کا منہ بند کر دینے کے لئے پاکستان کے ساتھ گٹھ جوڑ لگا دیا جاتا ہے۔ لیکن اس طرح نہ تو حقیقت چھپ سکتی ہے نہ منہ بند ہو سکتے ہیں۔

یکطرفہ نقصان

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ان تمام ہنگاموں میں یکطرفہ نقصان ہوا اور مسلم اقلیت کو تباہ و برباد کیا گیا۔ ۹ فروری کو ساگر، کٹنی، دموہ اور سروپا وغیرہ میں مکانات جلا کر راکھ کر دیئے اور اطمینان کے ساتھ یہ آگیں لگائی گئیں۔ پہلے پٹرول چھڑکا گیا اور پھر ان مکانات کو نذر آتش کر دیا گیا۔

مسلمانوں کے ہاتھ میں ایک بیڑی کی تجارت تھی اس کو بھی برباد کر ڈالا گیا۔ بڑے

بڑے کاروباری ادارے ختم کر دیئے گئے۔ ایک مشہور بیڑی والے کا لے خاں محمد حنیف کو ۱۲ لاکھ روپے کا نقصان پہنچایا گیا۔ اسی طرح فیروز آباد میں بھی چوڑی کی صنعت کو جو مسلم اقلیت کے ہاتھ میں تھی تباہ کیا گیا تھا۔ کیا ارادہ یہ ہے کہ مسلم اقلیت کو اقتصادی مار دی جائے۔ کیا یہ طے کر لیا گیا ہے کہ مسلمان جو پہلے ہی بدحال ہے اقتصادیات کے میدان میں اسے بالکل بھکاری بنا کر چھوڑ دیا جائے کیا حکومت بالکل بے بس ہے؟ وہ کچھ نہیں کرسکتی؟ بیک وقت تین اضلاع میں کیسے واقعات ہوئے؟ یہ بات غور طلب ہے۔

جمیعۃ کے بارے میں

جمیعۃ علما کے اجلاس اوجین کے بارے میں سیٹھ گوندداس جی نے ذکر کیا ہے اس اجلاس میں وہی کہا گیا ہے جو حقیقت ہے۔ جو قرار دادیں اس اجلاس میں منظور کی گئیں جو تقریریں کی گئیں ان سب کا میں ذمہ دار ہوں اس میں سیکولرازم کے خلاف کوئی بات بھی نہیں ہے۔ صرف شکائتیں کی گئیں اس بات کی کہ فرقہ پرست ابھرتے چلے جارہے ہیں۔ میرے دوست سیٹھ گووندداس اور مسٹر رگھوناتھ سنگھ وغیرہ اس بڑھتی ہوئی فرقہ پرستی کے خلاف نہ بولیں گے تو مجبوراً حفظ الرحمٰن کو بولنا پڑے گا۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ بڑھتی ہوئی فرقہ پرستی اور فرقہ وارانہ بنیاد پر ہونے والے ہنگاموں کی اعلےٰ پیمانہ پر تحقیقات ہو اور معلوم کیا جائے کہ حکومت کے نظام اور پولیس کے نظام میں کیا کمی ہے۔ جو لوگ ذمہ دار ہوں انہیں سزا دی جائے جو حکومت امن وانتظام قائم نہ رکھ سکے وہ حکومت نہیں ہے اور اسے نظم ونسق چلانے کا کوئی حق نہیں۔ مدھیہ پردیش کی حکومت اس بارے میں قطعی ناکام ثابت ہوئی ہے۔ اس کی ذمہ داری بالواسطہ مرکزی حکومت پر عائد ہوتی ہے۔

اعلانِ حق

لوک سبھا میں مولانا حفظ الرحمٰن کی حقائق آفریں تقریر

۲۹ مارچ ۱۹۶۱ء کی پارلیمنٹ میں وزارت داخلہ کے مطالبہ زر پر مباحثہ کے دوران میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے ایک حقیقت آفریں تقریر ارشاد فرمائی کہ شائد جو کان بہرے ہو چکے ہیں وہ سن سکیں۔

مولانا کی یہ تقریر خاصی طویل ہے لہٰذا اس کے خاص خاص حصوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

چیونٹی کی جان انسان سے زیادہ قیمتی ہے۔

آجکل کچھ ایسی زندگی ہو گئی ہے کہ ہر شخص یہ محسوس کرتا ہے کہ ملک میں ایک چیونٹی کی قیمت تو ہو سکتی ہے لیکن انسان کے جان و مال اور آبرو کی قیمت نہیں ہے یہ بات بہت خطرناک اور تکلیف دہ ہے اور اس بارے میں یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ اسٹیٹ گورنمنٹوں کا کام ہے کہ وہ اپنے اپنے مقاموں پر ان چیزوں کا لحاظ کریں۔ گورنمنٹ آف انڈیا کی منسٹری آف ہوم آفیسرز کی ہے اس کا فرض ہے کہ وہ اسٹیٹس کی منسٹریوں کے کام کو خاص طور پر چیک کرے وہ دیکھے کہ وہاں کس

کہ قانون ہاتھ میں لے کر قانون کا احترام مت کرو۔ لیکن یہ ضرور کہا گیا ہے کہ مایوس نہ ہو۔ ڈیمارلائیز نہ ہو۔ ڈوٹ کر ڈیفنس کرو۔ ایسا کرنا تمہارا حق ہے۔

میں پوچھتا ہوں کہ اس میں کون سی بڑی بات ہے جو لکھی گئی ہے۔ یہاں پر الجمیعتہ کے تراشے پڑھے جاتے ہیں۔ میرے پاس بھی بیسوں تراشے ہیں جن کو میں پڑھ کر سنا سکتا ہوں افسوس کہ وقت نہیں ہے۔

کیا ہم فرقہ پرست ہیں؟

ہم سیکولر اسٹیٹ کو مانتے ہیں۔ ہم نے اپنی جانیں دی ہیں۔ آج کسی فرقہ پرست کو ملک سے کیسے محبت ہو سکتی ہے؟ جب انگریز کی گولیاں چل رہی تھیں تو یہ سب کنڈی اور کواڑ بند کئے بیٹھے تھے۔ آج ہو سکتا ہے کہ ان کو اپنے ملک سے محبت نہ ہو لیکن جنہوں نے ۳۲ء میں چاندنی چوک میں کھڑے ہو کر مسٹر علی سپرنٹنڈنٹ سے کہا تھا کہ گولی مار سکتے تو مار مگر آزادی کا عہد نامہ پڑھا جائے گا اور جو لوگ ملک کے لئے جیلوں میں سڑ سکتے ہیں ان سے زیادہ ملک کا دوست کون ہوگا؟ مگر آج وہ سارے فرقہ پرست ہیں۔ ان کے اخبار فرقہ پرست ہیں اور وہ لوگ جو کانگرس یا نیشلسٹ جماعتوں کے صدقے میں اس آزاد ملک میں بیٹھے ہیں اور ہمیشہ فرقہ پرستی برتتے رہے ہیں وہ الٹے دوسروں کو بدنام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر یہ سب کیوں ہے؟ مجھے ان سے شکایت نہیں ہے ہوم منسٹری سے شکایت ہے۔ مجھ کو اس کی شکایت ہے کہ اسٹیٹوں کے اندر جو ہوم منسٹر آپ مقرر کرتے ہیں ان کے کام کو دیکھا نہیں جاتا۔ اسٹیٹ کے اندر اگر آپ لا اینڈ آرڈر کی ذمہ داری کسی کو دیں تو آپ کو چیک کرنا ہوگا کہ وہ صحیح طور پر عمل کر رہا ہے یا نہیں۔ ساری ذمہ داری آپ کے اوپر ہے۔ اسٹیٹ کے اوپر نہیں۔ اگر اسٹیٹ گورنمنٹیں اس طرح کرتی ہیں تو وہاں کانگرس کی گورنمنٹیں ہیں ان کا فرض ہے کہ وہ اخلاقی طور پر وہاں سے مستعفی ہوں اور اگر استعفےٰ نہ دیں تو آپ ان کو اس کرسی سے ہٹا کر کہیں کہ وہ اس قابل نہیں ہیں کہ ذمہ داری لے سکیں۔

طرح سے کام ہو رہا ہے؟ اور لوگ اپنے جان و مال کے بارے میں کیوں یہ محسوس کرتے کہ آج ہم آزاد ہیں اور محفوظ نہیں ہیں؟ میں حفظ الرحمٰن ہونے کی حیثیت سے گناؤں کہ پچھلے تیرہ چودہ برس میں کتنے فسادات ہوئے ہیں —— اور ان فسادات میں اقلیتوں کا اور خاص طور پر مسلم اقلیت کا کتنا نقصان ہوا ہے؟ کتنی تباہی ہوئی ہے؟ تو یہ ایسی چیز ہے کہ جبل پور اور ساگر نے اس کو بالکل ننگا کر دیا ہے۔

نا اہل وزیر مستعفی ہوں

ہمارے سامنے محترم شری لال بہادر شاستری کی مثال موجود ہے جب وہ ریلوے وزیر تھے تو کئی بار ایکسیڈنٹس ہوئے تھے جس طرح سے کہ اور منسٹر صاحبان کے زمانے میں ہوتے رہتے تھے لیکن ایک سخت ایکسیڈنٹ ہو جانے کے بعد انہوں نے اپنے آپ استعفیٰ دے دیا۔ انہوں نے محسوس کیا کہ میں ذمہ داری کے ساتھ کام کرنے کی کوشش میں اگر عام طور پر کامیاب نہیں ہوں تو مجھے اس جگہ پر نہیں بیٹھے رہنا چاہیئے۔

لیکن بڑے بڑے فسادات ساگر میں دموہ میں، کٹنی میں جبل پور میں ہو جائیں اور جو منسٹر ہیں وہ اسی طرح بیٹھے رہیں، کرسیوں پر قائم رہیں۔

الجمعیۃ پر اعتراض

کبھی الجمعیۃ کے پرچہ میں سے پڑھ کر سنا دیا جاتا ہے اس اخبار نے کیا لکھا ہے؟ یگ دھرم کا کوئی قصور نہیں ہے۔ آرگنائزر کا کوئی قصور نہیں ہے اس قسم کے اخبارات جو مسلمانوں کو انتہائی طور پر ذلیل کرتے رہتے ہیں پاکستانی بتاتے رہتے ہیں اور صاف لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے تو یہاں کوئی کوئی جگہ نہیں ہے ان کے رہنے کے لئے کوئی مقام نہیں ہے ان کو یہاں نہیں رہنا چاہیئے اور اسی طرح جن اخبارات میں قتل تک کی دھمکیاں لکھی رہتی ہیں، ان کا کوئی جرم نہیں ہے لیکن الجمعیۃ کا پرچہ یہاں پڑھ کر سنا دیا جاتا ہے میں پوچھنا چاہتا ہوں کیا لکھا ہے اس میں؟ اتنا ہی تو لکھا ہے کہ —— جب تم تباہ و برباد ہو رہے ہو تو قانون کا احترام کرتے ہوئے اپنی جگہ پر ڈٹ کر رہنے کے لئے جتنا مقابلہ کر سکتے ہو کرو —— اس میں یہ نہیں کہا گیا ہے

پر ایک زبردست طمانچہ ہے جو آئے دن یہ کہا کرتے ہیں کہ جمعیتہ علماء ہند اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا مسلمانوں پر کوئی اثر نہیں ہے۔ اس شدید اور بے رحم موسم میں ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے (سوا آسام، کیرال اور اڑیسہ کے) نمائندہ مسلمان تقریباً چھ سو کی تعداد میں آ کر اکٹھا ہوئے جن میں ہر طبقہ اور ہر سیاسی خیال اور عقیدہ کے لوگ تھے اور ہر ایک کو آزادی کے ساتھ اظہار خیال کا موقع دیا گیا۔ کنونشن کی دو نشستیں سپرو ہاؤس اور سبجکٹس کمیٹی کے دو اجلاس کانسٹی ٹیوشن کلب میں منعقد ہوئے۔ ہر نشست میں کنونشن کے شرکاء نے پوری سرگرمی اور دلچسپی کا اظہار کیا اور شروع سے آخر تک اس کی کارروائیوں میں شریک رہے۔

مجلس استقبالیہ نے ہر صوبہ سے مجموعی طور پر چھ سو نمائندے بلائے تھے۔ جماعتی حیثیت سے کسی بھی پارٹی کو مدعو نہیں کیا گیا تھا بلکہ انفرادی حیثیت سے دعوت نامے بھیجے گئے۔ تقریباً ساڑھے چار سو نمائندے باہر سے آئے تھے اور خاص دہلی کے تیس بتیس نمائندے تھے۔ سپرو ہاؤس میں اس سے زیادہ نشست کی جگہ نہیں تھی۔ اس لئے وزیٹروں سے بھی معذرت کر دی گئی کیونکہ ہال میں صرف پانچ سو سے کچھ زیادہ افراد کے بٹھانے کی جگہ ملی تھی۔ سینکڑوں اشخاص کنونشن میں شرکت کرنے کے لئے بہت مضطرب تھے لیکن جگہ کی قلت کے سبب سے تعداد محدود کر دینا پڑی۔ راقم السطور کا اندازہ تو یہ ہے کہ اگر عام دعوت دی گئی ہوتی تو گرمی اور لو کے اس شدید موسم میں بھی کم از کم تین ہزار اشخاص باہر سے آ جاتے۔ اور خاص دہلی سے بھی کم سے کم دو ہزار لوگ شریک ہوتے۔

اجتماع کی نمائندہ حیثیت

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس غیر معمولی گرم موسم میں مدراس، آندھرا، میسور اور کیرالہ وغیرہ جیسے دور دراز مقامات سے لوگوں کا دہلی آ کر کنونشن میں شرکت کرنا اس بات کا ثبوت تھا کہ جبل پور کے سانحہ نے مسلمانوں کے لئے وہی کام کیا جو اب سے بیالیس سال پہلے امرتسر کے جلیانوالہ باغ کے حادثہ نے ہندوستان کو بیدار کرنے اور ہر ہندوستانی کے دل میں آزادی کی ایک نئی تڑپ اور گرمی پیدا کر دینے میں کیا تھا۔ مدھیہ پردیش کے چیف منسٹر ڈاکٹر کاٹجو سے ہر شخص بلا تفریق سخت بیزار تھا۔ مغربی بنگال کے مسلم

مسلم کنونشن

ایک یادگار اور تاریخی اجتماع

مولانا حفظ الرحمٰن کی مساعی جمیلہ سے دلّی میں ایک عظیم اور وسیع پیمانہ پر مسلم کنونشن کا انعقاد ہر طرح کی درانداز یوں اور مخالفتوں کے باوجود ہوا۔

مسٹر انیس احمد عباسی ایڈیٹر روزنامہ حقیقت لکھنؤ نے اس اجتماع میں شرکت کی تھی اور اپنے تاثرات وچشم دید حالات ایک رپورٹ کی صورت میں مرتب کرکے ۱۷ رجون ۱۹۶۱ء کی اشاعت میں شائع کئے تھے جو درج ذیل ہیں۔

دہلی ۱۳ رجون۔ دارالحکومت ہند کی سرزمین پر سپرو ہاؤس میں ہندوستان کے پانچ کروڑ مسلمانوں کا جو اجتماع ۱۰ اور ۱۱ جون کو ہوا وہ یقیناً ایک اہم تاریخی واقعہ ہے۔ تقسیم کے بعد ۱۹۴۸ء میں امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی صدارت میں جو آل انڈیا مسلم کانفرنس لکھنؤ میں ہوئی تھی یہ اجتماع اسی کی مثال تھی اور اس کی کامیابی کا تمام تر سہرا حجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ممبر پارلیمنٹ کے سر ہے جن کی شبانہ روز جد وجہد اور کوششوں سے مسلمانوں کا اتنا بڑا اور ایسا نمائندہ اجتماع منعقد ہو سکا۔ اس کنونشن کی وجہ سے کئی روز تک دہلی کے مسلم حلقوں میں ایک خاص بیداری اور چہل پہل رہی اور ہر شخص اس کا خواہشمند تھا کہ کم سے کم بحیثیت وزیٹر ہی کے اس کنونشن میں شریک ہونے کا موقع مل سکے۔ بقول ایک ڈیلی گیٹ کے یہ کنونشن ان مسلم فرقہ پرستوں کے منہ

نمائندوں نے اپنی تقریروں میں خصوصیت سے ڈاکٹر کاٹجو کے خلاف انتہائی غم وغصہ اور بیزاری کا اظہار کیا کیونکہ ڈاکٹر کاٹجو ہی مغربی بنگال کے گورنر تھے۔ جبکہ ۱۹۶۴ء میں کلکتہ اور اس کے اطراف کے مسلمانوں کو بے گھر کرنے کے لئے بُری طرح تباہ و برباد کیا گیا تھا۔ اس تاریخی اجتماع میں مختلف ریاستوں کے چیدہ نمائندوں کو پورا موقع دیا گیا کہ وہ آزادی اور صاف گوئی کے ساتھ اپنے یہاں کے مسلمانوں کے مصائب اور شکایات کو بیان کریں۔ عموماً تمام تقریریں بہت ہی سنجیدہ اور معتدل تھیں مگر راجستھان، مدھیہ پردیش اور مغربی بنگال کے دو چار نمائندے اپنے جذبات کو قابو میں نہ رکھ سکے۔ انہوں نے بعض گرم اور سخت باتیں کہیں لیکن کسی مقرر کو ٹوکا نہیں گیا۔ مسلمانوں کے نمائندہ ہونے کی حیثیت سے انہیں پوری آزادی کے ساتھ اظہار خیال کا موقع دیا گیا۔ مثلاً راجستھان (سابق ریاست الور) کے ایک جوشیلے مقرر نے کہا کہ اگر آئندہ جنرل الیکشن میں ہماری مسجدیں، خانقاہیں اور امام باڑے وغیرہ واگزار کر کے ہمیں واپس نہ کئے گئے تو راجستھان کا کوئی ووٹ کانگرس کو نہیں ملے گا یا مثلاً ساگر اور جبلپور کے ہولناک فسادات کے تذکرہ میں بار بار جلیانوالہ باغ کے قتل عام کا حوالہ دیا گیا مگر مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اور صدر کنونشن (ڈاکٹر سید محمود) کی خوش تدبیری اور برمحل مداخلت سے کسی وقت اور کسی موقع پر بھی کنونشن کی کارروائی میں مطلق کوئی بدمزگی پیدا نہیں ہوئی — برخلاف ازیں کشمیر کے ایک ممبر پارلیمنٹ مسٹر طارق کی خوشامدانہ تقریر کو ہر شخص نے ناپسند کیا اور انہیں تقریر ترک کر دینے پر مجبور کر دیا گیا۔

بعض قابلِ ذکر تقریریں

ڈاکٹر سید محمود (صدر کنونشن) اور مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب (صدر مجلس استقبالیہ) کے صدارتی خطبوں کے علاوہ بیشتر اصحاب نے اپنی تقریروں میں اعتدال، متانت اور سنجیدگی کو برابر ملحوظ رکھا مگر اس کے باوجود ان کی تقریریں نہایت ہی مدلل، موثر اور بڑی دل نشیں تھیں اس کا اعتراف دہلی کے سب سے بڑے جن سنگھی اخبار کو بھی کرنا پڑا کہ مسلمان مقررین نے کوئی اشتعال انگیز اور دلخراش بات اکثریت (ہندوؤں) کے خلاف نہیں کہی۔ مسلمانوں میں خود مولانا حفظ الرحمٰن صاحب

کے بعد سب سے موثر اور ذکر کے قابل تقریریں مسٹر بشین لوری وسابق وزیر بمبئی ا
مسٹر نورالدین بیرسٹر دہلی اور ڈاکٹر زیڈ احمد (کمیونسٹ لیڈر) نے کی تھیں بقیہ سیشن
میں صرف تین ہی صاحبوں نے تقریریں کیں اور ان تینوں صاحبوں کی تقریروں کو
سامعین نے بڑے شوق اور دلچسپی سے سنا اور بار بار تالیاں بجا کر مقررین کو ان کی
حق گوئی اور انصاف پسندی کی داد دی بمبئی کے پادری ولیمس اور دہلی صوبہ کانگریس
کے صدر شری پرجموہن کی تقریریں تو اس قابل تھیں کہ انہیں شارٹ ہینڈ میں
لکھ لیا جاتا لیکن کنونشن کے منتظمین شائد اس کا بروقت کوئی انتظام نہیں کر سکے
جبل پور کے پروفیسر مہیش پرشاد صاحب کی تقریر بھی بہت رواداری اور
معقولیت پسند تھی۔ موصوف نے ایمانداری اور صفائی کے ساتھ اس پروپیگنڈا کی تردید کی کہ
جبل پور میں خود مسلمانوں نے ہنگامہ اور فسادات کی ابتدا کر کے ہندوؤں کے مکانوں پر
حملے کئے۔ پروفیسر صاحب نے کہا کہ وہ خود فسادات کے زمانے میں جبل پور میں موجود
تھے یہ بالکل غلط اور بہتان ہے کہ مسلمانوں نے فساد کیا اور ہندوؤں پر حملے کئے۔ حالانکہ
کسی ہندو کا مکان نہ جلایا گیا اور نہ تباہ کیا گیا۔

مجاہد ملت کا سب سے بڑا کارنامہ

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دہلی مسلم کنونشن کی کامیابی تمام تر مجاہد ملت حضرت
مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ایم پی کی سعی اور کوشش کا نتیجہ تھی۔ اس کو موصوف کی سیاسی
و پبلک لائف کا سب سے بڑا کارنامہ کہنا چاہیئے۔ جون کے بے پناہ گرم موسم میں جبکہ ہوا
کا ہر جھونکا آتشدان کے شعلہ کی طرح جسم کو جھلسائے دیتا تھا۔ اور ہر طرف سے کنونشن
کے انعقاد کی شدید مخالفت ہو رہی تھی ملک کے گوشہ گوشہ سے پانچ سو سے زیادہ
نمائندوں کو جمع کر لینا یقیناً ایک بہت بڑا جہاد تھا جس کو سر کر لینا مولانا ہی کا کام تھا
مولانا کی دوسری اور نمایاں کامیابی یہ تھی کہ اگرچہ کنونشن میں مختلف الخیال
اصحاب اور تقریباً تمام سیاسی جماعتوں کے نمائندے انفرادی حیثیت سے موجود تھے
لیکن ہر معاملہ میں سب کی نظریں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ہی کی طرف اٹھتی تھیں۔ اور
موصوف کی رائے فیصلہ کن ہوتی تھی۔ خطبہ استقبالیہ کے علاوہ مولانا کی ... جنہیں
بڑی توجہ اور شوق کے ساتھ سنتے تھے جو بڑی مدلل اور جامع ہوتی تھیں جو ہر تجویز کی

صدر کانگریس کے تاثرات

اور

ارباب کانگریس کی سرگرمیاں

مخالفت یا تائید میں آخری ہوتی تھیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کنونشن نے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کو بہت زیادہ سر بلند کر دیا ہے اور اس عظیم الشان قومی خدمت کے اعتراف میں اگر موصوف کو مجاہدِ ملت بتا دیا گیا تو وہ اس اعزاز اور خطاب کے سو فیصدی مستحق ہیں۔

مسلمانانِ دہلی کی شاندار مہمان نوازی

دہلی کنونشن کے سلسلہ میں مسلمانان دہلی کی مہمان داری و مہمان نوازی بھی خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ جس جوش و خروش اور جس حوصلہ مندی کے ساتھ دہلی کے مسلمانوں نے اپنے مہمانوں کی خاطر و تواضع کی اور انہیں ہر طرح آرام و آسائش پہنچانے کی کوشش کی وہ بھی اس کنونشن کی ایک قابل ذکر خصوصیت تھی۔ دہلی کے میزبانوں نے مہمان داری کا ایسا بلند معیار قائم کیا ہے جس کی تقلید و تتبع کرنا دوسرے مقامات کے مسلمانوں کے لئے ایسی ہی قومی تقریبات کے موقع پر آسان کام نہیں ہوگا۔

مکرّر

یہ "مسلم کنونشن" مولانا حفظ الرحمٰن کے رفیع اور نا قابلِ فراموش کارناموں میں سے ایک ہے ۔۔ واقعہ یہ ہے کہ مولانا نے تقسیم ہند کے بعد سے اس وقت تک ہر نازک مرحلہ پر مسلمانوں کی بے لوث خدمت انجام دی ہے وہ بھی اس شان سے کہ ــــ سبحان اللہ ــ جبل پور کے مظلوم اور ستم رسیدہ مسلمانوں کی مالی امداد کے سلسلے میں مولانا نے سارے ملک کا دورہ کیا اور ان تباہ حال اور آشفتہ بخت مسلمانوں کے لئے مالی امداد جہاں تک ہوسکا فراہم کی۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا کے یہ کارنامے اسلامی ہند کی تاریخ میں آب زر سے لکھے جائیں گے ۔

ابتدائیہ

کانگریس کے صدر مسٹر سنجیوا ریڈی ہیں۔ جنوبی ہند کے رہنے والے سابق صدر کانگریس آنجہانی مسٹر سری نواس آئنگر کے ہم وطن جس طرح آئنگر غیر متعصب روادار اور فراخدل ہیں، یہی کیفیت ریڈی صاحب کی ہے۔ جنوبی ہند میں مسلمانوں کے خلاف سماج دشمن عناصر مصروف کار نہیں ہیں جو شمالی ہند میں شمشیر بدست نظر آیا کرتے ہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ شمالی ہند کے سیاستدان بھی فرقہ پرستی کے ریلے میں بہہ جاتے ہیں جیسے سمپورنانند اور ٹنڈن وغیرہ۔ لیکن جنوبی ہند میں ایسی کوئی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ وہاں اگر کوئی مثال مل سکتی ہے تو سری نواس آئنگر کی راجگوپال اچاری کی اور سنجیوا ریڈی کی۔

اس حقیقت کے اعتراف میں مجھے کوئی تامل نہیں کہ ریڈی صاحب کو جبل پور کے حادثہ جگر خراش کا بہت دکھ ہوا۔ اس سلسلہ میں انہوں نے خاموش رہ کر بھی بہت کچھ کیا اور نطق وکلام سے کام لے کر بھی حق کی آواز بلند کی۔

صدر کانگرس کی حیثیت سے ان کی ذمہ داریاں بہت وسیع تھیں اور ان ذمہ داریوں کو نباہنے کی پوری کوشش کی۔ یہ دوسری بات ہے کہ کامیاب ہو سکے یا نہیں۔

بہر حال یہ امر واقع ہے کہ بغیر کسی ذہنی تحفظ کے اس واقعہ خارجیہ پر انہوں نے اظہار خیال کیا اور اس سلسلے میں کئی بیانات دیئے اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ متاثرہ مقامات کا دورہ کیا۔ زخمی دلوں پر پھاہا رکھنے کی کوشش کی۔ بھوپال گئے کاٹجو سے ملے۔ وہاں کے وزراء سے بات چیت کی اور ان لوگوں کی سنگدلی اور شقاوت نے ہندوستان کے ماتھے

پر جو کلنک کا ٹیکہ لگایا تھا اس پہ ملامت بھی کی۔

اور ان سب باتوں کے علاوہ انہوں نے امدادی فنڈ بھی کھولا اور گو اس فنڈ میں ہندو سرمایہ داروں نے کوئی خاص حصہ نہیں لیا کیونکہ وہ زیادہ تر مہاسبھا اور جن سنگھ سے متاثر ہیں لیکن عوام نے اپنی استطاعت کے مطابق حصہ لیا اور یہ رقم ریڈی صاحب نے برباد گھروں تباہ حالوں اور آشفتہ بختوں پہ صرف کرکے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کیا۔

اب ذیل میں کانگرس کے سربر آوردہ اصحاب کے تاثرات اور سرگرمیوں پر مختصر طور پر روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا۔

پالیوال کی طرف سے اظہارِ مذمت

مسٹر پالیوال یو پی کانگریس کے سربر آوردہ رہنماؤں میں رہ چکے ہیں یو. پی کی وزارت میں بھی سالہا سال تک شریک رہے ہیں غیر متعصب اور نیک طینت شخص ہیں اب ایک عرصہ سے کانگرس سے الگ ہوکر راجہ جی کی سوتنتر پارٹی میں شریک ہیں انہوں نے حادثہ جبلپور پہ ایک بیان شائع کیا۔

۱۲ فروری ۱۹۶۱ء کے بیان میں جس سے ان کی طبعی شرافت کا اندازہ ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا۔

> جبل پور کے فسادات حد درجہ شرمناک اور افسوسناک ہیں انہیں کسی قیمت پر برداشت نہیں کیا جاسکتا. اس سلسلہ میں حکومت مدھیہ پردیش نے جس غفلت اور فرض ناشناسی کا ثبوت دیا ہے اسے ہرگز درگزر نہیں کیا جاسکتا. ضرورت ہے کہ مظلوموں کی دادرسی کا پورا پورا اور موثر بندوبست کیا جائے۔

لیکن ووٹ......

کانگرسیوں نے عام طور پہ اس حادثہ ہائلہ کی سنگینی محسوس کی ۔ جو جری اور

باہمت تھے انہوں نے بے دھڑک اظہار مذمت اور ملامت میں بھی کمی نہیں کی لیکن جو آنے والے الیکشن میں سرگرداں تھے انہوں نے۔ سب کچھ جانتے ہوئے سب کچھ دیکھتے ہوئے اور سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی مہر بہ لب رہنا پسند کیا۔ اگر کسی منچلے نے اس صورت حال پر کوئی سوال کر بھی دیا تو دبے الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار کر دیا ہے۔

ذیل میں بھارت کے ایک موقر روزنامہ کے مورخہ ۲۷ مئی میں سے ہم اس طرح کی دو مثالیں پیش کرتے ہیں۔

— ایک نامہ نگار نے جب ایک مقامی کانگریسی لیڈر سے پوچھا کہ تعزیری جرمانے لگائے جانے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

اس لیڈر نے پہلے تو پلکیں جھپکا جھپکا کر اسے دیکھا پھر ایک کنارے اسے لے جا کر کہنے لگا۔ دیکھتے نہیں الیکشن سر پر ہے تعزیری جرمانہ کیسے لگایا جا سکتا ہے۔"

دوسری مثال

ایک کانگریسی لیڈر نے رائے دی کہ تمام غنڈوں کو پکڑ پکڑ کر پچاس پچاس روپے فی کس جرمانہ کر دیا جائے اور وصول شدہ جرمانے کی رقم فساد زدگان میں تقسیم کر دی جائے۔

اب جبل پور میں نیا خطرہ پیدا ہو گیا ہے کہ یہاں کے غنڈہ عناصر جو کہ کافی تعداد میں ہیں اور کافی طاقتور ہیں ان ہنگاموں کے بعد اور بھی زور پکڑ جائیں گے۔ لہٰذا پولیس کو اب ان لوگوں کے خلاف سخت کارروائی کرنی چاہیئے۔

اچاریہ ونوبھاوے تک ....

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ حیرت انگیز اور افسوسناک مثال اچاریہ ونوبھاوے کی ہے۔

اچاریہ جی۔ گاندھی جی کے مشہور چیلوں میں سے ہیں۔ انہوں نے اپنی زندگی خدمتِ خلق کے لئے وقف کر دی ہے۔ ڈاکوؤں اور لٹیروں کو تک کو راہ راست پر لانے کے لئے جنگلوں اور بیابانوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ ان کی ریاضت نے ساری دنیا میں ان کا چرچا کر دیا۔

لیکن ۔ اس حادثۂ المیہ پر انہوں نے ایک لفظ تک نہیں کہا۔ بالکل سکوت اختیار کئے رکھا۔

نوائے وقت لاہور (۱۲ مارچ ۱۹۶۱ء) نے اچاریہ جی کی اس حیرت انگیز اور ناقابل فہم روش پر یہ ہی تو لکھا۔

دوسری بات جس پر ہم اشارہ کرنے پر مجبور ہیں وہ سادھو ونوبھاوے کا طرزِ عمل ہے۔ وہ صبح شام امن درواداری اور انصاف کا وعظ کرتے اور ہنسا اور شانتی کا اپدیش دیتے ہیں مگر مدھیا پردیش میں انسانوں کے ہاتھوں انسانوں کی خونریزی کے بارے میں ان کے مکمل سکوت سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ شاید یہ خبر ہی ان تک نہیں پہنچی ـــــ گو پنڈت پنت کی موت کی خبر انہیں مل گئی اور بھاوے جی نے تعزیتی بیان جاری کر دیا۔

لال بہادر شاستری کا ردِّ عمل

لال بہادر شاستری جو پنڈت پنت کے بعد اب حکومت ہند کے وزیر داخلہ ہیں ایک غیر متعصّب شخص ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان کی سرزمین مسلمانوں کے خون سے لالہ زار ہو رہی تھی یہ شاستری صاحب میدان میں اترے اور اپنی جان خطرے میں ڈال کر سہارنپور پہنچے جہاں مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ ہو رہا تھا اور ان کی جان ومال کی حفاظت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

حادثات جبل پور سے متاثر ہو کر انہوں نے ۱۹ مارچ ۶۱ء کو جب لوک سبھا میں وزارت داخلہ کے مطالبات زیر بحث ہو رہی تھی اپنی تقریر میں وقت کے اہم ترین مسئلہ کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ شاستری صاحب نے اپنی تقریر میں کہا ـــــ ـــــ وقت آگیا ہے کہ فرقہ وارانہ زہر پھیلانے والوں کے خلاف احتیاطی نظر بندی کے قانون کا استعمال کیا جائے ـــ"

مسٹر شاستری کے اس اعلان پر ممبروں نے زوردار تالیاں بجاکر اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔

وزیر داخلہ نے کہا کہ ملک میں فرقہ پرستی اور تنگ نظری کے خاتمہ کی ذمہ داری سراسر حکومت پر عائد نہیں ہوتی بلکہ اس کا مقابلہ کرنا ہر شہری کا فرض ہے لوگوں کو صرف اپنی زبان، مذہب، اور ریاست کے مفاد کو نہیں بلکہ سارے ملک کے مفاد کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔ اس سلسلے میں اکثریتی فرقہ پر خاص ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں کہ وہ اقلیتی فرقوں کا اعتماد بحال کرنے کی کوشش کرے۔

سوشیلا نائر کی حقیقت افروز تقریر

ڈاکٹر سوشیلا نائر گاندھی جی کی خاص چیلی ہیں اور اپنی بے تعصبی میں ضرب المثل ہیں۔ اسی طرح مسٹر سوبھدرا جوشی کی بے تعصبی بھی بے شک وشبہ ہے۔ چند سال پہلے صوبہ دہلی کے وزیر اعلیٰ کے سیکرٹری مسٹر سکندر بخت کا جب ایک ہندو لڑکی سے معاشقہ چلا تو مسٹر جوشی نے دولوں کی شادی میں سرگرم حصہ لے کر اپنی قوم کا نشانہ ملامت تک بننے میں تامل نہیں کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر ایسی ہستیاں ہندوستان میں موجود نہ ہوتیں تو فساد انگیز عناصر نے اس عظیم ملک کو دنیا کی نظروں میں رسوا کرنے اور حقیر ثابت کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔

پریس ٹرسٹ آف انڈیا کی ایک رپورٹ ۲ اپریل ۱۹۶۱ء مظہر ہے:۔

مہابیر جین لائبریری میں جبل پور کارپوریشن کے میئر پنڈت بھوانی پرشاد تیواری کے زیر صدارت شہریوں کا زبردست جلسہ عام منعقد ہوا جس میں ڈاکٹر سوشیلا نائر اور شریمتی بھدرا جوشی نے بھی تقریریں کیں۔ فروری کے شروع میں ہونے والے فسادات کے بعد یہاں شہریوں کا یہ پہلا جلسہ عام تھا۔ ڈاکٹر سوشیلا نائر نے جو پارلیمنٹ کی ممبر اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی طرف سے جبل پور کے مصیبت زدگان کی امداد کے لئے قائم کردہ کمیٹی کی ممبر بھی ہیں۔ اپنی تقریر میں جبل پور کے حالیہ واقعات کی سخت الفاظ میں مذمت کی اور لوگوں کو مشورہ دیا کہ ہر دل میں انسانیت کی اتنی روشنی پیدا ہونی چاہیئے جس کے آگے فرقہ پرستی کا اندھیرا خود بخود دور ہو جائے

— آپ نے کہا لڑکی یا عورت کی عصمت پر حملہ کرنا انتہائی شرمناک بات ہے لیکن یہ کہاں کی انسانیت اور شرافت ہے کہ بدلہ لینے کے لئے دوسری دیویوں کی عزت پر حملہ کیا جائے اور ان کی عصمتوں پر ڈاکے ڈالے جائیں اور سینکڑوں بیگناہوں کو تباہ و برباد کر دیا جائے۔

ڈاکٹر سوشیلا نائر نے کہا میرے لئے سب سے خوشی کا دن وہ ہوگا جب ہر ہندوستانی میں اتنی غیرت و شرم پیدا ہو جائے کہ کسی بھی عورت کی بے عزتی گوارا نہ کی جائے۔ اس وقت عورتوں کو بھی بازاروں اور کوٹھوں پر بیٹھنے کی ضرورت نہ رہے گی۔ آپ نے بتایا کہ اس وقت "نوراتر" کی مقدس تقریب منائی جا رہی ہے جس کے دوران میں ہر چھوٹی بڑی لڑکی کے پیر چھوئے جاتے ہیں ہم نے عورت کو دیوی مانا ہے اور اس کی پوجا بھی کی ہے کسی عورت کی بے حرمتی پر خون کھول اٹھنا فطری بات ہے اور میں اس کی قدر کرتی ہوں۔ جن لوگوں نے زنا بالجبر کے واقعے پر قانونی کارروائی کرنے اور مجرمین کو سخت سے سخت سزا دینے کا مطالبہ کیا ہے اچھا کیا ہے لیکن جن لوگوں نے ایک گناہ کے لئے سینکڑوں بے گناہوں کو سزا دی اور ایک دیوی کی آبرو ریزی کا انتقام لینے کے لئے دوسری دیویوں کی عصمتوں کو لوٹا انہوں نے اچھا نہیں کیا۔ میں توان مردوں پر نفریں کرتی ہوں جو ایک دیوی کی بے حرمتی کا بدلہ دوسری عورتوں کی بے حرمتی کر کے لیتے ہیں۔

ڈاکٹر سوشیلا نائر نے اپنی تقریر میں ان مٹھی بھر سماج دشمن عناصر کی سخت مذمت کی جو حالیہ واقعات کے ذمہ دار ہیں۔ آپ نے کہا کہ جبل پور جیسے بڑے شہر میں اس قسم کی حرکتیں کی گئی ہیں جن سے سارا ملک بدنام ہوا ہے اور جن کی وجہ سے دل و دماغ پر ہمیشہ کے لئے ایک تلخی چھا گئی ہے۔ ان حرکتوں سے نہ صرف سینکڑوں مرد، عورتیں اور بچے آفتوں اور مصیبتوں کا شکار ہوئے بلکہ ان واقعات نے مہاتما گاندھی کی تعلیمات کو انتہائی بے رحمی کے ساتھ کچل دیا ہے اور ان سے گاندھی جی کے پیروؤں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں۔

شریمتی سبھدرا جوشی نے بھی اپنی تقریر میں فسادیوں کی مذمت کی اور کہا کہ اب وقت آگیا ہے کہ آپ فرقہ پرستی کے خلاف کمربستہ ہو جائیں۔

جبل پور سے سبق

سابق صدر کانگرس مسٹر ڈھیبر کے افکار

مسٹر ڈھیبر کانگرس کے صدر رہ چکے ہیں۔ اس موقع پر نا مناسب نہ ہوگا کہ اگر موصوف کے ان افکار کو مختصراً سامنے رکھا جائے جو جبل پور کے سانحہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

مسٹر ڈھیبر نے ایک مقالہ جبل پور سے سبق" کے عنوان سے لکھا جو ۹ اپریل اور بعد کی تاریخوں کے اخبارات میں شائع ہوا۔

یہ مقالہ اپنے مخرومنز اکے اعتبار سے بہت اہم ہے اور قابل توجہ ہے ذیل میں اس کے بعض اجزا پیش کئے جاتے ہیں۔

فرقہ پرستی اور ذات برادری کی تفریق جو ان ہنگاموں کی تہ میں موجود ہے ہندوستان کے سماج میں مضبوطی سے جڑ پکڑے ہوئے ہے محض علمی بحث سے اسے جڑ سے نہیں اکھاڑا جا سکتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ کانگرس پارٹی اپنی پالیسیوں کی نئے سرے سے تنظیم کرے اور ان خرابیوں کا تدارک کرے۔

آگے چل کر ڈھیبر صاحب نے عملی تجاویز بھی پیش کی ہیں۔

امن وقانون کا انچارج کوئی محکمہ یا افسر اگر اس مسئلہ میں غفلت دکھائے تو اس سے سختی سے نپٹا جائے۔ جہاں بھی بڑے پیمانہ پر تشدد کے واقعات ہوں وہاں کے حکام سے جواب طلب کیا جائے۔

کانگریس کو اپنی ایک بڑی پارٹی کی حیثیت سے اپنی پالیسیوں پر اس نقطہ نظر سے نظر ثانی کرنی چاہیئے کہ عوام کو تنگ نظری اور گمراہ کن فرقہ پرستی کے راستہ سے ہٹایا جائے۔ جہاں بھی تشدد کے واقعات ہوں وہاں حکومت کو بہت سخت سزا دینی چاہیئے۔ فرقہ پرست عناصر کو درپردہ کام کرنے سے روکنے والی کوئی چیز نہیں ہے لیکن انہیں کم ازکم کھلم کھلا کام کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔

ان سے ملاقات کرکے باہر نکل رہی تھیں۔ غلام محمد بھی موصوف کا بہت احترام کرتے تھے۔ اور ہندو مسلم اتحاد کے سلسلے میں انہوں نے جو گرانبہا خدمات نازک ترین دور میں پوری بے لوثی اور بے تعصبی کے ساتھ انجام دی تھیں ان کے معترف تھے۔

مس مرد ولا سارا بھائی نے مذکورہ بالا عنوان کے تحت ایک بڑا اچھا نہایت سنجیدہ اور فکر انگیز مضمون لکھا تھا جو ہندوستان کے بعض بلند پایہ اخبارات میں شائع ہوچکا ہے۔ مضمون کے اجزا ذیل میں درج کرتا ہوں۔

گاندھی جی کا زمانہ

یہ گاندھی جی کے زمانہ میں گجرات کی بات ہے کہ جب ۱۹۳۰ء کے عرصہ میں کوئی بھی نیا رکن آتا تو اس کے لئے یہ اصول بن جاتا تھا کہ اچھے سے اچھا آزادی کا سپاہی بننے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اعلیٰ اور قابل تعریف تعمیری کارکن بھی بنے گاندھی جی کے بنے ہوئے ہم التعمیری پروگراموں میں سے کوئی ایک منتخب کرنا ہوتا تھا۔ قومی اتحاد اور فرقہ وارانہ اتحاد اور عورتوں کی ترقی کے تعمیری پروگرام میں کچھ ساتھیوں کے ساتھ میں نے مہارت پیدا کرنے کی کوشش کی۔

۱۹۳۰ء سے ۱۹۴۵ء تک احمد آباد اور گجرات میں کام کیا لیکن اس کے بعد گاندھی جی نے ہندوستان کے دوسرے حصوں کے یونٹوں کے ساتھ ہم کو جوڑا تاکہ ہم آپس کے جھگڑوں اور نتیجوں کا تبادلہ کرسکیں۔ قومی اتحاد و فرقہ وارانہ اتحاد خاص طور سے خیالی اور جذباتی سوالوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں انسانوں کے ساتھ کام کرنا پڑتا ہے۔ انسانوں کے ساتھ واسطہ پڑتا ہے۔ انسان روحانیت اور جذبات سے بھرا ہوا ہوتا ہے اس لئے اس کو ناپا کہ وہ کس حالت میں کیا کرے گا اور اس پر یقینی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے اس لئے پروگرام میں پڑنے والوں کو چوکنا رہنا پڑتا ہے کھلے دماغ رکھنے پڑتے ہیں۔ ہمیشہ جانچ اور تلاش کی تیاری رکھنی پڑتی ہے اور جان پر کھیلنے کی عادت بھی ڈالنی پڑتی ہے۔ واقعات کی جگہ پر جاکر گہرائی سے جانچ کرکے پیچھے واقعات تلاش کرنے کی عادت بنانی پڑتی ہے۔ خطرناک حالتوں کا سامنا کرنا ڈاکٹر اور نرس کے نظریہ سے کرنا پڑتا ہے بلا کسی گھبراہٹ اور واقعات کے زیر اثر ہوئے بغیر کام کرنا پڑتا ہے جس علاقے میں کام کیا وہاں کے ایک ایک

فسادات کی پشت پر کون؟

مس مردولا سارابائی کا ایک فکر انگیز مقالہ

مس مردولا سارابائی گاندھی جی کی مشہور چیلی ہیں اور وہ احمد آباد کے مل مالک سارابھائی کی دختر بلند اختر ہیں۔ لیکن درویشانہ زندگی بسر کرتی ہیں۔ مشرقی پنجاب کی مسلم خواتین کی بازیابی کے لئے انہوں نے زبردست جدوجہد کی اور یادگار کارنامے انجام دیئے۔

کشمیر کے بارے میں ہندوستان کا رویہ جو ہے وہ ظاہر ہے لیکن مس مردولا سارابھائی علی الاعلان شیخ عبداللہ کے موقف کی حامی ہیں۔ نہ صرف حامی ہیں بلکہ ان کی تائید میں درمے، دامے، قدمے، سخنے جو کچھ بھی ممکن ہے کر رہی ہیں پنڈت نہرو اس بات پر ان سے خفا بھی ہو گئے۔ مگر انہوں نے ذرا پرواہ نہ کی اس جرم میں کئی ماہ تک نظر بند رہیں مگر اپنے مسلک سے نہ ہٹیں۔ شیخ عبداللہ کے مقدمے کی پیروی کے سلسلہ میں تقریباً ہر مرتبہ جموں پہنچتی رہیں اور وہاں سے ذلت اٹھا کر واپس آتی رہیں۔ کیونکہ بخشی کی پولیس ہاتھ دھو کر ان کے پیچھے پڑ جاتی ہے۔

میں نے ایک مرتبہ مس مردولا سارا بھائی کو کراچی میں دیکھا ہے۔ مسٹر غلام محمد مرحوم گورنر جنرل سے غالباً ستمبر ۱۹۵۴ء میں ایک مرتبہ ملنے کا وقت مقرر ہوا اور میں کسی کام کے لئے حیدر آباد گیا ہوا تھا۔ وہیں اطلاع ملی۔ تاریخ مقررہ پر کراچی آگیا۔ میں گورنر جنرل کے کمرے میں داخل ہو رہا تھا اور مس مردولا سارا بھائی

شخص کو پہچاننا ہوتا ہے یہاں تک کہ جس کو غنڈہ کہتے ہیں اس کو بھی پہچاننا پڑتا ہے اور ان باتوں پر کن لوگوں پر زبردست اثر ہوگا ان کو بھی سمجھنے کی کوشش کرنی ہوگی یہ ہر کوئی جانتا ہے کہ غیر ملکی حکومت کی ــ لڑاؤ اور حکومت کرو ــ کی پالیسی کے پروگرام کی صورت میں فرقہ وارانہ فسادات کرائے جاتے تھے ــ اس لئے ان لوگوں کے کام کے طریقے کیا ہیں ؟ ــ ان کو معلوم کرنے کی خواہش ہوئی ــ اس وجہ سے شانتی سینک کی حیثیت سے کئی بار فرقہ وارانہ فساد کی آگ میں گھسنا پڑتا تھا ــ اور وہاں کس طرح کارروائی ہورہی ہے اس کا تجربہ بھی ہوجاتا تھا ۔

ان تجربات کے نتائج سے ہمارے پاس قیمتی اعداد و شمار اور ثبوت جمع ہوئے ان تخریبی عناصر کے بارے میں جو توڑ پھوڑ کی کارروائیوں میں ۱۹۳۰ء سے آج تک جو خاص واقعات میں تبدیلیاں ہوئیں وہ مندرجہ ذیل ہیں ۔

طریق کار کی تلاش

۱۹۴۱ء کی ہولی میں مختلف صوبوں میں فرقہ وارانہ فسادات کا سلسلہ شروع ہوا جو مردم شماری فساد کے نام سے مشہور ہے ۔ اس سے قبل جب بھی فسادات ہوئے وہ ناتجربہ کار لوگوں کے کئے ہوئے معلوم ہوتے تھے ، بھڑکانے والے شروع میں لوگوں کو اکساتے تھے اور بعد میں ہٹ جاتے تھے ۔ خوف اور ڈر کے شکار ہوکر لوگ افواہوں کے پھندے میں پھنس کر ایک دوسرے پر حملہ کرتے تھے ۔ لیکن ۱۹۴۱ء کے بعد پہلی بار مردم شماری فسادات نے مندرجہ ذیل طریقہ کار سامنے پیش کیا ۔

پہلے خنجر زنی کرنے والے ناتجربہ کار ہوتے تھے لیکن بعد میں تجربہ کار ہاتھوں سے خنجر زنی شروع ہوئی جس کا مقصد ایسا لگتا تھا کہ جان سے مار دینا ہے ۔ احمد آباد ہو ، پٹنہ ہو یا ڈھاکہ ہو یا کوئی اور دوسری جگہ ہو ۔ جہاں کوئی بھی خنجر زنی کے شکار ہوئے ان کو ایک طریقہ سے مارا گیا ۔ یعنی زخم کی نوعیت ایک ہی رہی اور مخصوص جگہ پر زخم لگائے گئے ۔ اس طرح کہ وہ زخم لگاتے ہی ختم ہوجاتے تھے ایسا ہی طریقہ آتش زنی اور لوٹ کھسوٹ کے طریقہ پر بھی رہا ۔

اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ اس کی پشت پر کسی طرح کی کوئی ایجنسی سبب

جگہ کام کر رہی ہے۔ ان فسادات میں عورتوں کو نشانہ نہیں بنایا گیا تھا مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ فسادات کے علاقوں میں دودھ بیچنے والی عورتیں بغیر کسی خوف و ڈر اور ہچک کے دودھ بیچنے چلی جاتی تھیں۔

اب یہیں ۱۹۴۷ء کا سال تقسیم سے پہلے اور بعد کا وقت گاندھی جی کے قومی اتحاد کے بنیادی پروگرام کو سب سے بڑے چیلنج کا مقابلہ کرنا پڑا۔ گاندھی جی کی لیڈرشپ کے تحت بدلہ لو کے خیالات کے خلاف کام کرنے والی طاقتوں نے کس طرح سے برصغیر میں ان سوالوں کا سامنا کرنے کی کوشش کی، اس کی کہانی تو بہت لمبی ہے۔ یہاں تو اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ بنگال، بہار، پنجاب، یو۔ پی۔ دہلی اور اخیر میں کشمیر میں جو ذاتی تجربہ ہوا اس سے باپو گاندھی جی، اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان جھگڑوں کی پشت پر کوئی چھپا ہوا ہاتھ کام کر رہا ہے۔ اسی زمانے میں پہلی مرتبہ عورتوں کو شکار بنایا گیا۔ ان کو اغوا کیا گیا اور ان کی عصمت دری کی گئی یکسانیت کے وجوہات کی تلاش میں یہ معلوم ہوا کہ دوسری جنگ عظیم کے دوران برطانوی حکومت نے کلکتہ اور بمبئی میں کچھ ٹریننگ سنٹر کھولے تھے جن میں جرائم پیشہ لوگوں کو بھرتی کرکے گوریلا وارفیئر کی تعلیم دی جاتی تھی یہ اس مقصد سے کیا گیا تھا کہ ان کو تعلیم کے بعد جاپانی لائن کے پیچھے توڑ پھوڑ کرنے کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ لیکن ان کی تعلیم ختم ہونے سے پہلے ہی جنگ ختم ہو گئی۔ اور کہا جاتا ہے کہ ان لوگوں کو ۱۹۴۷ء سے ۱۹۴۸ء تک فساد پیدا کرنے کے کام پر لگا دیا گیا۔

باپو کے قتل کے بعد طریقہ کار بدلا۔ فرقہ وارانہ فسادوں کی جگہ پر الگ الگ قومی کمزوریوں کے فائدہ اٹھا کر فساد کرنے کا طریقہ تخریب کاروں نے لے لیا۔ وہ سیاسی پارٹیوں میں گھس گئے اور ان کی ہر ایک تحریکوں کو "لا اینڈ آرڈر" کے بڑے جھگڑوں میں الجھا دیا۔ گجرات اور سوراشٹر میں اینٹی سیلز ٹیکس تحریک ہو یا یو۔ پی میں اسٹوڈنٹس تحریک لسانی صوبائی جھگڑوں کے پیچھے یا سٹیٹ آرگنائزیشن کی سفارشات کے خلاف جو تحریکیں چلیں اگر ان کے نعرے دیکھے جائیں، طریقہ کار دیکھا جائے اور احتجاج کے طریقے دیکھے جائیں تو معلوم ہوگا کہ ان سب کا قریب قریب ایک ہی نقشہ ہے چھپا ہوا ہاتھ پوری طاقت سے بڑھ رہا ہے چونکہ فسادوں سے فائدہ اٹھانے کا سوال حکومت نے اپنے وقار کے سبب نامنظور کیا ہے اور اسی کے ساتھ اس کی یہ ذہنیت ہو گئی ہے کہ ان سب فسادوں کا ذمہ دار الگ الگ سیاسی پارٹیوں

اختیار ہونے کے بعد فسادوں کے پیچھے چھپے ہاتھوں کو تلاش کریں گے ایسی امید رکھی تھی لیکن بدقسمتی سے ابھی تک ایسا نہیں ہوا۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم قومی طور پر ایک ایسے اعلیٰ سطحی کمیشن کا مطالبہ کریں جس کی سالمیت اور غیر جانبداری پر کسی دباؤ کا اثر نہ پڑے اور جو تحقیقات کے معاملہ میں گاندھی جی کے طریقۂ کار کو اختیار کرے ہمیں حکمرانوں سے یہ گزارش کرنی چاہئیے کہ وہ اپنی شان کی ذہنیت کو چھوڑ دیں اور زمین دوز بڑی بڑی سازشوں کا پتہ لگائیں اور قریب قریب سارے ملک میں جمہوری اور قومی اتحاد کی طاقتوں کو اور خاص طور پر الیکشن کے موقعوں پر ووٹروں کو خوفزدہ کرتی ہیں یہ سیاسی پارٹیوں کے مفاد میں ہے کہ وہ ہر طریقہ سے ان واقعات کو معلوم کرنے میں تعاون کریں کمیشن کو بہت ہی احتیاط کے ساتھ ہر فساد میں اختیار کئے گئے طریقوں کی بہت گہرائی سے جانچ کرنی چاہیئے اس طرح یقیناً بہت قیمتی اعداد و شمار مہیا ہو جائیں گے اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ان پر کیسے قابو پایا جا سکتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جرم کی ترغیب و کرائم لٹریچر دینے والا ادب اور کچھ فلموں نے جرائم کو بڑھانے میں مدد دی ہے لیکن یہی چیزیں ہندوستان کے چند طبقوں کے لوگوں کو گناہ کی طرف کھینچیں، ایسا مان لینا مشکل ہے۔

مندرجہ بالا تجویز کیا گیا حل نہ صرف قومی اتحاد کے لئے بلکہ ہمارے قومی کردار کو تباہی کے راستے سے روکنے کے لئے بھی ضروری ہے وہ جو جرم کرتا ہے وہ نہ صرف شکار زدہ ہی کو نقصان پہنچاتا ہے بلکہ اپنے آپ کو بھی نقصان پہنچاتا ہے۔

کار جو عصمت دری کا جرم کرتا ہے وہ اپنے آپ کو زیادہ گرا دیتا ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ جس پر اس نے حملہ کیا تھا۔ چنانچہ وقت کا تقاضا یہ ہے کہ زمین دوز چھپے راستے کو پانے کا راستہ تلاش کریں اور اس کام میں حکومت کے ذمہ داران کو بھی اپنی تنظیمی کمزوریوں سے جھجک کے بغیر ہاتھ بٹانا چاہیئے۔

اس مضمون میں بڑے سلجھے ہوئے خیالات مس مردولا سارا بھائی نے ظاہر کئے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان پر غور کیا جاتا۔ عمل کیا جاتا۔ مگر "نشاندہ" پارٹی پالیٹکس نے اب تک اس کا موقعہ نہیں آنے دیا۔

کو بنا دیتی ہے۔ سیاسی پارٹیاں جانتی ہیں کہ ان تحریکوں کو بدمعاش طبقہ استعمال کرتا ہے لیکن پھر بھی کس نے ان کی تحریک کو استعمال کیا اس کی تحقیق کرنے میں اور کرنے دینے میں وہ جھجکتی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وقار کے بہانے کے نیچے چھپا ہاتھ پھلتا پھولتا رہا ہے۔

سرد جنگ

۶۵ء میں اس طریقہ کار نے پوری طرح بیٹھا کھایا اور نہایت وحشیانہ اور کھلے عام تشدد کی جگہ یہ جذباتی جنگ کے طریقے عمل میں لائے گئے جہاں اقلیت کا سوال تھا وہاں عام طور پر یہ دیکھا گیا کہ ڈرانے والا جیسا ان سے کام لینا چاہتا تھا ویسا ہی لیتا رہا۔ ساتھ ساتھ ایسا بھی لگتا ہے کہ ٹریننگ بھی چلتی رہی اور گوریلا وارفیئر کے یونٹوں کی تعداد بھی بڑھتی گئی یہ نہ ہوتو ۱۹۵۹ء میں کیرالہ کے الکیشن میں جو عجیب و غریب تجربہ ہوا اس کے کیا معنی نکالے جائیں؟ اس زمانہ میں بھی سیاسی پارٹیوں کے کارکنوں کو خنجر زنی کا نشانہ بننے کی خبریں آ رہی تھیں۔ سیاسی پارٹیوں کے جو بھی کارکن خنجر زنی کا شکار ہوئے وہ پختہ کار ہاتھوں سے ہی ہوئے اور اس میں یہ بات صاف ظاہر تھی کہ الکیشن کے موقعوں پہ عام طور پر جو فوری جھگڑے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں وہ ویسے نہ تھے۔ فرقہ وارانہ خنجر زنی میں جو تجربہ کار ہاتھ دیکھا گیا تھا مختلف پارٹیوں کے کارکنوں کو زخم لگے انہی ہاتھوں کی یاد تازہ کرتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ آسام اور جبل پور کے فسادوں نے ۴۷ء کے فسادوں کی یاد تازہ کر دی ہے۔ ایسا دیکھا گیا۔ کہ قتل، لوٹ مار اور آتشزنی میں نوعمر بچوں نے بڑا حصہ لیا۔ ہم جانتے ہیں کہ ہندوستان کے بچوں کا ذہن عام طور سے جرائم کی طرف مائل نہیں تو سوال یہ اٹھتا ہے۔ کہ ان کو تعلیم کس نے دی؟ باقاعدہ خفیہ تعلیم کے بغیر وہ کر سکتے تھے جو انہوں نے کیا؟ قتل اور لوٹ مار کرنے کے لئے ان کو اوزار اور ہتھیار کس نے دیئے؟

۱۔ علے اختیار کمیشن مقرر کرو

اس وجہ سے یہ ایک قومی سوال ہے۔ آزاد ہندوستان میں عوامی نمائندوں کو مکمل

افتتاحیہ

کوئی شبہ نہیں کہ ہندوستان کے ہندو لیڈروں میں جواہر لال نہرو، بلکہ ان کا سارا خاندان بے تعصبی اور مسلم دوستی کے باعث یگانہ اور ممتاز ہے اس خاندان کے مرد اور عورت سب انسان کو انسان کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔ ہندو مسلمان، سکھ یا عیسائی کی حیثیت سے نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر طرح سیاسی اختلافات کے باوجود مسلمانوں نے ہمیشہ ان کی شخصیت کی عظمت اور احترام میں کبھی کوتاہی نہیں کی اور انہوں نے بھی مسلمانوں کے زخم دل پر مرہم رکھنے کی انتہائی کوشش کی۔

مولانا آزاد مغفور نے اپنی کتاب "آزادی ہند" (انڈیا ونس فریڈم) میں پنڈت جواہر لال نہرو کی دوستی کے کئی واقعات بیان کئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب دہلی میں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا تھا تو ایک دن انہوں نے گاندھی جی سے باچشم نم اور باگریہ گلوگیر سردار پٹیل کی سفاکی اور شقاوت کے سلسلے میں لکھا

— دلی میں مسلمان کتے بلی کی طرح قتل ہو رہے ہیں اور میں یہ جگر خراش منظر دیکھنے کی ذرا بھی تاب نہیں پاتا —"

پھر مولانا نے تفصیل سے اس جنگ کا ذکر کیا ہے جو سردار پٹیل اور گاندھی جی کے مابین اس مسئلہ پر ہوئی تھی۔

یہ واقعہ اس بات کا ثبوت ہے کہ گاندھی جی اور پنڈت نہرو مسلمانوں کے قتل عام سے حد درجہ دلگیر اور مضطرب تھے لیکن پٹیل کی سر دلعزیزی کا آفتاب نصف النہار پر تھا، ان سے ٹکر لینے کی طاقت گاندھی جی میں تھی نہ پنڈت نہرو میں۔ مسلمان

نہرو، اور اِندرا نہرو

ہندوستان کی تاریخ انسانیت کا ایک اہم باب

لٹتے رہے، پٹتے رہے، مٹتے رہے، قتل ہوتے رہے اور یہ دونوں (گاندھی اور نہرو) اس سیل بلا کو روکنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اگرچہ اسے روکنے کی جدوجہد انہوں نے پوری کی۔

آزادیٔ ہند کے ۱۲ سال بعد جبل پور میں جب منظم طور پر ایک خاص پلان کے ماتحت مسلمانوں کا قتل عام شروع ہوا تو یہ چیز شرمناک بھی تھی اور الم انگیز بھی سے پنڈت نہرو کو اپنے ہم قوموں کی اس بہمیت پر شرم بھی آئی اور صدمہ بھی ہوا۔ لیکن حیرت انگیز بات یہ تھی کہ وہ آج بھی اتنے ہی بے بس تھے جتنے آج سے بارہ سال پہلے سردار پٹیل کی زندگی میں اس کے معنی دو ہی ہو سکتے ہیں کہ سردار پٹیل مر گئے۔ سردار پٹیل زندہ باد!

پنڈت نہرو کے واردات و تاثرات

مسلمانانِ دہلی کا وفد

۱۹ فروری ۱۹۶۱ء کو مسلمانانِ دہلی کا ایک وفد وزیرِ اعظم کی خدمت میں باریاب ہوا جس کی تفصیل پریس ٹرسٹ آف انڈیا کے بیان کے مطابق یہ ہے۔

وزیرِ اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے جبلپور کے واقعات کو افسوسناک قرار دیتے ہوئے کہا ہے۔ کہ دوسرے لوگوں کی طرح مجھے بھی دکھ پہنچا ہے اور جبل پور میں جو کچھ ہوا ہے افسوسناک ہے۔

یہ تاثرات وزیرِ اعظم نے مسلمانانِ دہلی کے ایک وفد سے ملاقات کے دوران ظاہر کئے۔ وفد نے جو مفتی ضیاء الحق، حکیم خلیل الرحمٰن، مولانا رفیق دہلوی اور مولانا اخلاق حسین قاسمی وغیرہ پر مشتمل تھا وزیرِ اعظم کو ایک یادداشت پیش کر کے ان کی توجہ جبل پور کے فرقہ وارانہ فسادات اور وہاں مسلمانوں کے جانی و مالی نقصان کی طرف مبذول کرائی تھی۔ یادداشت میں وزیرِ اعظم سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ انہیں جبل پور پہنچ کر حالات کا جائزہ لینا چاہیئے اور فساد کے ذمہ دار جبلپور کے نا اہل اور ناکارہ حکام کو معزول کیا جانا چاہیئے۔

وزیرِ اعظم نے واقعات پر اظہارِ افسوس کرتے ہوئے اس بات کا بھی اعتراف

کیا ہے کہ فسادات کی ذمہ داری حکام کی کوتاہی پر ہے۔

گو وزیراعظم نے یہ اعتراف کیا تھا کہ فسادات کی ذمہ داری حکام پر ہے لیکن ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی ——— معزول کرنا تو درکنار کوئی تادیبی اقدام تک نہیں کیا گیا۔

قابل شرم واقعات؛ ایک اعتراف

۲۷ فروری کو کانگرس پارلیمنٹری پارٹی کے جلسہ کو خطاب کرتے ہوئے انہوں نے فرمایا۔

جبل پور اور مدھیہ پردیش کے دوسرے علاقوں میں جو واقعات پیش آئے وہ قابل شرم ہیں اور ان کے لئے کوئی جواز پیش نہیں کیا جا سکتا ان واقعات سے ہمارے ملک کی نیک نامی کو دھبہ لگا ہے اور اس سے پاکستان ہی میں نہیں بلکہ دوسری جگہوں پر بھی ہمارے مخالفین کو بڑھ چڑھ کر باتیں کرنے کا موقعہ مل گیا ہے۔ جبل پور میں جو واقعات پیش آئے ہیں میں ان کی تفصیل میں الجھنا نہیں چاہتا کیونکہ ان واقعات کی اعلےٰ سطح پر تحقیقات ہوگی۔ بہر حال ہر ایک اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ مقامی افسروں کو صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے تھا۔ اگر یہ فسادات اچانک پھوٹ پڑے تھے تو بھی اس بات کو بطور عذر پیش نہیں کیا جا سکتا۔

یہی جذبات اگر پنڈت جی کے...... کے بھی ہوتے تو شائد نوبت یہاں تک نہ آتی۔

کیا مسلمان غدار اور وطن دشمن ہیں؟

جبل پور کے ہنگامہ کشت وخون کے کچھ عرصہ بعد یوپی کے ایک قصبہ ٹڈ ردنہ میں اور بہار کے ایک ضلع گیا میں بھی مسلمانوں کی شامت آگئی۔

۵ مارچ ۱۹۶۱ء کو کانگرس پارلیمنٹری پارٹی کے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے پنڈت نہرو نے مسلمانان ہند کی مفروضہ غداری اور وطن دشمنی کا تذکرہ بھی کیا انہوں نے حسب روایت پریس ٹرسٹ آف انڈیا کو فرمایا۔

بھارت اور پاکستان کی اقلیتوں کو ملک سے وابستگی واستواری کا ثبوت دینا چاہیئے اقلیتوں کو یہ محسوس کرنا چاہیئے کہ وہ معاشرے سے باہر نہیں۔

بھارتی وزیراعظم نے بھارت کے بعض حلقوں کی طرف سے اس نکتہ چینی کا بھی ذکر کیا کہ بھارتی مسلمان بھارت کے وفادار نہیں۔ آپ نے کہا۔

"یہ کہنا غلط ہے کہ بھارتی مسلمان بھارت کے اور مشرقی پاکستان کے ہندو اپنے ملک کے وفادار نہیں۔ یہ مفروضہ بے بنیاد ہے۔"

آپ نے کانگرس پارلیمانی پارٹی کو بتایا کہ پاکستان کے ہائی کمشنر مسٹر بروہی جبلپور جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ کانگریس کی پارلیمانی پارٹی کے چار ارکان آج شام کا وسط میں جبلپور جا رہے ہیں۔

لیکن اس کے باوجود مسلمانانِ ہند کی غداری اور وطن دشمنی کے ترانے سمپورنانند اور ان کے رفقا کی طرف سے گائے جاتے رہے۔

فرقہ پرستوں کا مقابلہ کیا جائے گا

اس سے قبل ۲۰ فروری کو جب انڈین پارلیمنٹ (لوک سبھا) میں صدرِ مملکت کے خطبے پر بحث شروع ہوئی تو دورانِ بحث ایک موقع پر مداخلت کرتے ہوئے پنڈت نہرو نے چین کے مبینہ جارحانہ حملوں اور کارروائیوں کا تذکرہ کرنے کے بعد جبلپور کے واقعات پر بھی خاص طور پر اظہارِ خیال کیا۔ انہوں نے فرمایا۔

"مدھیہ پردیش کے صوبے (جبلپور) میں جو حادثات رونما ہوئے وہ ہمارے لئے حد درجہ شرمناک ہیں۔ انہیں کسی قیمت پر برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ فرقہ پرستوں کو کھلی چھٹی نہیں دی جائے گی ان کا مقابلہ کیا جائے گا۔"

۲۴ فروری ۱۹۶۱ء کو کانگرس پارلیمانی پارٹی کے سامنے تقریر کرتے ہوئے انہوں نے ارشاد فرمایا تھا۔

"اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ فرقہ پرستی اور ذات پرستی کا خاتمہ کرنے کے لئے سخت اور موثر اقدامات کئے جائیں گے۔ تخریب اور انتشار پسندی کا خاتمہ کرنے کے لئے سخت اور موثر اقدامات کئے جائیں گے۔ تخریب اور انتشار پسند طاقتوں کا بہترین مقابلہ مقامی با اختیار حکام کر سکتے ہیں مثال کے طور پر اس قسم کے جھگڑوں کے انسداد کے لئے وہ شروع ہی میں غنڈہ ایکٹ کی مدد سے اس کے ذمہ دار افراد کو گرفتار کر لیں اور ان کے خلاف مناسب اور ضروری قانونی کارروائی

اندرا نہرو

ایک حساس، انسانیت دوست اور نڈر خاتون

اندرا نہرو پنڈت جواہر لال نہرو کی دختر بلند اختر ہیں۔ فرقہ پرستی سے انہیں دور کا بھی لگاؤ نہیں۔ ان کی نظر میں ہر انسان برابر ہے خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان عیسائی ہو یا یہودی — انہوں نے اپنا رفیق گاندھی کو بنایا — جن کا ابھی حال ہی انتقال ہوا ہے۔ —— پنڈت نہرو نے پوری عالی کوشی اور کمال بے تعصبی کے ساتھ یہ رشتہ منظور کر لیا۔ میاں بیوی کی زندگی صدق وصفا اور مہر و محبت کا نمونہ تھی، فیروز گاندھی بھی حد درجہ غیر متعصب اور با اصول انسان تھے وہ پارلیمنٹ کے ممبر بھی تھے۔ اور وہاں برابر نعرۂ حق بلند کرتے رہتے تھے وہ حق کے ساتھی تھے خواہ وہ کسی کے ساتھ ہو وہ بے دھڑک نکتہ چینی کرتے تھے، خواہ اس کی زد کسی کانگریسی پر پڑے یا مہاسبھائی یا جن سنگھی پر۔

جبل پور کے حادثۂ المیہ پر اندرا نہرو کا دل بھی خون کے آنسو رو دیا اور وہ اپنے والد کے حسب ہدایت ہر طرح کے موانع کے باوجود بچشم خود احوال و کوائف کا مشاہدہ کرنے ۲۳ فروری کو کھلے دل کے ساتھ جبل پور تشریف لے گئیں۔

اندرا نہرو جبل پور میں

پریس ٹرسٹ آف انڈیا نے اندرا نہرو کے دورۂ جبلپور کی جو روداد اخبارات کو

کریں۔ غنڈے، خواہ ان کا تعلق کسی فرقہ سے ہو کسی قسم کی گڑبڑ کا خطرہ محسوس ہوتے ہی انہیں گرفتار کرکے بند کر دیا جائے“

پنڈت نہرو اگر ہندوستان کے وزیراعظم نہ ہوتے جبل پور کے انسپکٹر جنرل پولیس ہوتے تو بلا شبہ وہ فرقہ پرستوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے اور خطرہ محسوس ہوتے ہی سماج دشمن عناصر کو گرفتار کرکے ان کا قلع قمع کر دیتے لیکن بد قسمتی یہ ہے کہ وہ وزیراعظم ہیں اور نیچے کے حکام اپنے وزیراعظم کی بات سنتے رہتے ہیں، لیکن اس کان سنتے ہیں اس کان اڑا دیتے ہیں۔

یہ بہت بڑا المیہ ہے جس پر وہ ہمدردی کے مستحق ہیں۔

روداد کی اس کا ایک حصہ یہ ہے۔

کانگریس کی عاملہ کی رکن مسز اندرا گاندھی اور کانگریس کے جنرل سیکرٹری مسٹر صادق علی آج صبح ہوائی جہاز کے ذریعہ نئی دہلی سے یہاں پہنچے۔ اور پہنچنے کے فوراً بعد ہی حالیہ فسادسے متاثرہ محلوں کا دورہ شروع کر دیا۔ اس دورہ میں بھوپال پارلیمنٹ کی ممبر بیگم ایم سلطانہ جبلپور کے میئر بی پی تیواری ریاستی نائب وزیر مسٹر جگ موہن داس، پردیش کانگریس کے صدر مسٹر ایم سی ویش مہرا، کمشنر سی ایل گپتا اور سینئر سپرنٹنڈنٹ پولیس مسٹر دلیش مکھ بھی ان کے ساتھ تھے۔ مسز گاندھی نے ہر جگہ لوگوں سے فرداً فرداً ان کی شکایتیں سنیں انہیں ہزاروں عوام نے گھیر رکھا تھا۔ ایک جگہ دہ بہیں مجبوراً پولس کی لاؤڈ سپیکر وین سے مدد لینی پڑی اور انہوں نے عوام سے اپیل کی کہ وہ ان کا راستہ نہ روکیں لیکن لوگ انہیں گھیرے رہے، ہر شخص ان سے بہ منت درخواست کرتا تھا کہ اس کے سامنے گھر چلیں اور دیکھیں کہ فسادیوں نے اس کا اور اس کے گھر والوں کا کیا حال بنا رکھا ہے۔

اس تفصیل سے اندازہ ہوتا ہے کہ جبل پور کے آشفتہ بخت اور تباہ حال مسلمانوں کو مسز اندرا کی صورت میں ایک ہمدرد ہستی نظر آئی تو وہ ان کے گرد اس طرح جمع ہو گئے جیسے چشمہ شیریں کے گرد دم و مرغ و مور جمع ہو جایا کرتے ہیں۔

اندرا نہرو کی بمبئی میں شری اسمٰعیل کے ہاں دعوت

دورہ پورا کرنے کے کچھ عرصہ بعد موصوف بمبئی تشریف لائیں، وہاں شری اسمٰعیل نے انہیں اپنے ہاں مدعو کیا اور اس سکوپ میں اور بھی بہت سے لوگوں کو دعوت دی۔ یہ بڑا شاندار اجتماع تھا اور اس اجتماع میں موصوفہ نے جو تقریر کی وہ بھی یادگار رہے گی۔

روزنامہ خلافت بمبئی نے ۱۶ مارچ کی اس دعوت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

آج ڈومنین ری پبلک کے قونصل جنرل شری ایچ ایچ اسماعیل اور ان کی اہلیہ صاحبہ کی جانب سے شریمتی اندرا گاندھی سے ملاقات کے سلسلہ میں محترمہ بن ہشر اور کانگریسی لیڈروں کو جن میں اکثریت مسلمانوں کی تھی۔ افطار اور عشائیہ میں مدعو کیا

گیا۔

یہ تقریب انتہائی سادگی لیکن نفاست کے ساتھ شری ایچ ایچ اسمٰعیل کی رہائش گاہ پر بھوگنج واقع پیڈر روڈ پر انعقاد پذیر ہوئی جس میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے وزیر اعلا بمبئی شری وائی بی چوہان نے بہ نفس نفیس شرکت فرمائی اس موقعہ پر پروگرام کے مطابق ٹھیک چھ بجے شام تقریباً ایک سو دس معزز مہمانوں کا جن میں عوامی لیڈر، سیاسی، ماہرین تعلیم، صنعت کار اور سوشل ورکر تھے خیر مقدم کیا گیا۔ سوا چھ بجے ریاستی وزیر خوراک، ہاؤسنگ پرنٹنگ پریس، اوقاف شری غیاث الدین قاضی اور آپ کی اہلیہ صاحبہ کا استقبال کیا گیا جبکہ ۶ بجکر ۳۰ منٹ پر شریمتی قاضی اور شریمتی اسماعیل اور ان کے ارکان خاندان شریمتی اندرا گاندھی کا استقبال کیا اور چند ہی لمحوں بعد معزز مہمانوں سے موصوفہ کا تعارف کرایا گیا جو ہر مہمان سے محو تکلم رہیں اور اس کے بعد چھ بجکر ۲۵ منٹ پر افطار اور عشائیہ کا پروگرام بروئے عمل لایا گیا اور ساڑھے سات بجے شری اور شریمتی ایچ ایچ اسمٰعیل کی جانب سے ہار پھول پیش کئے گئے جس کے فوراً ہی بعد صدر تقریب شری سید غیاث الدین قاضی نے ایک مختصر مگر جامع تقریر کی۔

موصوف نے اپنی تعارفانہ اور استقبالیہ تقریر کے دوران مولانا آزاد کی تعلیمی اسکیم پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ وہ سکیم کے تحت مرہٹواڑہ اور دور دور کے مسلمانوں کے معیار زندگی کو بلند کرنا چاہتے ہیں۔

اپنی تقریر میں موصوف نے مذکورہ اسکیم کے تحت اقتصادی ثقافتی اور تعلیمی میدان میں کمزور مسلمانوں کو ایک نئی زندگی دینے سے متعلق کی جانے والی سرگرمیوں کی جھلک پیش کی اور مسلمانوں کو ملک کی تعلیمی سرگرمیوں میں حصہ لینے اور قوم کی خدمت کے لئے خود کو وقف کر دینے کی ضرورت پر زور دیا۔ آپ کی موثر تقریر کے نتیجے میں حاضرین محفل میں سے بعض صاحب حیثیت مہمانوں کی جانب سے تقریباً چالیس سے پچاس ہزار روپیہ تک چندہ دینے کا اعلان کیا گیا۔

اندرا نہرو کی حقائق افروز تقریر

نڈر اور حق گو باپ کی نڈر حق گو بیٹی شریمتی اندرا گاندھی نے اپنی حقیقت

افروز تقریر میں جبل پور کے حالیہ فرقہ وارانہ فسادات کی شدید مذمت کی۔ محترمہ نے قومی یک جہتی، امتیازی اور اقلیتوں کے حقوق کے موضوع پر ایک مدلل تقریر کرتے ہوئے بھاونگر میں منعقدہ کانگریس کے سابقہ اجلاس میں اقلیتوں کے حقوق اور ان کی فلاح و بہبود سے متعلق منظور کی گئی قرارداد کا حوالہ دیا۔ انہوں نے کہا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کو ترقی کے برابر مواقع حاصل ہیں اور ان کے حق کی حفاظت کی جائے گی۔

آپ نے بھاونگر کے اجلاس میں تشکیل دی گئی نیشنل انٹرگریشن کمیٹی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا جو لوگ اس کے بارے میں اپنی رائے بھیجنا چاہتے ہیں وہ مجھے بخوشی لکھیں ان کے قیمتی مشوروں کا خیر مقدم کیا جائے گا۔

اس کمیٹی کا دوسرا اجلاس ممبئی میں ہونا قرار پایا ہے جو آئندہ ۷ اپریل کو منعقد ہوگا۔

اس تقریر کے کئی پہلو ہیں اور سب اعلیٰ درجہ اہم ہیں۔ ضروری ہے کہ انہیں پیش نظر رکھا جائے۔

اپنی تقریر میں بہ روایت روزنامہ انقلاب بمبئی انہوں نے کہا۔

بمبئی ۱۴ مارچ۔ دیس کو طرح طرح کے پھیلے ہوئے اختلافات اور جھگڑوں سے بچانے کے لئے آگ کی ان چنگاریوں کو پوری طرح بجھانا پڑے گا جو راکھ میں دبی ہوئی ہیں اور بار بار ابھرتی ہیں۔ جبل پور کے آخری واقعہ نے ہمیں چونکا دیا ہے حکام کی رائے میں جبل پور میرا جانا احتیاط کے خلاف تھا مگر میں نے فیصلہ کیا ہے کہ جبل پور میں مجھے پہلی فرصت میں جانا چاہیئے اور میں جبل پور پہنچ گئی۔ میں نے وہاں بہت تھوڑا دیکھا مگر تباہی کا جو حصہ میں دیکھ سکی اس سے میرے دل پر جو چوٹ پڑی ہیں اسے بیان نہیں کر سکتی۔

جبلپور کے واقعہ نے ہمیں چونکا دیا

آگے چل کر سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کہا۔

دراصل یہ صرف ہندو مسلم سوال نہیں ہے۔ جبل پور کے واقعہ سے تو اس کی خاص شکل ابھر آتی ہے۔ دیکھا جائے تو ملک میں سالہا سال کی باتوں سے لوگوں کے خیالات

میں کچھ ایسی چیزیں پائی جاتی ہیں جو ملک کے لئے خطرناک ہیں۔ یہ بات لوگوں کے سوچنے کے ڈھنگ میں ہے۔ آزادی کے بعد دلی اور پنجاب میں کیا ہوا۔ ہندو مسلم مسئلہ، ہندو سکھ مسئلہ بن گیا۔ زبان کا سوال ہوا تو مہاراشٹر گجرات کا معاملہ چلا۔ پھر آسام میں بنگالی اور آسامی کا جھگڑا ہوا مدھیہ پردیش میں ہندو جین فساد ہوا، اب جبل پور میں ہندو مسلم فساد ہوا۔

مجھے معلوم ہوا کہ جبل پور میں جین خطرہ محسوس کر رہے تھے کہ ہندو مسلم مسئلہ بن گیا۔ میں کہتی ہوں کہ اگر وہاں مسلمان نہ بھی ہوتے تب بھی یہ آگ ان لوگوں میں بھڑکتی جو وہاں ہوتے اس لیئے میں اس سوال کو عام نکتہ نگاہ سے دیکھتی ہوں۔ ہمیں بہت پہلے سے یہ خیال تھا کہ ملک میں جو خراب ذہنیت کام کر رہی ہے اس کا علاج کرنے کے لئے قدم اٹھایا جائے۔ میری صدارت کے زمانے میں بار بار اس پر غور ہوا۔ ہم نے کچھ قدم اٹھائے پر کچھ نہ کر سکے۔ جبل پور کے واقعہ نے ہمیں چونکا دیا۔ اس واقعہ سے ہمیں زبردست دھچکا پہنچا۔ ہم نے بھاؤنگر کے اجلاس میں جو قدم اٹھایا تھا اب وقت آ پہنچا کہ ہم فرقہ پرستی کی اس ذہنیت کے مقابلہ پر فیصلہ کن قدم اٹھائے جائیں۔

میں چاہتی ہوں کہ ہر وہ شخص جو مشورہ دے سکتا ہے یا کوئی تجویز پیش کر سکتا ہے اپنی رائے یا تجویز لکھ کر ہمیں بھیجے۔ میری تعلیم و تربیت اور گھر کا ماحول ایسا رہا ہے کہ میں ان اختلافات بھید بھاؤ سے دور رہی اور سمجھتی رہی کہ ساری دنیا اسی طرح سوچتی ہے اب دیکھتی ہوں کہ بہت سے خیالات ہیں مشکلات ہیں الجھاؤ ہیں اس لئے ان کو سب کی رائے حاصل کر کے حل کیا جا سکتا ہے۔ مجھے امید ہے بمبئی کمیٹی کے کنوینر اس سلسلہ میں مشاورتی میٹنگ بلائیں گے اور میں اپریل میں بمبئی کے سماجی کارکنوں کے خیالات معلوم کر سکوں گی۔ میں خود کچھ کہنے کے مقابلہ میں لوگوں سے ان کے دل کی بات سننا چاہتی ہوں اور ان کے تجربات جاننے کی آرزومند ہوں۔

اس تقریر میں بعض دوسرے پہلوؤں پر گفتگو کرتے ہوئے مسز اندرا گاندھی نے قومی زندگی کے اس اہم موڑ پر سیاسی کارکنوں اور اخباروں سے اپیل کی کہ وہ جذبات سے بالاتر ہو کر ٹھنڈے دل سے رائے عامہ کو ہموار کرنے کی کوشش کریں کیونکہ تقریر اور تحریر کی گرمی سے وہ نیک مقصد حاصل نہ ہو سکے گا جسے ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

آخر میں اندراجی نے کہا کہ میں سمجھتی ہوں کہ اصل کام حکومت اور پولیس کا نہیں ہے

ملکہ رائے عامہ بنانے کا ہے۔ اس کام کے لئے حوصلہ مند آدمی تیار ہوں اور ذہنوں کی کایا پلٹ دیں۔ بہت سی مشکلات موجود ہیں مگر اب ہم دیر نہیں کر سکتے۔ بہت سے سوالات ہیں۔ حالات ہو سکتا ہے نہ سنبھلیں۔ غلطی ہوئی تو الجھن بڑھے گی۔ اس لئے ضروری ہے ان حالات کا مقابلہ پوری تیاری اور حوصلہ مندی سے کیا جائے۔ کیونکہ دیس ہم سے یہی چاہتا ہے۔

ایک حیرت انگیز انکشاف

اس تقریر میں اندرا مہرونے ایک حیرت انگیز انکشاف کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے وزیر اعظم کی بیٹی کانگریس کی سابق صدر اور ملک کی نہایت ہی ممتاز خاتون کے ساتھ بھی جبل پور کے حکام اور پولیس کا رویہ کیا تھا۔

اس تقریر کا ایک حصہ۔

آپ نے جبل پور کے فرقہ وارانہ فسادات پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ جب وہ جبل پور کے دورہ پر گئیں تو بعض حکام نے یہ کہہ کر انہیں دورہ سے باز رکھنے کی کوشش کی آپ کے دورہ سے لوگوں میں اور بھی اشتعال پھیلے گا۔ موصوفہ نے کہا کہ دورہ سے پہلے بھی مجھے بہت کچھ منع کیا گیا کہ آپ کے دورہ سے اگر فسادات پھر سے بھڑک پڑے تو اس کی ذمہ داری کس پر ہوگی۔

شریمتی اندرا گاندھی نے کہا پولیس اور بعض حکام کی جانب سے منع کئے جانے کے باوجود میں جبل پور اور ساگر کا دورہ کرنے کے لئے گئی اور وہاں مسلمانوں کی تباہ حالی کا دردناک منظر دیکھا۔ لیکن جب مجھ کو بہت زیادہ مجبور کیا گیا تو میں نے مزید فساد زدہ علاقوں کا دورہ مجبوراً منسوخ کر دیا۔ آپ نے دبی زبان میں یہ بتانے کی کوشش کی کہ پولیس نے بھی جانبداری سے کام لیا اور مجھے مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی کرنے کا موقع نہیں دیا پولیس نہیں چاہتی تھی کہ وہاں جاؤں۔

جو باتیں اندرا مہرونے کہیں وہ صرف وہ ہی کہہ سکتی تھیں۔ جس افسوس اور رنج و غم کے ساتھ اپنے تاثرات کا اظہار کیا وہ انہی کا اور صرف انہی کا حصہ تھا۔

روزنامہ خلافت کا ایک اداریہ

روزنامہ خلافت بمبئی نے اس تقریر پر رائے زنی کرتے ہوئے لکھا۔

گذشتہ کل ہز ایکسی لینسی ایچ ایچ آئینل قنصل جنرل ڈومینکن ری پبلک کی جانب سے دیئے گئے خصوصی ڈنر میں ہندوستان کے سب سے بڑے ہر دلعزیز اور نڈر حق گو وزیر اعظم جناب پنڈت جواہر لال نہرو کی صاحبزادی مسز اندرا گاندھی نے جبل پور کے فسادات اور اقلیتی فرقہ کی تباہی کا جس انداز میں تذکرہ کیا۔ نیز فرقہ پرستی کی اس شدید لعنت کی بھی مذمت کی اس کا ہر انسان دوست طبقہ نے پر جوش خیر مقدم کیا۔ علاوہ اس کے ذمہ داران امن و قانون نے جبل پور کے فسادات کے موقعہ پر جس جانبداری کا بدترین مظاہرہ کیا وہ خود شریمتی اندرا گاندھی کے دورہ جبل پور میں جس جس طرح سے نمایاں ہوا ہے، اس کی وہ یقیناً ایسا نہیں ہے جسے نظر انداز کیا جائے۔ حق گو باپ کی حق گو بیٹی نے فرقہ پرستی کے بھوت اور اس کی وسعت اور طاقت کو خاطر میں لائے بغیر اپنے جن تاثرات کا اظہار کیا نیز تباہی و بربادی کے ان اصنام کو توڑنے کے لئے جن عزائم کا اظہار کیا وقت کا غیر جانبدار اور انصاف پسند مورخ انہیں یقیناً آب زر سے لکھے گا۔ ہمیں یقین کامل ہے کہ امن و انسانیت کی عظیم شاہراہیں بہت جلد تعمیر ہو کر رہیں گی اور ان کی تعمیر میں آڑے آنے والی ہر طاقت اپنے تمام پر پرزوں کے ساتھ خود بخود تباہ ہو کر رہ جائے گی۔

بمبئی کے دوسرے اخبارات مثلاً انقلاب اور اجمل اور غیر مسلم اخبارات ٹائمز آف انڈیا وغیرہ نے بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا۔

پنڈت نہرو کی پکار

"نہ سمجھوگے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستان والو

(اقبال)

پنڈت نہرو اس حادثہ سے بہت زیادہ متاثر ہوئے ان کا دل خون کے آنسو رو دیا — انہیں اپنی قوم کی سفاکی پر بھی رونا آرہا تھا۔ اور مہذب دنیا میں اپنے ملک کی بدنامی پر بھی۔ انہوں نے حکام کو بھی ملامت کی۔ قوم کو بھی لتاڑا — رفیقوں اور ساتھیوں کو بھی پھٹکارا — کانگریسی کارکنوں اور زعیموں کو بھی ڈانٹا — جہاں تک ان کی ذات کا تعلق تھا انہوں نے اس دھبہ کو دھونے میں اور اس داغ کو مٹانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا — یہ دوسری بات ہے کہ وہ اپنے مقصد اور اس آرزو میں کامیاب نہ ہو سکے۔

جبل پور کا فساد ہمارے لئے باعث شرم ہے

نئی دہلی کے ایک اہم جلسہ کی روداد دیتے ہوئے آل انڈیا ریڈیو نے بتایا کہ:۔

بھارتی وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے آج یہاں کہا کہ بھارت کے وقار کو کسی چیز سے اتنا نقصان نہیں پہنچا جتنا کہ جبل پور کے فرقہ وارانہ فسادات سے پہنچا ہے۔ پنڈت نہرو نے اعلان کیا کہ اگر یہ رجحان جاری رہا تو اس بارے میں کوئی شک نہیں کہ بھارت تباہ ہو جائے گا۔

پنڈت جواہر لال نہرو سیوک سماج کی کل ہند کانفرنس سے خطاب کر رہے تھے آپ نے کہا بھارت میں اب بھی زبان، ذات پات، صوبائی تعصب اور فرقہ وارانہ اختلاف موجود ہیں۔ آپ نے اس سلسلہ میں جبل پور کے فسادات کو شرمناک قرار دیتے ہوئے کہا کہ ان فسادات سے ساری دنیا میں بھارت کا سر شرم سے جھک گیا ہے۔

آپ نے کہا۔ مدھیہ پردیش میں جبل پور اور دوسرے شہروں کے حالیہ فسادات سے بھارت کے بین الاقوامی وقار کو ٹھیس پہنچی ہے ان فسادات سے بھارت کی وقعت کم ہوگئی۔

آج دہلی میں کل ہند کانگریس کے صدر مسٹر سنجیوا ریڈی نے بھی بھارت میں فرقہ پرستی کے رجحانات کی مذمت کی اور اعلان کیا کہ آئندہ کانگریس کسی بھی فرقہ پرست یا رجعت پسند پارٹی سے تعاون نہیں کرے گی۔ مسٹر سنجیوا ریڈی ایک پریس کانفرنس سے خطاب کر رہے تھے۔ آپ نے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ فرقہ وارانہ جماعتوں پر پابندی لگانے کا تعلق حکومت سے ہے جہاں تک کانگریس پارٹی کا تعلق ہے وہ سیاسی سطح پر فرقہ وارانہ جماعتوں کا مقابلہ کرے گی۔

اسٹیٹسمین کی ایک رپورٹ

۲۵ اپریل ۱۹۶۱ء کے روزنامہ اسٹیٹسمین (دہلی) اس وقت میرے سامنے ہے اس کے اسٹاف کارسپونڈنٹ نے بھوپال سے ۲۴ اپریل کو جو رپورٹ بھیجی وہ یہ ہے۔

مدھیہ پردیش کانگرس کمیٹی کے اجلاس میں آج پنڈت نہرو نے اپنی ساٹھ منٹ سے زیادہ کی لمبی تقریر میں نہایت سختی کے ساتھ فرقہ پرستی کے خلاف اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں کہا۔ مدھیہ پردیش کے حادثہ نے ہمارے سر شرم سے جھکا دیئے ہیں۔ اس سے ساری دنیا میں بھارت کی رسوائی ہوئی ہے۔ یوں تو اس حادثہ کی تحقیقات ہوگی مگر جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ دکھ پہنچایا ہے وہ یہ ہے کہ آزادی ہند کے ۱۳ سال کے بعد ایسا حادثہ کس طرح رونما ہوا۔ جو کچھ ہوا ہے اس کی بڑی حد تک ذمہ داری کانگرس کی غفلت شعاری پر عائد ہوتی ہے

کانگریسیوں نے اس آشوب کو روکنے کے لئے کوئی کوشش نہیں کی۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا فساد کو روکنے پر کوئی کانگریسی قتل ہوا یا زخمی ہوا۔ یہی ثبوت ہوسکتا تھا۔ اس بات کا کہ کانگریس نے اپنی طرف سے قتل و غارت گری کو روکنے کی پوری کوشش کی تھی۔ ایسا نہیں ہوا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کانگریس ایسے حالات سے دوچار ہونے کی سکت نہیں رکھتی میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آشوب جبل پور کے وقت کانگریسی اصحاب کہاں تھے؟ کیا وہ اپنے گھر میں پردہ نشین خواتین (PERDA-LADIES) کی طرح چھپے ہوئے نہیں تھے؟

اسٹیٹسمین کی ایک اور رپورٹ

۳۰ اپریل ۱۹۶۱ء کو لکھنؤ کے ایک بہت بڑے جلسہ عام میں پنڈت نہرو نے ایک اثر انگیز اور مبنی بر حقائق تقریر کی۔ اسٹیٹسمین نے اس کی جو روداد شائع کی اس کا ایک حصہ یہ ہے۔

پنڈت نہرو نے کہا۔

ہمارے پاس ذہین اور قابل آدمیوں کی کمی نہیں ہے۔ لیکن رونا یہ ہے کہ بعض وقت یہ قابل اور تعلیم یافتہ لوگ بھی فرقہ پرستی کے سلسلہ ذات پات کے دھارے میں بہہ جاتے ہیں۔ مسلم فرقہ پرستی تقسیم ہند کے بعد رخصت ہوگئی لیکن ہندو فرقہ پرستی کا مکروہ چہرہ برابر سر اٹھا رہا ہے پنجاب میں یہ چیز بھی موجود ہے۔ اگر ہندو فرقہ پرستی نے سر اٹھایا تو قومیت کی بنیاد ہل جائے گی۔ جبل پور اور دوسرے مقامات کے حادثات اس حقیقت کے مظہر ہیں کہ ہمارا دماغ غدار ہے۔ اس طرح کے حادثات کی خبر سن کر میرا دل خون ہو جاتا ہے، ہندوستان کے گہوارے میں ہندو مت اسلام اور دوسرے مذاہب برابر چڑھتے رہے ہیں، لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں جیسا کہ ہندو جو اکثریت میں ہیں اقلیت کو اپنا غلام بنا لیں گو یا۔ ماضی میں ہندوستان اپنی رواداری کے باعث شہرت رکھتا تھا۔ یہ شہرت اب بھی برقرار رہنی چاہیئے۔

نہرو کے جذبات اتحاد کا ردِ عمل

لیکن پنڈت نہرو کے ان اتحاد پرور جذبات کا ردِ عمل صوبائی ریاستوں وہاں کے کارپردازوں، حکام، پولیس اور دوسرے اصحاب اقتدار پر کیا ہوتا ہے اس کا اندازہ ذیل کی ایک خبر سے ہوگا۔ جو اپریل ۱۹۶۱ء کے متعدد ہندوستانی اخبارات میں شائع ہو چکی ہے۔

خبر یہ ہے۔

کانپور ۳ اپریل۔ شری ٹنڈن ایڈووکیٹ نے ریاستی وزیر داخلہ چودھری چرن سنگھ کو ایک عرضداشت بھیج کر یہاں کے شرما نامی ایک پولیس افسر کے خلاف یہ انکشاف کیا ہے کہ جب وہ ۲۸ مارچ کو کچہری سے واپس آرہے تھے تو افسر مذکور نے ان سے کہا کہ وہ خدا بخش کے مقدمہ کی پیروی نہ کریں کیونکہ وہ مسلمان ہے شری شرما نے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ مسلمانوں کو ہمارے وزیر اعظم کی وجہ سے پناہ ملی ہے جو بڑی شرمناک بات ہے۔ شری ٹنڈن سے افسر مذکور نے یہ بھی کہا کہ تمہیں شرم آنی چاہیئے کہ تم بھی وزیر اعظم کی طرح مسلمانوں کی حمایت کرتے ہو ــ شری ٹنڈن نے اپنی درخواست میں مزید لکھا ہے کہ انہوں نے شرما کو منع کیا کہ وہ ایسی باتیں نہ کرے کیونکہ ان سے فرقہ وارانہ کشیدگی پھیل جانے کا اندیشہ ہے۔ اس پر افسر مذکور نے انتہائی غلیظ اور فحش الفاظ میں گالیاں دیں، جب شری ٹنڈن نے کہا کہ وہ اس معاملہ کی رپورٹ آئی جی پولیس کو کریں گے اس پر شرما نے آئی جی کا نام لے کر بھی مغلظات بکنا شروع کر دیں۔ اس کے علاوہ شری ٹنڈن نے بتایا ہے کہ انہوں نے قومی مفاد کے پیش نظر شرما کی گالیاں صبر و ضبط کے ساتھ سن لیں اور خاموشی سے گھر چلے آئے۔ انہوں نے کہا اگر اس وقت تکرار میں الجھ جاتے تو فرقہ وارانہ کشیدگی پھیل جانے کا اندیشہ تھا۔ لیکن افسر مذکور آپے سے باہر ہو چکا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر شری ٹنڈن کو پکڑ لیا اور انہیں جسمانی اذیت پہنچانے کی کوشش کی جس پر کچہری سے آتے ہوئے تمام لوگ جمع ہو گئے اور بھیڑ لگ گئی اور کئی اشخاص نے درمیان میں پڑ کر شری ٹنڈن کو چھڑا لیا۔ جس مقدمہ پر سریندر پال شرما نے اعتراض کیا ہے وہ خدا بخش نامی ایک شخص نے اس کے خلاف مقدمہ دائر کیا ہے اور شری ٹنڈن اس کی پیروی کر رہے ہیں۔ ملزم سریندر پال شرما پہلے کانپور میں تعینات تھا لیکن اب الہ آباد میں ہے اور پیشی پر حاضری کیلئے وہاں سے آتا ہے۔ اس حادثہ کے بعد شہر کے قانون دان نیز سیاسی

مطالبۂ تحقیقات کا حشر

ڈاکٹر کاٹجو وزیراعظم مدھیہ پردیش کی نوائے بد

خلقت بہ منت یکطرف، آں شوخ تنہا یکطرف

حلقوں میں بے چینی پھیل گئی ہے۔ شری ٹنڈن بہت پرانے قومی اور سیاسی کارکن ہیں یہ جنگ آزادی کے سلسلے میں کئی بار جیل جا چکے ہیں۔

ڈاکٹر کاٹجو

کر دیا سفاک نے میدان صاف

کبھی مجھے شعر و شاعری سے دلچسپی تھی۔ کبھی کبھی غزل کے اشعار کہہ لیا کرتا تھا اس زمانہ کا ایک شعر ہے۔

دامن پہ تیرے داغ ہے خونِ شہید کا
یہ مٹ نہیں سکتا، تو اسے دھو نہیں سکتا

یہ شعر جتنا ڈاکٹر کاٹجو پر صادق آتا ہے کسی بت بد خو پری فن پر صادق نہیں آسکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر کاٹجو اپنی ذات صفات اور خصوصیات کے اعتبار سے یکتا و یگانہ بے ہمتا اور بے نظیر ہیں — وہ وسطی ہند کی ایک مسلمان ریاست — جاورہ — کے رہنے والے ہیں۔ اس مسلمان والی ریاست کے ان پر بے شمار احسانات ہیں جس کا وہ کبھی اقرار بھی کر چکے ہیں۔ ان کی زندگی کا معقول حصہ پنڈت موتی لال نہرو کے زیر سایہ بسر ہوا جن کے مسلمانوں سے برادرانہ اور دوستانہ تعلقات ضرب المثل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ موتی لال کے بعد زندگی کا بڑا حصہ جواہر لال کی رفاقت میں بسر ہوا۔ جواہر لال کے سیاسی افکار اور سماجی اطوار سے کتنا ہی اختلاف کیا جائے لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ذاتی طور پر وہ نہ صرف انتہائی غیر متعصب ہیں بلکہ حد درجہ مسلم دوست بھی ہیں لیکن کتنی عجیب بات ہے کہ ڈاکٹر کاٹجو نے نہ موتی لال سے

پیش لفظ

جبل پور میں ایک انفرادی واقعہ کو قومی سوال بنا دیا گیا۔ ایک فرد کے جرم کو۔۔اگر وہ جرم ثابت ہو سکے۔۔۔ ساری قوم کا جرم بنا دیا گیا اور مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا گیا۔ ان کی دکانیں لوٹی جانے لگیں۔ ان کے مکانات جلائے جانے لگے، ان کی عورتوں کی عصمت دری کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان کے بچے موت کے گھاٹ اتارے جانے لگے۔ ستم یہ ہے کہ ان مسلمانوں کو جن کا واردات سے کوئی تعلق نہ تھا جو جبل پور شہر کے نہ رہنے والے تھے نہ وہاں موجود تھے آگ میں جلا جلا کر خاکستر کر دیا گیا۔

سے کہاں روز مکافات اے خدائے دادگیر؟

یہ حادثہ بہت بڑا المیہ تھا۔ اس نے ہندوستان کو دوسرے ممالک میں بدنام کیا۔ پنڈت نہرو نے جو ساکھ اس ملک کی قائم کر لی تھی وہ متزلزل ہو گئی۔ ساری دنیا نے اس سفاکی، درندگی، شقاوت اور نسل کشی پر اظہار ملامت کیا صدائے احتجاج بلند کی لیکن جتنے پنڈت نہرو بے بس تھے کیونکہ وہ از روئے قانون صوبوں کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کر سکتے اس سے زیادہ ڈاکٹر کاٹجو بے بس تھے جس کے ہاتھ میں صوبے کی عنان انتظام ہے اور وہ صوبے کے نظم و امن کے ذمہ دار ہیں اور جو از روئے قانون اقلیتوں کی جان و مال اور آبرو کے محافظ ہیں۔

کیا دنیا میں اس ستم ظریفی کی کوئی مثال مل سکتی ہے؟

رہا تھا۔ پولیس کے انتہائی مخلصانہ تعاون سے مسلمانوں پہ حملے ہوتے وہ لٹے پٹے مرے مگر وہ نیرو کی طرح چین کی بانسری بجانے میں مگن رہے۔

بھوپال کے علاوہ مدھیہ پردیش کے متعدد شہروں میں ایک طرف فسادات ہوئے۔ ———————————— لیکن مدھیہ پردیش کے کان پہ جوں تک نہیں رینگی ——— اور آخر جبل پور کا المناک ترین حادثہ رونما ہوا مگر ڈاکٹر صاحب نے اس قتلِ عام کو بھی کوئی خاص اہمیت نہیں دی جس طرح بھیڑوں بکریوں کے قتل کی کوئی خاص اہمیت نہیں دی جاتی۔

ڈاکٹر صاحب کے بارے میں ہم نے جو خیالات کا اظہار کیا ہے وہ تنہا ہمارے نہیں بلکہ ایک دنیا کے ہیں۔ انہوں نے یہ تک نہ کیا کہ غیر جانبدارانہ تحقیقات کا مطالبہ قبول کر لیتے۔ ان کے اندازِ حکمرانی کے متعلق ذیل میں کچھ مواد جو زبانِ خلق اور واقعات و حقائق پر مبنی ہے پیش کیا جاتا ہے۔

———— — — — -

اثر قبول کیا نہ جواہر لال سے۔

ڈاکٹر کاٹجو کانگریس میں اس وقت سے شریک ہیں جب کانگریس صحیح معنوں میں ایک متحدہ مرکز تھی جب تعصب سے اسے کوئی سروکار نہ تھا۔ جب اس میں وہ لوگ شریک نہیں تھے جو مسلمانوں کے دشمن تھے بلکہ کانگرس صرف ان لوگوں سے عبارت تھی جو ہندو مسلم امتیاز سے ماوراء ہو کر صرف ہندوستان کی طرف سے جدوجہد آزادی میں کانگرس کے پرچم تلے سرگرمی کے ساتھ حصہ لے رہے تھے مگر کمال دیکھئے، اس فضا کا بھی ڈاکٹر صاحب نے کیا مجال ہے، جو ذرا سا بھی اثر قبول کیا ہو!

ڈاکٹر صاحب کی تنگ دلی، تنگ نظری، تعصب، عدم رواداری اور نہایت پست قسم کی مسلم دشمنی کوئی ایسی حقیقت نہیں ہے جو آج منکشف ہو۔ ان کے روشناس ہمیشہ ان کے اس رویہ سے واقف ہیں۔

کانگرس نے جب تک مرکز میں وزارت قبول نہیں کی تھی ڈاکٹر صاحب حد درجہ تنگ دل اور متعصب ہونے کے باوجود بے ضرر تھے۔ ان کی مثال وہی تھی جو زہریلے دانت نکلنے سے پہلے سانپ کی ہوتی ہے لیکن جب کانگرس نے مرکز میں وزارت قبول کی تو جواہر لال نہرو نے مرکزی وزارت میں انہیں شریک کر لیا اور محض اس لئے قبول کر لیا کہ وہ اپنے ایک دیرینہ نیاز مند کو انعام سے محروم نہیں رکھنا چاہتے تھے۔

مرکزی وزارت کے دور میں ڈاکٹر کاٹجو نے بارہا مسلمان صحافیوں کو نصیحت کی کہ ہندو مسلم اتحاد کے لئے وہ "ظالم" مسلمان فرمانرواؤں، محمود غزنوی اور عالمگیر وغیرہ کو جلا جیاں سنا دیا کریں۔ حافظ علی بہادر خاں ایڈیٹر دورِ جدید دہلی کی کتاب اس عمل کا ردِّ عمل ہے۔

پھر جب کانگرس نے والیانِ ریاست سے کئے ہوئے معاہدوں کو طاق نسیاں پر رکھا تو وسطی ہند کی تمام چھوٹی بڑی ریاستوں کا استحکام ختم کر دیا اور صوبجات متوسطہ میں ان کا انضمام کر دیا اور یوں مدھیہ پردیش کے نام سے ایک صوبہ عالم وجود میں آگیا جو ہندوستان کے تمام صوبوں میں سب سے بڑا صوبہ ہے، یوپی سے بھی بڑا جواہر لال نے ڈاکٹر کاٹجو کو ان کے وطن واپس بھیج دیا کہ — جا اور شہنشاہی کر ڈاکٹر کاٹجو صوبہ کے نئے دارالحکومت پہنچے اور وہی کرنے لگے۔

ڈاکٹر صاحب کے دورِ حکومت میں مسلمانوں کی بار بار شامت آئی۔ حد یہ ہے کہ بھوپال تک میں جو اسلامی تہذیب و ثقافت کا مدتوں سے گہوارہ چلا آ

مگرمچھ کے آنسو

——— حقیقت کا اداریہ

لکھنؤ کے ایک کانگریسی اور بہت قدیم نیشلسٹ اخبار روزنامہ "حقیقت" نے ڈاکٹر کاٹجو کی اس تقریر کی طرف جس میں انہوں نے مسلمانوں کو مشورہ دیا تھا کہ محمود غزنوی اور عالمگیر وغیرہ کو گالیاں دیا کریں نیز بھوپال کے سابقہ اور جبل پور کے حالیہ فساد کے پیش نظر ڈاکٹر کاٹجو پر یکم مارچ ۱۹۶۱ء کو جو تبصرہ کیا ہے وہ یہ ہے۔

مدھیہ پردیش کے وزیر اعلیٰ ڈاکٹر کاٹجو کے پانچسالہ دورِ حکومت میں دو فسادات ہوئے جن میں سے ایک صرف بھوپال کی چوحدی کے اندر محدود ہو کر رہ گیا لیکن دوسرا فساد جبل پور میں ایسا ہولناک اور ایسی درندگی کے ساتھ ہوا کہ جس سے دنیا لرز کر چیخ اٹھی اور آخر کار کانگریس ہائی کمان کو بھی متحرک ہونا پڑا۔ غالباً اس نوٹ کے تحت کہ جہاں ان بن کرتے ہیں کہیں میری ذات نہ ملوث سمجھی جائے۔ ڈاکٹر کاٹجو نے تان سین کے سالانہ عرس کا افتتاح کرتے ہوئے گوالیار میں عوام سے اپیل کی کہ ہر شخص تان سین کی روح کو حاضر ناظر جان کر یہ حلف اٹھائے کہ اب ہم انسانی خون سے ہولی نہ کھیلیں گے بلکہ آپس میں بھائی بھائی کی طرح رہیں گے۔

ڈاکٹر کاٹجو کی یہ زود پشیمانی مگرمچھ کی کہانی کی یاد دلاتی ہے جس نے سینکڑوں دوسرے دریائی جانوروں کو ہڑپ کرنے کے بعد دعائے توبہ پڑھ لی تھی۔ ڈاکٹر کاٹجو کی ذات محتاج تعارف نہیں ہے۔ آپ اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ اپنی تقریروں میں مسلم اقلیت کے خلاف زہر اگل چکے ہیں جن میں وہ تقریر آپ کی بہت مشہور ہے جو کہ

مگرمچھ کے آنسو

مدھیہ پردیش کے وزیراعلےٰ ڈاکٹر کاٹجو نے کہا ہے کہ جبل پور شمشان بھومی کا منظر پیش کر رہا ہے ... وہ کل جبل پور پہنچے تھے ڈاکٹر کاٹجو نے اخباری نمائندوں کو بتایا کہ جبل پور میں بڑی تباہی ہوئی ہے۔ آپ نے کہا مجھے اس تباہی سے حد افسوس ہوا ہے میں اس شہر میں پھر زندگی کی چہل پہل دیکھنا چاہتا ہوں۔

تین سو سے زیادہ خاندان پناہ گزین کی زندگی مسجدوں مقبروں اور معتبر آدمیوں کے مکانوں میں گزار رہے ہیں ان کے وارث کچھ قتل ہوئے اور جو باقی بچے جبل پور جیل میں ہیں۔ لہٰذا دوبارہ بساؤ کے لئے ان عورتوں کے وارثوں کو فوراً رہا کیا جائے تاکہ وہ اپنے بال بچوں کی پرورش کر سکیں اور اپنے نقصانات حکومت کو بتا سکیں۔

امن کی فضا بحال رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ مسلمان پناہ گزینوں کا جب تک دوبارہ بساؤ نہ ہو جائے اس وقت تک ان کو غلہ وغیرہ ضرور دیا جائے تاکہ بھوک وغیرہ کے واقعات پیش نہ آئیں۔

دوبارہ بساؤ کی امداد کے علاوہ فوری طریقہ پر بحالِ امن کے لئے تباہ شدہ افراد کو کاروبار کرنے کے لئے بھی مالی امداد دی جائے تاکہ لوگ اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکیں۔ جو امداد حکومت دے اس کو آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ کی بنائی ہوئی جبل پور اور ساگر کی مقامی ریلیف کمیٹیوں کے ذریعہ تقسیم کیا جائے۔

زخمی اور لٹے ہوئے مسلمان جو گھروں میں پناہ گزین ہیں ان کے مقدمات درج نہ ہوں۔ جن کے باعث اصل ملزمین آزادانہ گھوم پھر کر شہر کی فضا خراب کر رہے ہیں۔

جب ہر طرف سے ڈاکٹر کاٹجو پر بوچھاڑ ہوئی اور لے دے کا سلسلہ شروع ہوا تو انہوں نے نئی شرارت شروع کی اور سارا الزام صوبائی اسمبلی کے ایک بیان اور مرکزی حکومت کے نام ایک خفیہ رپورٹ میں مسلمانوں پر رکھ دیا۔

الجمعیۃ دہلی نے اس ستم ظریفی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔

ہم آج کے اداریہ میں صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ فسادات کی غیر جانبدارانہ رپورٹوں میں حملہ آور اکثریت کے فرقہ پرستوں کو قرار دیا گیا ہے لیکن مدھیہ پردیش کے وزیر اعلیٰ اپنی خفیہ رپورٹ اور اسمبلی کے بیان سے مرکزی حکومت کا پختہ ذہن بنا رہے ہیں کہ حملہ آور مسلمان تھے اور ہندوؤں نے محض مدافعت کی اور پولیس نے مسلمانوں کے حملوں کو ناکام بنا دیا ہے۔ ہم اس سال کے خونی اور یکطرفہ ہنگاموں میں بھی مسلمان ہی حملہ آور ہوں گے ــــ مگر لطف یہ ہے کہ سینکڑوں فسادات میں حملہ آور ہو کر وہ خود ہی نقصان اٹھاتے رہے تو مزید حملوں سے کیا فائدہ؟ مگر حملہ کرنے سے باز نہ آئے اور جبل پور میں بھی پرانی عادت کا مظاہرہ کر بیٹھے ــــ ہم وزیر اعلیٰ ڈاکٹر کاٹجو کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے وہ مرکزی حکومت کو جو سمجھانا چاہیں سمجھائیں مگر مظلوموں کا خون رائیگاں

آپ نے مرکزی وزیر دفاع کی حیثیت سے دہلی میں کی تھی اس ریکارڈ کے ساتھ ڈاکٹر کاٹجو ہرگز کسی ذمہ دار عہدے کے لائق نہیں ہیں ان حالات میں یہی مناسب ہوگا کہ پنڈت نہرو ان کو مدھیہ پردیش سے فوراً ہٹا دیں اور کسی معقول آدمی کو وزیراعلیٰ کی ذمہ داری سپرد کریں۔ اگر پنڈت جی نے اس معاملہ میں رعایت اور کمزوری سے کام لیا وہ دن دور نہیں جبکہ پنڈت جی خود ان کے ہاتھوں کافی بدنام ہو جائیں گے اور ان کی عام مقبولیت اور مرکزی گورنمنٹ کی ساکھ کو نقصان پہنچے گا۔

مسلم محاذ کی فریاد

۲۰ فروری کو آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ کے وفد نے جو حضرت مولانا سید شاہ مہراق صاحب صدر آل انڈیا مسلم متحدہ محاذ حضرت حامد علی صاحب فاروقی جنرل سیکریٹری اور حضرت مولانا سید مظہر ربانی جوائنٹ سیکریٹری پر مشتمل ہے۔

تین دن کے مسلسل شبانہ روز گشت کرنے کے بعد اپنی جانچ ختم کر لی اس کے بعد یہ وفد ۲۶ فروری کو صبح ساگر پہنچا۔ دو دن پھر متاثرہ علاقوں کا معائنہ کرتا اور مظلومین کے بیانات لیتا رہا۔ اب مفصل رپورٹ تیار کی جا رہی ہے جو بلد ہی پریس کو دے دی جائے گی۔

وفد نے گورنر آف مدھیہ پردیش۔ ڈی آئی جی پولیس۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس کمشنر صاحب، کلکٹر صاحب سے ملاقاتیں کیں اور بحالی امن و سلامتی کے لئے حسب ذیل تجاویز پیش کر کے زور دیا کہ جب تک ان پر عملدرآمد نہ ہوگا کسی طرح مسلمانوں کی شہری زندگی بحال نہ ہو سکے گی۔

ہمارے وفد نے جبل پور ٹاؤن میں نقصان کا اندازہ پچاس لاکھ روپے کا لگایا ہے اس لئے صوبائی حکومت کی ایک لاکھ روپے کی امداد نے مظلومین و تباہ شدہ افراد میں مایوسی پیدا کر دی ہے لہذا فوری طور پر بساؤ کے لئے حکومت کم از کم دس لاکھ روپے بطور امداد دے۔

مسجدوں اور خانقاہوں کو جس بڑے پیمانہ پر برباد کیا گیا ہے ان کو دیکھ کر ہر منصف مزاج کا قلب بڑی طرح متاثر ہو جاتا ہے لہذا فوری طور پر اُن کی مرمت کی جائے۔

علیحدہ قائم کرے تاکہ آبادکاری کے میدان میں بھی ایک صحت مند مقابلہ ہو سکے اور کام بہتر طریقہ پر چلے۔

لیکن صدر کانگریس کے ان ارشادات کو بھی ڈاکٹر کاٹجو نے درخور اعتنا نہ سمجھا۔

صوبائی اسمبلی میں بوچھاڑ

۱۶ مارچ کو مدھیہ پردیش اسمبلی کے اجلاس میں حادثہ جبل پور زیر بحث آیا اس موقع پر دور اندیش اور معاملہ فہم ممبروں نے متن کے بیان کرنے میں کوتاہی نہیں کی — بطور نمونہ۔

متعدد کانگریسی ممبران نے پر زور طریقہ پر مطالبہ کیا کہ ملک میں موجود فرقہ پرست جماعتوں کو نیست و نابود کر دیا جائے۔

شری بابولال پٹودی (کانگریس) نے تقریر کرتے ہوئے اس بات پر بہت افسوس کا اظہار کیا کہ ریاستی اسمبلی میں فرقہ پرست جماعت سے متعلق ایک ممبر نے مسلمانوں پر الزام لگایا کہ ان کی وفاداریاں دوسرے ملک کے ساتھ ہیں اس لئے ہم ان پر کیسے بھروسہ کر سکتے ہیں۔ میں کہنا چاہتا ہوں کہ وفاداری یا غیر وفاداری افراد سے ہو سکتی ہے پوری قوم اور جماعت سے نہیں ہو سکتی۔ کچھ لوگ ہندوؤں میں بھی غیر وفادار ہو سکتے ہیں۔ اور کچھ مسلمانوں میں۔ ہندوستان میں قدیم زمانہ سے پانچویں کالم کے لوگ رہے ہیں لیکن وہ کسی مخصوص کمیونٹی سے متعلق نہیں رہے ہیں آپ نے کہا کہ جب جبل پور میں جین اور ہندوؤں میں فساد ہوا تھا اس وقت وفاداری کا سوال نہیں پیدا ہوا تھا۔ آپ نے پر زور طریقہ پر مطالبہ کیا کہ ملک کی جمہوریت اور سیکولرازم کے تحفظ کے لئے یہ ضروری ہے کہ فرقہ پرستی کو ختم کیا جائے اور فرقہ پرست جماعتوں پر پابندی لگائی جائے۔ شری پاٹودی نے جنگ آزادی میں مسلمانوں کی زبردست قربانیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ مسلمانوں نے آزادی کی تحریک میں جس طرح حصہ لیا اس سے ہمارا سر اونچا ہے۔

مولانا آزاد کی قربانیاں

شریمتی کاشی دیوی (کانگریس) نے کہا کہ ایک سماج کے لوگ جس کام کو کرتے ہیں۔

پہنچ جائے گا

صدر کانگرس کے تاثرات

صدر کانگرس مسٹر ریڈی نے پبلک طور پر تو ڈاکٹر کاٹجو کے خلاف کوئی بیان نہیں دیا اور اصولاً وہ ایسا کر بھی نہیں سکتے تھے لیکن بھوپال کے ایک کانگرسی اجتماع میں ڈاکٹر کاٹجو کے سامنے ۱۷ مارچ کو انہوں نے کہا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کہنا چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر کاٹجو کو جو کرنا چاہیئے تھا وہ انہوں نے بالکل نہیں کیا۔

صدر کانگرس مسٹر ریڈی نے ساگر اور جبل پور کے بیشتر کانگرسی حضرات کے دماغی رجحان پر انتہائی شرمندگی کا اظہار کیا۔ موصوف نے یہ الفاظ ساگر اور جبل پور کے حالیہ دورہ کے بعد بھوپال میں کانگرس اسمبلی پارٹی کو خطاب کرتے ہوئے کہے اور ان دونوں مقامات کے فسادات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ فسادات کے دوران فرقہ واریت کو دور کرنے کے سلسلہ میں سرگرمی دکھائی ہے۔ موصوف نے کہا کہ بہتر ہے کہ ہم انتخابات کے موقع پر ناکام رہیں لیکن جہاں تک ملک کے سکولر مزاج کا سوال ہے اسے تو ہمیں بہرحال برقرار رکھنا چاہیئے۔

مسٹر ریڈی نے کہا کہ فساد زدہ علاقہ میں فسادات کے دوران مشکل حالات میں اچھا کام کیا ہے لیکن میں ڈاکٹر کاٹجو کے سامنے خود اپنے تاثرات بیان کرنا چاہتا ہوں — جبل پور میں فرقہ وارانہ فساد پھیلانے والے اخبار ہر قیمت پر بند کر دیئے جانے کے قابل ہیں۔ ایسے اخبارات کے اجرا کی اجازت ملک اور خدا دونوں کے سامنے بہت بڑا جرم ہے۔

مسٹر ریڈی نے کہا کہ آئین کیا ہے اور قانون کیا کہتا ہے؟ اسے ہم بعد میں دیکھیں گے سب سے پہلا اور ضروری کام تو یہ ہے کہ ایسے اخبار کے ایڈیٹر کو ایک آزاد شہری کی زندگی بسر نہ کرنے دی جائے اور اسے جیل میں بند کر دیا جائے۔

مسٹر ریڈی نے کہا کہ کانگریس پارلیمانی پارٹی کی جمع کردہ امدادی رقم آل پارٹی ریلیف کمیٹی کے حوالے کرنے کے حق میں نہیں ہوں کیونکہ اس سے کسی خاص جماعت کے مفاد کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ خود کانگریس اپنی امدادی کمیٹی

ایک جج کی بجائے تین ججوں سے انکوائری کرائی جائے تو اس پر بھی صوبائی سرکار نے کوئی توجہ نہیں دی۔

یہ الفاظ گزشتہ شب ریاستی کمیونسٹ پارٹی کے سیکریٹری کامریڈ کھنڈ کرنے مزدور سبھا کے ایک جلسہ عام میں کہے۔ جلسہ کی صدارت بھوپال مزدور سبھا کے جنرل سیکریٹری کامریڈ گوبند کر رہے تھے۔

کامریڈ کھنڈ کرنے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ کانگریس میں رجعت پسند عناصر موجود ہیں۔ ان کے اس عمل سے ملک کی آزادی کو بھی خطرہ پیدا ہوگیا ہے جو کافی قربانیوں کے بعد حاصل ہوئی ہے۔ آپ نے تمام ترقی پسند طاقتوں سے اپیل کی کہ وہ متحد ہو کر ان باتوں کے خلاف جدوجہد کریں۔

مئی یوم کے مزدوروں کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا کہ وہ امن بنائے رکھتے اور اپنے حقوق حاصل کرنے کی جدوجہد میں لگے رہیں — بین الاقوامی حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے تخفیف اسلحہ پر زور دیا اور امریکہ کی طرف سے جارحانہ حملہ روکنے کو کہا گیا آپ نے اس کی مذمت فرمائی۔

شاکر علی خاں ایم ایل اے نے تقریر کرتے ہوئے یوم مئی کی اہمیت پر روشنی ڈالی۔ آپ نے کہا کہ دنیا کے ہر گوشے میں مزدور تحریک کامیاب ہو رہی ہے۔ اور آج مزدور طاقت سامراجیوں سے زیادہ ہے دنیا کے ہر حصے پر مزدوروں کی حکومت ہے۔ ملک کے حالات پر بولتے ہوئے کہا کہ تیرہ سال گزرنے کے بعد بھی یہاں بیکاری، بیروزگاری ہے۔

فرقہ پرستی کی مذمت کرتے ہوئے آپ نے مزدوروں سے اپیل کی کہ وہ اس سے ٹکر لیں۔ آپ نے کہا کہ یہ بیماری چند غنڈوں ہی میں نہیں یہ سفید پوش غنڈوں میں بھی ہے جو اس کو چھپاتے ہیں۔ وزیراعظم پنڈت نہرو کے بارے میں آپ نے بتایا کہ کہ وہ اس پر زور دے رہے ہیں۔ کہ فساد زدہ علاقوں کے افسران کے تبادلے کئے جائیں لیکن کانگریس سرکار ان افسران کو بدلنا نہیں چاہتی۔ آپ نے الزام لگایا کہ وہ لوگ قاتل ہیں۔ ان کے ہاتھ خون میں رنگے ہوئے ہیں۔ آپ نے بتایا کہ وہ لوگ قاتل ہیں مگر انہیں تحقیقات کے نام پر روک دیا گیا۔

شاکر صاحب نے بتایا کہ جبل پور اور ساگر میں سرکار نے ایک ... ناظر رہے ... کہ

تو اس پر کوئی بھی اعتراض نہیں کرتا لیکن جب وہی کام دوسرے لوگ کرتے ہیں تو ان کے خلاف نعرے لگائے جاتے ہیں۔ مظاہرے ہوتے ہیں۔ کیا ہندو سماج میں اس قسم کی گھناؤنی نہیں ہوتیں۔

شری وی کے سکھ لیجیا (جن سنگھ) اور لکشمی نرائن گپتا (ہندو مہاسبھا) نے ایک خاص فرقہ کے لوگوں کے پانچویں کالم کی سرگرمیوں کی شکایت کی اور ان کے خلاف سخت کارروائی کرنے کی مانگ کی۔

مسٹر جگدیش جوشی (سوشلسٹ) نے کہا کہ جب ڈاکو لاکھن سنگھ مارا گیا تو ڈپٹی منسٹر فوراً ہی موقعہ پر پہنچے لیکن وہ فسادات کے دوران جبل پور نہیں گئے۔ آپ نے کہا کاٹجو وزارت ہر سال قتل و خونریزی اور فائرنگ کی مجرم ہے۔ وی کے سکھ لیجیا (جن سنگھ) نے کہا کہ ملک کی تقسیم سے یہ امید تھی کہ اب فرقہ وارانہ فسادات کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ لیکن اب یہ امید سراب ثابت ہوئی۔

شری ڈکشت ہوم منسٹر اور چیف منسٹر ڈاکٹر کاٹجو نے اپنی تقریروں میں پولیس کے کاموں پر اطمینان کا اظہار کیا اور قابل تعریف قرار دیا۔

مسٹر شاکر علی خاں (کمیونسٹ) نے ڈپٹی منسٹر اور چیف منسٹر کو جوابی تقریروں کے دوران ٹوکتے ہوئے کہا کہ یہ تصویر کا صرف ایک رخ ہے۔ پولیس جہاں اپنے فرائض انجام دینے میں ناکام رہی اس کا بھی ذکر کرنا چاہیئے۔

کاٹجو کا نامۂ اعمال

بے حد اہم معلومات پریس ٹرسٹ آف انڈیا کے ذریعہ

بھوپال ۲ مئی: جبل پور اور ساگر وغیرہ میں جن افسران کی موجودگی میں فرقہ وارانہ فسادات ہوئے ملک کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو یہاں واضح طور پر کہہ گئے کہ ان افسران کا تبادلہ کیا جائے — مگر ریاستی سرکار اس پر دھیان نہیں دے رہی۔ یہاں وزیر اعظم نے یہ بات بھی صاف کر دی تھی کہ فساد میں کن لوگوں نے کس پر ظلم کیا۔ اس کے بعد بھی سرکار اس پر دھیان نہیں دے رہی — ڈاکٹر کاٹجو نے کہا تھا سرکار اس بارے میں جانچ کر رہی ہے — لیکن جب کمیونسٹ پارٹی نے یہ مانگ کی کہ

بس کو مٹ کرشنامیمن کا اخبار سمجھا جاتا ہے اطلاع دی ہے کہ مدھیہ پردیش کے وزیر اعلے ڈاکٹر کاٹجو نے پیش کش کی ہے کہ وہ اپنے عہدے سے استعفےٰ دے دیں گے بشرطیکہ کانگریس ہائی کمان نے جبل پور کے فسادات کے دوران ان کو حکومت کے فرائض سے غفلت اور ناکامی کا ذمہ دار قرار دے دیا۔

اسی اخبار نے اپنی اسی اشاعت میں لکھا ہے کہ صدر کانگریس مسٹر سنجیوا ریڈی مدھیہ پردیش سے بہت ہی سنجیدہ واپس آئے ہیں کیونکہ فساد زدہ علاقوں میں ایسی ویرانی اور تباہی کی حالت موجود ہے جو کہ سرکاری غفلت کا نتیجہ ہے۔

یاد رہے کہ صدر کانگریس مسٹر سنجیوا ریڈی، کانگریس پارلیمنٹری پارٹی کے چار ممبروں کے وفد، اور مسز اندرا گاندھی نے اپنی اپنی رپورٹوں میں کہا کہ جبل پور کے فسادات کے لئے مقامی ایڈمنسٹریشن کی ناکامی دراصل صوبائی حکومت کی ناکامی ہے۔ یہ رپورٹیں اس وقت وزیر اعظم کے روبرو پیش ہیں۔ کانگریس ہائی کمان ان رپورٹوں پر جو متفقہ ہیں جلدی غور کرے گی اس خبر پر تبصرہ کرتے ہوئے یہاں کے بعض حلقوں نے کہا یہ بڑی حیرت انگیز بات ہے کہ صوبہ میں وسیع پیمانہ پر کشت و خون اور قتل و غارت کے بعد بھی مدھیہ پردیش کے وزیر اعلے کو اس بات کا انتظار ہے کہ کانگریس ہائی کمان ان کو مجرم قرار دے تو وہ اپنا عہدہ چھوڑ دیں گے حالانکہ ان کی جگہ کوئی غیرت مند اور حساس شخص ہوتا تو وہ خلوص اور دیانت کے ساتھ اپنی ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے استعفےٰ پیش کرتا اور پھر کانگریس ہائی کمان اس کو مجبور بھی کرتی تو ایسی ذمہ داری قبول نہ کرتا جس سے عہدہ برا ہونے کی وہ صلاحیت نہیں رکھتا۔

ڈاکٹر کاٹجو کی ذات و صفات پر اس بلیغ تبصرہ کرنے کے بعد کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

جواہرلال کی کاٹجو کو جھاڑ

صدر کانگریس سنجیوا ریڈی کی طرح جواہر لال بھی بھوپال پہنچے کہ جبل پور کے حادثہ خونیں پر وہاں کے اصحاب کار سے گفتگو اور تبادلہ خیال کریں اس موقع پر انہوں نے کانگریس کے چیدہ اور سر برآوردہ اجتماع میں اور ایک جلسۂ عام میں اپنے تاثرات کا اظہار

حاتم کی قبر پر لات ماری ہے جبکہ آسام میں فساد زدگان کی امداد کے لئے سرکار نے دو کروڑ پچاس لاکھ روپے دیئے۔ یہ مطالبہ نہیں کہ اتنی ہی رقم صوبہ کے فساد زدگان کو بھی دی جائے لیکن سرکاری طور پر ایک معقول رقم تو ان لوگوں کی آبادکاری اور بحالی پر خرچ کی جانی چاہیئے۔

ریاستی سرکار کی جانب سے مسلمانوں کے ان مکانوں کو ٹھیک کرایا جا رہا ہے جو فساد کی نذر ہو گئے اور ان مکانوں میں رہنے کے لئے مسلمان تیار نہیں۔ بہت کوشش کے بعد دس بارہ مسلمانوں کے خاندان اپنے مکانوں میں رہنے کے لئے گئے۔ ایک سکھ کانسٹیبل نے ایک لڑکے کو پتھر پھینکتے ہوئے دیکھ لیا۔ وہ اس کو پکڑ کر کوتوالی گیا مگر وہاں سے اسے چھوڑ دیا گیا ممبلہ میں عید کی نماز نہیں ہوئی یہ واقعات الگ ہیں لیکن اس کے بعد انانگی نام کی ایک جگہ پر ایک مزار کو جلا دیا گیا، ان باتوں سے کیا ظاہر ہو رہا ہے۔ جبل پور اور ساگر میں بعض ہندوؤں کو گرفتار کیا گیا جنہوں نے مسلمانوں کی حفاظت کی۔

اس موقعہ پر شاکر صاحب نے یہ بھی بتایا کہ دو سال قبل ایک ہندو بھائی اپنے مسلمان ہمسائے کو ضمانت پر رہا کرا کے لایا اس پر پولیس نے اس کے ساتھ مار پیٹ کی۔۔۔ وہ اس ہندو بھائی کو چیف منسٹر مسٹر کاٹجو صاحب کے پاس لے گئے۔۔۔ وہاں کاٹجو صاحب نے ان زخموں کو دیکھا جن سے خون بہہ رہا تھا۔ اس سلسلہ میں وزیر اعظم کو درخواست دی گئی مگر دو سال گزرنے کے بعد بھی اس کا جواب نہیں آیا۔

آخر ان باتوں کا مقصد کیا ہے ہم بستیوں میں رہ رہے ہیں یا جنگل میں رہتے ہیں پنڈت نہرو نے جس سچائی کا اظہار کیا ریاستی سرکار اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ ان تمام حالات کے باوجود یہاں مسلم لیگ بنائی گئی۔ مسلم لیگ انگریزوں کی توپ تھی جو انگریزوں کے جانے کے ساتھ ختم ہو گئی۔ آج پھر اس نام کو زندہ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

ستم ظریفی کی انتہا

آزاد خیال ممبروں کی گرما گرم گفتار کا ڈاکٹر کاٹجو پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ جب یورش زیادہ بڑھی تو بڑی معصومیت کے ساتھ فرمایا۔

نئی دہلی ۱۲ اپریل۔ دہلی سے شائع ہونے والے انگریزی کے ہفتہ وار اخبار جنگ نے

کہ اس طرح انہیں اس امر کا ذمہ دار قرار دیا جائے تاکہ کوئی اس طرح کا حادثہ رونما نہ ہو سکے، میں اسے ماننے کے لئے بھی تیار نہیں ہوں کہ جبل پور میں دفعتہً فساد ہو گیا۔ بلکہ واقعات شاہد ہیں کہ اس کی عرصہ سے تیاریاں ہو رہی تھیں، اس سے زیادہ صاف الفاظ میں ڈاکٹر کاٹجو کو اور کس طرح کہا جا سکتا تھا۔ لیکن ان کے استقلال طبع کی داد دینا چاہیے کہ سب کچھ سنتے رہے مگر ذرہ متاثر نہیں ہوئے۔

ریڈی کے برعکس بڑی بے باکی کے ساتھ صاف صاف الفاظ میں کیا اور لگی لپٹی رکھے بغیر حقائق کے بیان کرنے میں کسی طرح کی سیاست سے کام نہیں لیا۔

میرے سامنے اس وقت ۲۵ اپریل ۱۹۶۱ء کا اسٹیٹسمین ہے اس نے جو کچھ کہا ہے وہ یہ ہے کہ پنڈت نہرو نے فسادات جبل پور پر کانگرسی کارکنوں اور رہنماؤں کو بڑی سختی کے ساتھ لتاڑا اور حکومت کی کمزوری پر بھی بے جھجک اپنی برہمی اور صدمہ کا اظہار کیا۔ ڈاکٹر کاٹجو نے اس موقع پر کہا۔

اگرچہ مجھے وزیر اعظم نہرو کی رائے سے عمومی طور پر اتفاق ہے ورنہ بات دراصل یہ ہے کہ جبل پور میں کانگرسی کارکنوں اور رہنماؤں نے دوران فساد میں بہت بڑا کام سرانجام دیا ہے۔

مسٹر نہرو نے دوبارہ کہا۔ شروع میں چند روز کانگریسی اصحاب نے کچھ نہیں کیا۔ البتہ بعد میں کچھ لوگ آگے بڑھے۔

اس کے بعد بھوپال کے جلسہ عام میں پنڈت نہرو نے ایک طویل تقریر کی جس میں دنیا کے موجودہ سیاسی حالات کا جائزہ لیا۔ پھر انہوں نے فسادات جبل پور پر اپنی توجہ مبذول کی۔ کاٹجو اور اس کے ہم نفسوں نے بے بس مسلمانوں پر آغاز فساد کی جو تہمت لگائی تھی اسے پیش نظر رکھتے ہوئے کہا۔

"میں یہ بات ماننے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوں کہ اقلیت کے طبقہ نے جارحانہ اقدامات کا آغاز کیا۔ جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں یہ بالکل بے اصل بات ہے کیونکہ یہ حقیقت واضح ہے کہ اقلیتی طبقہ ہی نے غیر معمولی نقصانات برداشت کئے ہیں۔ آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ ان ہنگاموں نے ہماری ساکھ اور وقار کو کیسا زبردست دھکا پہنچایا ہے جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح کے حادثات کی روک تھام کے طریقوں پر روشنی ڈالتے ہوئے اس تقریر میں پنڈت جواہر لال نہرو نے کہا۔

اس اصول پر سختی سے عمل ہونا چاہیے کہ فساد زدہ علاقوں میں خاص خاص افسروں کا فوراً تبادلہ کر دیا جائے اور ان کے سروس ریکارڈ میں اس کا ذکر کر دیا جائے۔ اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ یہ افسر مجرم ہیں بلکہ مطلب یہ ہے

افراد و صحائف کے تاثرات

اضطراب، احتجاج، مطالبۂ تحقیقات

خلافت کا اداریہ

ڈاکٹر کاٹجو اور اس کی وزارت نے جبل پور کے سلسلہ میں جس غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا اس پر سب ہی تڑپ اٹھے — ہندو بھی اور بے کس مسلمان بھی۔ خاص طور پر مسلمان تو حواس باختہ ہو گئے۔ ۱۱ فروری کو روزنامہ خلافت نے اپنے اداریہ میں لکھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جبل پور کو فرقہ پرستوں کے حوالے کر دیا گیا ہے اور انہیں چھوٹ دے دی گئی ہے کہ وہ شہر کے ساتھ جیسا سلوک چاہیں روا رکھیں ورنہ اس کی کوئی دوسری توجیح ممکن نہیں ہے کہ فرقہ پرستوں نے کئی دنوں سے شہر میں ہنگامہ مچا رکھا ہے، دکانیں و مکانات دھڑا دھڑ جل رہے ہیں۔ لوٹ مار جاری ہے راہگیروں کو چھرے مارے جا رہے ہیں۔ عبادت گاہوں کو ڈھایا یا آگ لگائی جا رہی ہے۔ یہ سب کچھ — کے تحت نہیں ہو رہا ہے بلکہ ایک ایسی ریاست میں ہو رہا ہے جہاں سیکولر عوامی حکومت قائم ہے جس کے پاس پولیس بھی ہے اور فوج بھی — دور دراز اور ناقابل عبور پہاڑی علاقہ میں نہیں بلکہ ایک بڑے شہر میں جو ریلوے لائن پر واقع ہے امن و امان کو خاک میں ملا کر قانون کو اپنے ہاتھ میں لیا جا رہا ہے اور آبادی کے ایک حصہ پر بے پناہ مظالم توڑے جا رہے ہیں۔ فوج و پولیس کی موجودگی میں بھی کوچوں گلیوں اور مکانات پر نیز عبادت گاہوں پر منظم حملے جاری ہیں اور ایک حصہ آبادی پہ عرصۂ حیات تنگ کیا جا رہا ہے۔

اگر مقامی حکام ہی پہ ساری ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور امن و امان کا قیام محض ان ہی کی ذمہ داری ہو تو پھر وزراء کا کیا کام رہ جاتا ہے اور وہ کس کام کے لئے اقتدار کی گدی پر بیٹھ کر لمبی تنخواہیں وصول کرتے ہیں۔ صحیح معنوں میں ذمہ دار عوامی وزراء

اپنی مملکت کے حدود میں ایسی لاقانونیت کا گوارا کرنا تو کجا وہ اس پر تڑپ اٹھتے ہیں اور جب تک اس کا خاتمہ عمل میں نہ آجائے وہ چین وسکون سے قطعاً" نا آشنا رہتے ہیں۔

وزیر اعلیٰ کا ٹجو اور ان کے ساتھی وزراء کا یہ فرض ہے کہ وہ دیکھیں کہ آخر پولیس اور فوج کی موجودگی کے باوجود فساد کا سلسلہ کیوں ختم ہونے کا نام نہیں لیتا۔ وہ کون سی قوتیں ہیں جو ان ہنگاموں کی پشت پر کام کر رہی ہیں اور غنڈہ گردی کے ایک انفرادی واقعہ کو فرقہ وارانہ رنگت دے کر اشتعال پھیلانے اور ہنگامے برپا کرانے میں کن لوگوں کا ہاتھ تھا۔ یہ عناصر چونکہ ہنوز سرگرم عمل ہیں۔ اس لئے قیام امن کی کوششیں کامیاب نہیں ہو پ رہیں۔ اگر ان عناصر کا پتہ چلا کر انہیں کچل دیا جائے تو ہنگامے بند ہو سکتے ہیں اور آتش زنی اور لوٹ مار کا سلسلہ ختم ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ تو جب ہی ممکن ہے کہ وزیر اعلیٰ اور ان کے ساتھی وزراء کو اپنے فرائض کی ذمہ داری کا صحیح طور پر احساس ہو اور وہ یہ سمجھ سکیں کہ جبل پور میں بے گناہوں کا خون بہایا جا رہا ہے۔ اور پرامن شہریوں کو لوٹا مارا جا رہا ہے، اس سب کی ذمہ داری غنڈہ بدمعاشوں پر نہیں تو ان پر عائد ہوتی ہے اور وہ اس کے لئے جوابدہ ہیں۔

گورنر مدھیہ پردیش سے مسلم وفد کی ملاقات

۲۳ فروری کو مدھیہ پردیش کے گورنر شری پاٹسکر نے ان علاقوں کا دورہ کیا جہاں فرقہ وارانہ فسادات ہوئے تھے۔ ان کے ہمراہ مدھیہ پردیش کے افسران بھی تھے بعد میں اخبارنی نمائندوں کو انہوں نے بتایا کہ جو کچھ ہو چکا وہ ہو چکا اب اس کے بارے میں کم سے کم کہنا بہتر ہے۔

انہوں نے کہا تنہا گورنمنٹ کا نہیں بلکہ ہر شہری کا فرض ہے کہ وہ فساد زدگان کی بحالی و آبادکاری میں امداد دے۔ انہوں نے اخبارات سے بھی اپیل کی کہ وہ فرقہ وارانہ فسادات کی خبریں شائع کر کے منافرت اور غیر صحت مند ماحول پیدا ہونے میں امداد نہ کریں۔

جبل پور ڈویژن کے کمشنر مسٹر سی ایل گپتا نے بتایا کہ جبل پور میں ۲۹۲ مکانات کو تباہ کیا گیا ہے ساگر میں ۱۱۳ مکانات کو نقصان پہنچایا گیا ہے۔ کل ایک فرقہ کے تین افراد

پر مشتمل ایک وفد نے گورنر سے ملاقات کی اور ان کو ایک میمورنڈم پیش کیا۔ اس کے بعد گورنر بھوپال روانہ ہوگئے۔ بعد میں وفد کے ارکان نے بتایا کہ ان کے اندازہ کے مطابق پچاس لاکھ روپیہ سے زائد مالیت کا نقصان ہوا ہے۔

اس فساد میں مسلمانوں کی جان بھی گئی مال بھی لٹا۔ نہ قبرستان محفوظ رہے نہ مسجدیں۔

چنانچہ:۔

فسادات کی تحقیقات کرانے کا مطالبہ

اردو اخبارات اور جرائد کے چھ مسلمان اڈیٹروں نے ایک مشترکہ بیان میں جبل پور اور مدھیہ پردیش کے دوسرے علاقوں میں فرقہ وارانہ فسادات کی تحقیقات کرانے کا مطالبہ کیا ہے۔ کہ متاثرہ علاقے فوج کے کنٹرول میں دے دیئے جائیں نیز جانی و مالی نقصان کا معاوضہ دیا جائے۔

فساد جبل پور کی تحقیقات، کانگرس کی طرف سے مطالبہ

۱۸ فروری کو پریس ٹرسٹ آف انڈیا نے نئی دہلی سے اطلاع بھیجی۔

آج یہاں کانگریس ورکنگ کمیٹی کی میٹنگ ہوئی جس میں جبل پور اور مدھیہ پردیش کے دوسرے علاقوں میں ہونے والے حالیہ فرقہ وارانہ فسادات پر نہایت تشویش کے ساتھ غور کیا گیا۔ کمیٹی نے اس خیال کا اظہار کیا کہ حکومت کو جبل پور کے فسادات کی تحقیقات کرنی چاہیئے۔

مدھیہ پردیش کے وزیر اعلےٰ ڈاکٹر کے این کاٹجو کو اس میٹنگ میں شرکت کے لئے خاص طور سے مدعو کیا گیا تھا جنہوں نے کانگریس ہائی کمان کو ان فسادات کی اطلاعات سے آگاہ کیا۔ توقع ہے کہ کل کی میٹنگ میں ورکنگ کمیٹی ایک قرارداد منظور کرے گی جو ان فسادات کی مذمت پر مبنی ہوگی۔

اسی تاریخ کی ایک خبر جو ۱۸ فروری کو موصول ہوئی یہ ہے۔

مدھیہ ودھان سبھا کے کمیونسٹ ممبر مسٹر ہومی ایف داجی نے آج حکومت مدھیہ

پردیش سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ جبل پور کے حالیہ فسادات اور پولیس فائرنگ کی عدالتی چھان بین کا حکم دے۔ ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ریاستی حکومت نے ۴ فروری کے واقعات کی جوڈیشل تحقیقات کا حکم دے رکھا ہے اس سے فائرنگ کے اسباب کا پتہ نہ چل سکے گا۔ مسٹر واجی نے یہ بھی کہا کہ موجودہ حالات میں عدالتی چھان بین ضروری ہے تاکہ خاطیوں کو قرار واقعی سزا دی جائے اور آئندہ اس قسم کے المناک واقعات کے وقوع پذیر ہونے کا امکان نہ رہے۔

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے مسٹر واجی نے بتایا کہ مدھیہ پردیش کے شہریوں کو جبل پور اور اس کے گرد و نواح کے فسادات پر شرم آنی چاہیئے۔ لیکن یہ کیسے افسوس کی بات ہے کہ ہم شرم ماننے کی بجائے اس کی ذمہ داری ایک مظلوم فرقہ پر عائد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر کاٹجو کی مصلحت آمیز خاموشی

اس تمام شور و شر کے باوجود ڈاکٹر کاٹجو کی پالیسی میں تبدیلی ہوئی نہ روش میں فرق آیا۔ وہ جواہر لال اور صدر کانگرس تک کی ہدایات کو نظر انداز کرتے رہے جب حالات نے انتہائی نازک صورت حال اختیار کی تو مدھیہ پردیش اسمبلی میں اافروری کو متعدد تحاریک التوا پیش ہوئیں مگر کرسی صدارت کی طرف سے مسترد کر دی گئیں، وزیراعظم کاٹجو سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ ایک واضح بیان دیں۔

"میں اپیل کرتا ہوں کہ اس مسئلہ پر ڈیوگ میں بحث نہ کی جائے کہ یہ بات مفادعامہ کے خلاف ہے۔"

ڈاکٹر صاحب کی یہ طفل تسلیاں کام نہ آئیں۔ ان پر ہر چہار طرف سے لتاڑ ہونے لگی۔ اس لتاڑ میں آنے والوں میں غیر مسلم بھی تھے۔

چنانچہ انگریزی کے مشہور رسالہ "کارواں" نے کئی اہم باتیں لکھی ہیں۔ مثلاً

جس قسم کے واقعات جبل پور میں ہوئے ان کی بنیاد پر ریاستی حکومت کا فرض ہونا چاہیئے کہ فوراً اپنا استعفیٰ داخل کر دے اور اگر اس طرف سے کوئی مزاحمت ہو تو مرکزی حکومت کسی تاخیر کے بغیر اسے برخاست کر دے۔ جب اس قسم کے اقدامات کا خطرہ ریاستی حکومت کو رہے گا تو وہ دوسرے اضلاع کے افسران کو نااہل افسران

کی جگہ تعینات کرنے کے لئے مجبور ہوں گے۔ موقع پر بعض نااہل افسروں کی تبدیلی سے صورت حال بہتر ہو سکتی ہے۔

کاروان نے فرقہ وارانہ معاملات میں بنیادی زاویہ نگاہ بدلنے کے بارے میں طویل المدت پروگرام کی طرف بھی روشنی ڈالی ہے اور اس بارے میں تعلیم کے طریقہ کو قومی یک جہتی کے مطابق بنانے پر زور دیا ہے لیکن ساتھ ہی اس امر کی وضاحت کر دی ہے کہ اکثریت کے کلچر اور اس کے عقائد کو نہ ٹھونسا جائے اس کے برعکس ایک دوسرے کا خیال رکھنے کی پالیسی پر چلنا چاہیئے تاکہ اقلیتی فرقہ کے لوگ اس ملک کو اسی طرح اپنا محسوس کریں جس طرح کہ اکثریت کے لوگ محسوس کرتے ہیں، ہندو کلچر اور ہندو دیومالا کو ٹھونسنے سے نہ صرف اقلیتوں بلکہ خود اکثریت کے افراد میں بھی شکست و محرومی کے احساسات پیدا ہوں گے۔ ہندوؤں کو یہ بات ہمیشہ کے لئے ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ وہ پانچ کروڑ باشندوں کو اس ملک سے نکال نہیں سکتے امن پسندی ہی سے ان کے ساتھ رہنا چاہیئے۔

آخر میں لکھتا ہے کہ — تمام سیکولر پارٹیوں کو چاہیئے کہ سطح سے بلند ہو کر دیکھیں کسی ایسے شخص کو انتخاب میں حصہ لینے کی اجازت نہ دی جانی چاہیئے جن سے کوئی ایسا جرم ہو جس کا تعلق فرقہ پرستی سے ہو۔

شیو پرشاد سنہا کی حق گوئی

الہ آباد ہائی کورٹ کے سابق جج اور سپریم کورٹ کے سینئر ایڈووکیٹ مسٹر شیو پرشاد سنہا، اردو کے شیدائی اور مسلمانوں کے ہمدرد ہیں، آزاد خیال اور بیباک ہیں۔ اپنے خیالات کسی کی خوشی و ناخوشی کی پرواہ کئے بغیر دھڑلے سے ظاہر کر دیتے ہیں۔

چنانچہ الجمعیۃ جبل پور پر ایک طویل مقالہ میں انہوں نے اپنے ذہنی خیالات کا اظہار بے باکی کے ساتھ کیا ہے۔ اس طویل مقالہ کے ضروری حصص ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں کو باوجود پنڈت نہرو کے اپنے حقوق نہیں ملتے کہ کمپٹیشن میں وہ صفر کے برابر ہیں۔ بزنس اینڈ انڈسٹری میں کہیں ان کا پتہ نہیں ہے کیا وجہ ہے کہ جب وہ محض حقوق مانگتے ہیں تو ان کو ستایا جاتا ہے اور ان پر مقدمات چلائے

جاتے ہیں اور جن سنگھ راشٹریہ سیوک سنگھ اور ہندو مہا سبھا روزانہ ان کے خلاف زہر اگلتے ہیں تو ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں ہوتی۔

خاص دہلی میں ایسے اخبارات ہیں جن کا کام ہی صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کے خلاف لکھیں کیا وجہ ہے کہ علیگڈھ، سیتاپور، فیروزآباد اور بھوپال میں پہاڑ ٹوٹیں اور ڈاکٹر سمپورنانند اور ترپاٹھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کریں ڈاکٹر کا تجزیہ یہی کہے جائیں گے کہ مسلمانوں کی زیادتی ہے۔

جبل پور کے واقعات اس قدر تباہ کن ہوئے کہ جس کے خیال سے بدن کانپنے لگتا ہے۔ بجز اسٹیٹسمین جس کا ایڈیٹر انگریز ہے، انگریزی اخبارات سب غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہیں۔ مسلمانوں کو شکایت رہتی ہے کہ عموماً ان کا نظریہ ان کے ساتھ منصفانہ نہیں رہتا ہے لیکن اس مرتبہ مسلمانوں پر اس قدر ظلم کا پہاڑ ٹوٹا ہے کہ انہوں نے بھی اس کی مذمت کی ہے گو اس درجہ کھلے الفاظ میں نہیں کہا جیسا کہ اردو اخبارات نے کہا اور صحیح طور پر کہا۔ صرف ایک اخبار انڈین ایکسپریس نے پوری ترجمانی کی۔ اس نے یہ بھی صاف صاف لکھ دیا کہ جس لڑکی کی بے حرمتی کی وجہ سے یہ مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اس واقعہ میں خود اس کے ایک رشتہ دار کا ہاتھ تھا یہ بھی لکھ دیا کہ جن سنگھی اخباروں پر اس کی ذمہ داری ہے — اس معاملہ میں انڈین ایکسپریس کا کردار نہایت اونچا رہا کچھ تو ایسے بھی ہیں مثلاً ناگپور ٹائمز — جنھوں نے اس مرتبہ بھی مسلمانوں کو ہی مجرم قرار دیا۔ اب ذرا ان مسلمان لیڈروں کی کیفیت دیکھیے۔ بجز مولانا حفظ الرحمن کے کسی نے بھی لب کشائی کی؟ کہاں ہیں حافظ صاحب، علی ظہیر صاحب، بخشی غلام محمد صاحب وغیرہ وغیرہ؟ کیا لیڈری کے یہی معنی کہ اپنے ضمیر کو کچل ڈالا جائے۔ ایوب نے بڑا کیا جو جبلپور کے واقعات پر نکتہ چینی کی۔ یہ ہمارے گھریلو معاملے ہیں — کراچی میں جو ہوا برا ہوا — اس پر حافظ صاحب نے نکتہ چینی کی۔ ٹھیک کیا — لیکن بجز پنڈت نہرو کسی نے اصل معاملہ پر کچھ نہیں کہا۔ صرف پنڈت نہرو نے کہا کراچی میں جو ہوا برا ہوا لیکن اصل وجہ تو جبل پور کے واقعات ہیں۔ سب برائیوں کی جڑ ہیں آل انڈیا کانگرس کمیٹی میں ممبران نے کراچی کے واقعات پر بڑا جوش دکھایا لیکن جبل پور پر عموماً خاموشی رہی۔ لیکن کراچی کے حادثہ کو فراموش نہ کرنا یہ کہاں کا انصاف ہے۔ آسام میں جبل پور سے بہت ہی کم ہوا لیکن کہرام مچ گیا۔ پنڈت نہرو اور رائے کے سین فوراً آگئے یہاں

اتنا بڑا معاملہ ہوا اور کسی صاحب کو توفیق نہیں ہوئی کہ جائے وقوعہ پہ جائے۔ ان کی حالت پہ پنڈت جی کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہے۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ وہ جبل پور جانے کی زحمت گوارا نہیں کرتے۔ مسلمان لیڈروں کا فرض ہے کہ وہ پنڈت نہرو سے صاف صاف کہیں کہ انگریزی عملداری میں ایسا واقعہ ہوتا تو چند گھنٹے میں وائسرائے اور کمانڈر انچیف خود جاتے یہاں کوئی صاحب نہیں گئے۔ جناب صدر مملکت نے اپنے خطبہ میں اس کا تذکرہ بھی نہیں کیا۔ جب آسام میں واقعات ہوئے تھے مسٹر ترویپ کمار چودھری نے پارلیمنٹ میں پنڈت نہرو کو ان الفاظ میں مخاطب کیا تھا۔

"میں پنڈت نہرو اور پنڈت پنت کو اصلی مجرم قرار دیتا ہوں کیوں؟ مسلمان لیڈر ان الفاظ میں اپنے خیالات کا اظہار نہیں کرتے۔ ان کے حسب ذیل مطالبات ہونے چاہئیں۔

نمبر ۱:- ڈاکٹر کاٹجو فوراً استعفیٰ دیں۔

نمبر ۲:- کمشنر اور کلکٹر اور انسپکٹر جنرل پولیس وغیرہ برخاست کئے جائیں۔

نمبر ۳:- یگ دھرم اخبار پر مقدمہ چلایا جائے۔

نمبر ۴:- مسلمانوں کا جتنا نقصان ہوا ہے وہ گورنمنٹ پورا کرے۔

ان واقعات پر مسلمانوں کو ایک اور بات صاف کر لینی چاہیئے۔ اکثریت کے فتنہ ساز ہمیشہ ایک فرسودہ اور ذلیل حربہ پاکستان کا جوڑ لیتے ہیں اور مسلمان مرعوب ہو کر رہ جاتے ہیں۔ گو ہمیشہ یہ بہتان غلط نکلا لیکن مرعوبیت قائم رہی۔ اس خوف کو دل سے نکال دینا چاہیئے۔ پاکستان سے اچھے تعلقات رہیں یہ اولین فرض ہر شخص کا ہے ابھی دو چار دن ہوئے کہ لارڈ اٹیلی نے مشورہ دیا کہ ہندوستان اور پاکستان کا مشترکہ محاذ قائم ہونا چاہیئے یہ تو طے ہے کہ جب تک کرشنا مینن کا اثر پنڈت نہرو پر ہے

ایں خیال است و محال است و جنوں

لیکن ہم کو اس کے لئے کوشش کرنا چاہیئے۔ پاکستان کے نام پر مسلمانوں کو مرعوب اور غیر مسلموں کو چراغ پا نہ ہونا چاہیئے۔ یہ بھی مسلمانوں کو سمجھ لینا چاہیئے کہ چونکہ الیکشن کا زمانہ قریب ہے۔ لہٰذا یہ کچھ دلجوئی اور اشک شوئی ان کی ہوگی مثلاً وہ کمیٹی جو اقلیتوں کے تحفظ کے لئے محمد طارق ممبر پارلیمنٹ کی تحریک پر کانگرس نے مقرر کی ہے ہرگز ہرگز قابل اعتماد نہیں ہے۔ سوائے دو ایک ممبران کے ان میں سب جی حضور کا وجود ہیں۔ خود مسٹر طارق پر کسی کو اعتماد نہیں ہو سکتا۔ یہ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے

انگریزی روزنامہ اعلیٰ پیمانے پر نکالنا چاہیئے۔ بغیر اس کے ان کی آواز اونچی جگہوں پر نہیں پہنچ سکتی۔ یہ کوئی ایسا مشکل کام نہیں ہے جو سر انجام نہیں ہو سکتا۔

مسلمانوں کے قتل کی ذمہ داری کا تجویہ

یہ باب ختم کرنے سے پہلے میں ایک بہت اہم بیان ذیل میں درج کرتا ہوں جو کانپور سے ۲۰ اپریل ۱۹۳۱ء کو سوامی آتم دیو کے آرگن نے شائع کیا تھا۔

کانپور ۱۷ اپریل۔ سوامی آتم دیو تراتن مہاراج بانی تپسوی مہامنڈل مجلس فقرائے ہند نے اپنے آشرم واقع گنگا گھاٹ نواب گنج سے حسب ذیل بیان خود اپنے قلم سے اردو میں تحریر کر کے اشاعت کے لئے بھیجا ہے۔

سوامی جی نے اپنے بیان میں لکھا ہے کہ ہر جگہ جہاں فسادات ہوں، گورنمنٹ کو فی الفور اس کے متعلق تحقیقات کر کے مجرمان کو کافی سزا دینی چاہیئے ——— اور نقصان یافتگان کے نقصان کو جہاں تک ممکن ہو سکے پورا کرنا چاہیئے — گو کہ میں سمجھتا ہوں۔ کہ نقصان جان یا مستورات کی بے حرمتی کی دراصل کوئی بھی معاوضہ نہیں ہو سکتا۔

مجھے اگر آپ سے کچھ اختلاف ہے تو یہ ہے کہ آپ اس بدنظمی اور سیاہ کاری کے لئے جہاں مختلف مذاہب یا فرقہ جات کے لوگوں پر الزام دیتے ہیں میں براہ راست اس کے لئے گورنمنٹ اور اس کے ماتحت افسران کو سبب قتل و غارت کا ذمہ دار گردانتا ہوں۔ آخر حکومت ہے کس مرض کی دوا۔

مجھے قطعی اتفاق ہے کہ تفتیش حادثہ کے لئے ایسے ججوں کی کمیٹی مقرر ہو جس میں چند برگزیدہ اور سنجیدہ مقتدر اصحاب بھی شامل ہوں اور مجرمان کے ساتھ جن سرکاری افسران نے اپنے فرائض کی ادائیگی میں تساہل برتا ہے۔ انہیں مجرموں سے بھی زیادہ سزا ملنی چاہیئے۔

اس سے آگے چل کر میں یہ بھی چاہوں گا کہ ہم لوگوں کو ایسا وطیرہ اختیار کرنا چاہیئے کہ اس قسم کے حادثات پیش ہی نہ آئیں۔

اکھل بھارتیہ تپسوی مہامنڈل (مجلس فقرائے ہند) کی یہ تجویز ہے کہ ہر شہر اور ہر قصبہ اور ہر گاؤں کے متمول اور متوسط لوگوں کو چاہیئے کہ مل کر اس طرح بنیں کہ بلا لحاظ مذہب و ملت ہر غریب کی ایسی نگہداشت رکھیں کہ معمولی ضروریات

جن سنگھ، راشٹریہ سیوک سنگھ کو کچھ زیادہ قابل اعتراض نہیں سمجھا لیکن انہوں نے جماعت اسلامی کے خلاف سخت اور بے وجہ زہر افشانی کی۔ مسلمانوں کو ان پر اعتماد کرنا مناسب نہیں۔ ان کو کمر ہمت باندھ کر مستقبل کو سوچنا چاہیئے اور اس کے لئے تدبیریں کرنا چاہئیں کہ اس ملک میں ان کا بھی وہی حق ہے جو اوروں کا ہے ہم وطن کے غدار نہیں ہیں اور دور کیوں جائیے آج جتنے مقدمے غداروں کے چل رہے ہیں غداروں میں سے کوئی ایک بھی مسلمان نہیں ہے۔ ہم میں سے کوئی گوڈسے یا شادی لال تو نہیں ہوا اور نہ ہے۔

جن سنگھ اور ہندو مہاسبھا کا زور زیادہ تر اتر دیش پنجاب اور مدھیہ پردیش میں ہے۔ پنجاب میں ماسٹر تارا سنگھ اور سنت فتح سنگھ کی وجہ سے سکھوں کا کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا۔ اتر دیش میں قدرت نے اپنا انتقام لیا اور ڈاکٹر سمپورنانند بعد از خرابی بسیار اپنی گدی سے ہٹے یا ہٹائے گئے۔ خوش قسمتی سے موجودہ چیف منسٹر نے اپنی تحریر، اپنی تقریر اور اپنے طرز عمل سے اقلیتوں کا دل ہاتھ میں لے لیا ہے۔ مدھیہ پردیش میں جب ہی امن ہو سکتا ہے جب ڈاکٹر کاٹجو وہاں سے ہٹیں گے جبل پور کی ساری ذمہ داری ان پر ہے۔ جب بھوپال میں مسلمانوں پر ظلم ہوا تو انہوں نے بجائے انصاف کرنے کے ان پر بڑا ظلم ڈھایا۔ اکثریت کے فرقہ پردازوں کو شہ ملی اور انہوں نے سمجھ لیا کہ کاٹجو کی عملداری میں کتنا ہی مسلمانوں پر ظلم ہو گا ان کی شنوائی نہ ہوگی۔ اب بھی سنا ہے کہ دھر پکڑ ان ہی کی زیادہ ہو رہی ہے۔ جب تک ڈاکٹر کاٹجو وہاں تخت نشیں ہیں انصاف کی کوئی امید نہیں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اقلیتوں کا فرض کیا ہے۔ کانگرس کے کارنامے سامنے ہیں سوتنتر پارٹی سے جہاں کے ایم منشی جیسے موجود ہیں انہیں کوئی امید نہیں رکھنے چاہیئے۔ میری رائے میں جملہ اقلیتوں کو ایک کنفیڈریشن یعنی مشترکہ محاذ قائم کرنا چاہیئے اور ایسی پارٹی سے ہمنوا ہونا چاہیئے جو کہ ان کے حقوق کی حفاظت کی ذمہ داری لے۔ الگ رہ کر کوئی بھی اقلیت کچھ نہیں کر سکتی۔

یہ چند الفاظ میں نے اس خیال سے لکھے ہیں جیسا کہ بارہا لکھتا رہا ہوں۔ ملکی ترقی اس کے ہر فرد کی ترقی ہے۔ قبل اس کے کہ اس مضمون کو ختم کر دوں میں اپنی تجویز جس کے متعلق میں نے بارہا لکھا ہے دہراتا ہوں۔ مسلمانوں کو فوراً ایک

کرنا تھا تو ہندو یا مسلمان کی بجائے کسی پارسی، سکھ یا اینگلو انڈین کو یہ کام سونپنا چاہیئے تھا۔ مگر ڈاکٹر کاٹجو کا مقصد تو وقت گزاری اور آنکھوں میں دھول جھونکنا تھا وہ کیونکر سیدھا راستہ اختیار کر سکتے تھے۔

تحقیقات کے لئے ضروری تنقیحات

بلٹز کا مطالبہ

بمبئی کے مشہور اور بے باک اخبار ہفتہ وار بلٹز نے جوڈیشل تحقیقات کے لئے ضروری تنقیحات قائم کرتے ہوئے مشورہ دیا۔

— تمام ترقی پسند طاقتیں فرقہ پرستی کے بھوت کے خلاف جنگ کرنے میں متحد ہو جائیں جس نے اب ہندوستان میں اپنا منحوس سر اٹھانا شروع کر دیا ہے۔

جبل پور، ساگر اور دوسرے مقامات پر جو کچھ ہوا ہے اس سے تمام ترقی پسند ہندوستانیوں کے سر شرم سے جھک گئے ہیں۔ ہم نے جن نامہ نگاروں کی رپورٹ شائع کی ہے اس میں ریاستی حکومت کی طرف سے مقرر کردہ تحقیقاتی کمیٹی کو حسب ذیل نکات کی طرف توجہ دلائی ہے۔

۱- وہ کون افراد اور گروپ تھے جو قتل و غارت گری کی پشت پر تھے۔

۲- فرقہ پرستوں نے کس طرح ایک معمولی واقعہ کو عوام کے مشتعل کرنے میں استعمال کیا۔

۳- وہ کیا حقیقی واقعات ہیں جن کی بنا پر اوشا بھاگو نے خودکشی کی۔

۴- کیا مقامی پولیس نے غیر جانبداری کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیئے۔

۵- پولیس نے ۷ فروری کو کس بنیاد پر وہ غلط پریس نوٹ جاری کیا جس میں الزام لگایا گیا تھا کہ مسلمانوں نے ہندو محلوں پر حملہ کیا۔

۶- جبل پور کے واقعات پر ریاستی حکومت کا پہلا ردعمل کیا تھا اور صورتحال پر کنٹرول کرنے کے لئے کیا اقدامات کئے گئے۔

کمیونسٹ پارٹی کی تنقیحات

مدھیہ پردیش کی کمیونسٹ پارٹی نے اپنے ایک خصوصی جلسہ میں ایک

کے لئے کوئی تکلیف نہ اٹھائے۔ اگر ہندو کسی محلہ یا گاؤں میں اقلیت میں ہوں تو مسلم اکثریت حلف اٹھائے کہ ان کو نقصان پہنچانے کے ارادہ سے آئے ہوئے مسلمانوں سے وہ ان کی حفاظت کریں گے اور ہندو اکثریت کو اسی طرح مسلم اقلیت کی حفاظت کا ذمہ لینا ہوگا۔ اس سے معاملات فوراً درست ہو جائیں گے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ان حالات کو پیدا کرنے کے لئے میں ہر قربانی کرنے کے لئے تیار ہوں۔

آتم دیو نرائن

ڈاکٹر کاٹجو نے مسلمانوں کی اشک سوئی کے لئے کچھ نہیں کیا لیکن اس ہنگامہ آرائی اور مسلمانوں کے قتل عام نے ان کی شخصیت کو سرِ دست بے نقاب کر دیا۔

یہ تحقیقاتی کمیشن

بالآخر عوام و خواص ہندو مسلمانوں کے مطالبے، صدر کانگریس کے تقاضے اور وزیر اعظم ہند پنڈت نہرو کے اکسانے سے ڈاکٹر کاٹجو نے تحقیقاتی کمیشن کا اعلان کر دیا لیکن یہ تحقیقاتی کمیشن بھی ایک عجوبہ سے کم نہ تھا۔

کمیشن صرف ایک فرد پر مشتمل تھا۔ وہی ممبر، وہی سیکرٹری، وہی صدر۔ اور یہ یک نفری کمیشن جس شخص سے عبارت تھا وہ ایک عرصہ تک ریاستی ہائیکورٹ (گوالیار) کا جج رہا تھا اور اب وہ مدھیہ پردیش ہائیکورٹ کا جج تھا۔

جج عام طور پر وسیع النظر، فراخدل اور غیر جانبدار ہوتے ہیں اور ان موثرات سے ماورا ہوتے ہیں جو آسانی سے دوسرے لوگوں پر حاوی ہو جاتے ہیں پھر بھی ایسے ہنگامی موقع پر دوسرے صوبوں کے ججوں کو مامور کیا جاتا ہے۔ اور ہندوستان میں بھی اس کی مثال موجود تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے ۱۹۳۰ء میں جب قصہ خوانی بازار پشاور میں حکومت کی طرف سے فائرنگ ہوئی اور اس پر ہندوستان گیر احتجاج ہوا تو وائسرائے نے الہ آباد ہائیکورٹ کے چیف جسٹس سر شاہ محمد سلیمان مرحوم کی صدارت میں تحقیقاتی کمیشن قائم کیا۔ اس لئے کہ بھڑکے ہوئے جذبات کی اس فضا میں ایسا ہی آدمی چاہیئے تھا جو مقامی موثرات سے بے پرواہ ہو کر غیر جانبداری کے ساتھ حالات کا جائزہ لے سکے اور جبل پور کا حادثہ تو ایسا تھا کہ یک نفری کمیشن منفرد

مدھیہ پردیش ہائی کورٹ کے جج شری جسٹس شیو دیال شری واستو کی طرف سے فسادات کی تحقیقات کے دوران ضلع اور شہر کے تمام پولیس اور حکام کا تبادلہ کر دینا چاہیئے۔

معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے اپنی اس رائے سے کانگرس کے صدر شری سنجیوا ریڈی کو بھی مطلع کیا تھا جبکہ وہ فساد زدہ علاقوں کا دورہ کرنے کے لئے آئے تھے۔

تحقیقات کو ناکام بنانے کی کوشش

جو ناقص کمیشن مقرر ہوا تھا اسے بھی بے اثر اور ناکام بنانے کی تدبیریں ڈاکٹر کاٹجو کی پولیس اور دوسرے لوگوں نے شروع کر دیں اور وہ ان کا کوئی تدارک نہ کر سکے۔

۱۷ مارچ ۱۹۶۱ء کی ایک خبر:-

آجکل یہاں کے اکثر پولیس والوں نے اپنے اپنے نمبروں کو الگ کر لیا ہے کیونکہ کمیشن آنے والا ہے۔ پولیس کے مظالم بیان کئے جائیں گے، اس ڈر سے کہ کہیں اس کا نمبر بھی نہ پیش کیا جائے اسی وجہ سے نمبر الگ کر لئے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خاص طور سے ہنومان تال تھانہ اور گونوارہ تھانہ کے پولیس والوں نے ایسا کیا ہے۔ کیا بغیر نمبر لگائے کوئی پولیس والا ڈیوٹی دے سکتا ہے؟۔

شہر جبل پور میں جن مکانات کو آگ لگائی گئی ہے ان کی تعداد تین سو تک پہنچ گئی ہے، جانی نقصان کا صحیح اندازہ ابھی تک نہیں ہو سکا ہے اس لئے کہ بہت سے لوگ ابھی تک جیل میں بند ہیں۔ قانونی چارہ جوئی مدھیہ پردیش کے باہر وکلاء کے ذریعہ ہی ہو سکے گی۔

کیونکہ یہاں کسی میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ وہ حقیقت کو بیان کر سکے۔ اور اس لئے اعلیٰ قانون دان حضرات اور اخراجات کا بندوبست باہر ہی سے ہونا چاہیئے، حکام کا رویہ اب بھی ٹھیک نہیں ہے، غنڈے، شرپسند، قاتل لوٹ مار کرنے والے اور آتش زنی والے اب بھی سرعام گھوم رہے ہیں اور لوگوں کو دھمکا رہے ہیں۔ شہر میں پولیس کی تعداد ہولی کے بعد سے یکدم کم کر دی گئی ہے۔ حالانکہ لوگوں کے دلوں میں اطمینان اور سکون کا فقدان ہے مسلمانوں کی گرفتاری کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

قرارداد منظور کی جس کے اہم اجزا یہ ہیں۔

۱۔ جبل پور اور دوسرے مقامات کے ہنگاموں کو جوڈیشنل تحقیقات کے لئے حالات کو سازگار بنایا جائے کیونکہ موجودہ حالات میں کوئی غیر جانبدارانہ تحقیقات ممکن نہیں ہے اور ایسی صورت میں جبکہ تباہ شدہ اقلیت کو آباد کرنے کا کام بھی شروع نہیں کیا گیا اور اقلیت کو تحفظ حاصل نہیں ہوا تحقیقات بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔

۲۔ تحقیقات کسی کمیشن کے ذریعہ ہو جس میں تین ججوں کو شامل کیا جائے۔

۳۔ فرقہ پرست جماعتوں اور فرقہ پرست اخبارات پر پابندی لگائی جائے۔

۴۔ جبل پور اور ساگر کے ڈسٹرکٹ اور سول افسروں کو تحقیقات شروع کرنے سے پہلے ہٹا یا جائے۔

۵۔ تباہ شدہ مکانات کی تعمیر جلد سے جلد شروع ہو اور برباد شدہ لوگوں کو بسانے کا انتظام کیا جائے۔

فری پریس جنرل کی تنقیحات

جوڈیشنل تحقیقات میں مندرجہ ذیل باتوں پر خاص طور سے توجہ دی جائے

۱۔ فرقہ پرستوں نے بات کا بتنگڑ کیسے بنایا ؟

۲۔ ان کے پیچھے کون کون سی طاقتیں اور افراد کام کر رہے تھے۔

۳۔ کیا مقامی پولیس نے اپنے فرائض غیر جانبدارانہ انجام دیئے یا فرقہ وار دل کا ساتھ دیا ؟

۴۔ ۷ فروری کو پولیس نے یہ پریس نوٹ کس طرح شائع کیا کہ مسلمانوں نے ہندوؤں پر منظم حملہ کیا ؟

۵۔ ۷ فروری کی رات میں کیا ہوا اور مسلمانوں کی پوزیشن اس وقت کیا تھی ؟

۶۔ ریاستی حکومت نے جبل پور کے واقعات پر کیا اقدامات کئے اور صورت حال کی روک تھام کیسے کی ؟

جبل پور کے میئر کی تجویز

جبل پور کارپوریشن کے میئر مسٹر بی پی تیواری نے ایک پریس بیان میں کہا

اس کی کارروائی میں ہر شخص کو شرکت کی آزادی ہے۔ اس پر درخواست دہندگان کی طرف سے جمعیتہ قانونی امدادی کمیٹی کے دو ممبران عبدالشکور عثمانی اور آفتاب احمد صاحب نے اعتراض کیا کہ پولیس افسر کو اپنی وردی میں ڈائس کے اوپر مجسٹریٹ کے قریب بیٹھنے کی کیوں اجازت دی گئی ہے جبکہ بیانات خود پولیس فورس کے خلاف تحقیقات کے لئے قلم بند کئے جا رہے ہیں اور اندیشہ ہے۔ کہ پولیس افسر کو عدالت میں نمایاں مقام حاصل ہونے کی وجہ سے درخواست دہندگان اصل واقعات کے اظہار سے گھبرائیں اور گریز کریں گے۔

جس پر مسٹر نندا نے بتایا کہ ان کے بیٹھنے کی غرض محض پولیس کے مفادات کی نگرانی ہے نہ کہ کچھ اور۔ اس پر وکلا دہندگان کی طرف سے یہ بات عدالت کے سامنے رکھی گئی کہ اس مقصد کے لئے سرکاری وکیل کی موجودگی کافی ہے ـــــ جس کا اعتراف کرتے ہوئے مجسٹریٹ موصوف نے اپنی بے بسی اس طرح ظاہر فرمائی گویا پولیس افسر کو وہاں بٹھانے کے لئے انہیں اوپر سے ہدایت ملی ہوئی ہے۔

اس خبر کے مضمرات خود اپنی تشریح کر رہے ہیں۔

بائیکاٹ اور بھوک ہڑتال کا فیصلہ

روزنامہ خلافت نے ۵ اپریل ۱۹۶۱ء کو حسب ذیل خبر شائع کی۔

جبل پور ڈاک سے ایک نفری تحقیقاتی کمیشن کی طرف سے طریق کار کا جو کمیونک شائع ہوا ہے اس کے بعد سے یہاں کے مصیبت زدہ مسلمانوں کی بے چینی میں اور بھی اضافہ ہو گیا ہے کیونکہ یہ طریق کار بہت ہی غیر تسلی بخش ہے اور اس طرح ناانصافی ہونے کا سخت احتمال ہے۔

مسلمانوں کی طرف سے تحقیقاتی عدالت کے بائیکاٹ کا جو اعلان کیا گیا تھا وہ ابھی اسی طرح قائم ہے۔ جیوں جیوں دن گزر رہے ہیں یہاں کے نوجوان طبقے میں بے چینی بڑھ رہی ہے۔ کچھ لوگوں نے وزیر اعظم نہرو کو احتجاجی تار بھی بھیجے ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ پولیس کے ان افسران اور سپاہیوں کو جو فسادات کے دنوں میں یہاں موجود تھے فوری طور پر جبل پور سے ہٹا دیا جائے۔ کچھ نوجوانوں نے اس سلسلے میں بھوک ہڑتال کا حربہ استعمال کرنے کا خیال بھی ظاہر کیا ہے۔ ان کا

ایک جلسہ میں ذیل کی مانگیں کی گئی ہیں۔

۱- دوران ہنگامہ جو مسلمان سرکاری ملازمین جیل میں بند کئے گئے تھے انہیں دوبارہ ملازمت پر نہیں لیا گیا اور نہ ہی انہیں تنخواہیں دی گئی ہیں لہٰذا انہیں نوکری میں لیا جائے۔ اور تنخواہیں دی جائیں اور اس وقفہ کو غیر حاضری میں شمار نہ کیا جائے۔

۲- جو بے گناہ مسلمان اب تک جیل میں ہیں انہیں فوری طور پر رہا کر دیا جائے۔

۳- موجودہ حکام کا تبادلہ کیا جائے۔

۴- کمیشن میں مدراس اور بنگال کے جج کو رکھا جائے جس میں اقلیت کا ایک رکن ہو۔

سہ رکنی ٹربیونل کی تشکیل کا مطالبہ

ڈاکٹر کاٹجو نے نہ بلنٹز کی سنی نہ کمیونسٹ پارٹی کی، نہ فری پریس جرنل کی نہ دوسرے افراد و صحائف کی۔ وہ اپنے عقیدہ پر اڑے رہے۔

۴ اپریل کو جمعیتہ علماء جبل پور کے کارکنوں نے سہ رکنی ٹربیونل کے قیام کا مطالبہ کیا۔ یہ مطالبہ تھا کہ اس سہ رکنی ٹربیونل میں ایک مسلمان بھی شریک کیا جائے لیکن یہ مطالبہ بھی صدا بصحرا ثابت ہوا۔

حقائق کو دبانے کی کوشش

۲ اپریل کی ایک سبق آموز خبر:۔

یہاں کے حالیہ فسادات سے متاثر جن مظلومین نے ریاستی حکومت سے پولیس کے خلاف چارہ جوئی کی تھی ان کے بیانات کی سماعت کا سلسلہ چند دنوں سے یہاں کے جوڈیشیل مجسٹریٹ مسٹر نندا کی عدالت میں شروع ہو چکا ہے۔

مسٹر نندا فریادگزاروں کو بلا کر فرداً فرداً ان کے بیانات قلم بند کر رہے ہیں۔ اس کارروائی کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ بیانات قلم بند کرنے کے اوقات میں عین اجلاس پر مجسٹریٹ کے قریب ایک پولیس افسر اپنی وردی میں ملبوس موجود ہوتا ہے۔ اس صورت حال کے سلسلے میں آج درخواست دہندگان کی طرف سے عدالت سے دریافت کیا گیا کہ آیا عدالتی تحقیقات ہو رہی ہے یا سرکاری ——؟ اس کے جواب میں مجسٹریٹ موصوف نے بتایا کہ یہ کھلی عدالتی تحقیقات ہے اور

جبل پور کے تحقیقاتی کمیشن کے لیے انہوں نے اپنی خود رائی سے گوالیار ہائیکورٹ کے ایک جج کو مقرر کیا ہے جس صوبہ کے سول اور پولیس افسران نے جبل پور اور ساگر میں مسلم اقلیت پر ہر قسم کے مظالم ڈھائے ہیں اسی صوبہ کا جج جیسی تحقیقات اور اس کی بنا پر جیسی رپورٹ کرے گا اس سے صرف ڈاکٹر کاٹجو اور مدھیہ پردیش کے حکام ہی کا اطمینان ہو سکے گا مسلمان تو اس تحقیقات پر مطلق کوئی اعتبار نہیں کریں گے۔ ایسی نمائشی تحقیقات سے تو مظلومین کے اشک شوئی بھی نہیں ہو سکتی۔ مزید طرہ یہ ہے کہ جن سول اور پولیس حکام نے جبل پور اور ساگر میں مسلمانوں کو قتل اور تباہ کرایا ہے۔ وہ بدستور اپنی جگہ پر رہیں گے۔ ان مقامات سے ان کا تبادلہ بھی نہیں کیا گیا ظاہر ہے کہ ان کی موجودگی میں بے لاگ تحقیقات بھی نہیں ہو سکتی۔ اگر کاٹجو گورنمنٹ مجوزہ کمیشن میں دو غیر جانبدار اراکین کا اضافہ کرنے اور جبل پور اور ساگر وغیرہ کے ملزم حکام کو وہاں سے بدلنے کے لئے تیار نہیں ہیں تو پھر مسلمانوں کو اس کمیشن کا قطعی بائیکاٹ کرنا چاہیئے اور اس تحقیقات کے سلسلہ میں کمیشن سے کوئی اتحاد عمل نہیں کرنا چاہیئے۔

ڈاکٹر کاٹجو کا آخری اور فیصلہ کن اعلان

مسلمانانِ جبل پور نے کمیشن کی توسیع اور ایک مسلمان ممبر کو شریک کرنے کا مطالبہ کیا۔ مسلمانانِ ہند نے اس مطالبہ کی تائید کی۔ سنجیدہ، ذی فہم اور دور اندیش ہندوؤں نے اس مطالبہ کی معقولیت تسلیم کی اور ڈاکٹر کاٹجو صاحب پر زور دیا۔ کانگریسی رفقاء نے انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کی۔ جمعیۃ علمائے ہند کے مجاہد صفت غازی حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے وحدت وطنی کے لئے اپنی تمام قربانیوں کو شفیع بنا کر ڈاکٹر صاحب سے استدعا کی لیکن،

نہ بزورے نہ بہ زاری آید

کا معاملہ رہا اور ۱۴ اپریل کو اندور سے ڈاکٹر کاٹجو نے ایک اعلان جاری کیا اور بہ یک جنبش لب تمام مطالبات کو مسترد کر دیا۔

اندور ۱۴ اپریل۔ وزیر اعلیٰ مدھیہ پردیش ڈاکٹر کیلاش ناتھ کاٹجو نے کل یہاں اخباری نمائندوں سے گفتگو کرتے ہوئے انکشاف کیا کہ جبل پور کے ہنگاموں کی

کہنا ہے کہ اگر اس ہفتے کے اندر اندر ان کے مطالبات پر غور نہ کیا گیا تو وہ اخلاقی دباؤ سے کام لینے کے لئے بھوک ہڑتال شروع کر دیں گے۔ لیکن کچھ سن رسیدہ اور ذمہ دار لوگوں نے انہیں ابھی تک اس عمل سے روک رکھا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر ایسا موقع آیا تو اس کے لئے نوجوانوں سے پہلے وہ خود ہی قربانی پیش کریں گے۔

یہاں کے ایک مولانا نے جن کو مقامی مسلمانوں میں ان کے تقویٰ اور علم کی وجہ سے بڑی عزت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے اور جنہوں نے فی الحال اپنے نام کے اعلان کی اجازت نہیں دی ہے کہا ہے کہ اگر حکومت نے ہمارے مطالبات سے بے توجہی برتی اور پولیس افسروں اور سپاہیوں کا تبادلہ نہیں کیا تو ہم حکومت کے خلاف پرامن جہاد کے لئے مجبور ہو جائیں گے۔ اور اس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں جن میں ایک صورت یہ ہے کہ حکومت کے غیر منصفانہ رویہ کے خلاف بھوک ہڑتال کی تحریک شروع کر دی جائے، مولانا موصوف نے بھوک ہڑتال کے جواز میں دلیلیں پیش کرتے ہوئے کہا کہ چونکہ اب جہاد بالسیف کا دور تقریباً ختم ہو چکا ہے موجودہ حالات میں اس کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا اس لئے اگر مظالم کے دفعیہ کے لئے دوسری کوئی پرامن شکل اختیار کی جائے تو وہ بھی جہاد ہی کی ایک شکل ہے ایسے پرامن جہاد کی صورت میں اگر جان ضائع ہو جائے تو اسے ہرگز خودکشی قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ یہ ایک فی سبیل اللہ کوشش ہے۔ مولانا نے کہا میں اس سلسلے میں دوسرے علمائے بھی بات چیت کر رہا ہوں اور ان کے فتاوے حاصل کرنے کی کوشش میں ہوں۔

[illegible] ——

غلامی میں نہ کام آتی ہیں نہ تدبیریں نہ تقریریں۔

نہ مسلمان بائیکاٹ کر سکے، نہ ہم لوگ ہڑتال کر سکے، اپنا مطالبہ منوا سکے، حالانکہ جبل پور سے باہر کے ذمہ دار مسلمانوں نے بھی اس بات کی تائید کی تھی، چنانچہ لکھنو کے قدیم اور مشہور ہفتہ وار اخبار حقیقت نے ۸ مارچ ۱۹۶۱ء کو اپنے اداریے میں لکھا تھا۔

ڈاکٹر کاٹجو وزیر اعلیٰ مدھیہ پردیش بھی ویسے ہی ضدی اور تنگ نظر معلوم ہوتے ہیں جیسے کہ ہمارے صوبہ کے سابق وزیر اعلیٰ ڈاکٹر سمپورنانند تھے چنانچہ

نہ منانے کا فیصلہ کیا تھا۔ الحمد للہ کہ عام مسلمانان جبل پور باوجود ہر قسم کے دباؤ اور دھمکی کے اپنے فیصلہ پر آخر تک ثابت قدم رہے۔

مسلمانان جبل پور کے اس فیصلہ کے بعد ہی صوبائی وزراء کانگرسی وغیرہ کانگرسی لیڈروں و اعلیٰ حکام نے گذشتہ ایک ہفتہ تک مسلم محلوں میں گھوم پھر کر اور میٹنگ کر کے مسلمانوں کو عید کی تمام تر تقریبات منانے نماز دوگانہ عیدگاہ میں ادا کرنے کی ترغیب دی اور امن سے متعلق ہر قسم کی ذمہ داری لینے کو کہا لیکن عام مسلمانوں نے ہر مرتبہ صاف جواب دے دیا۔ یہی عید کے دن صوبہ کے وزیر اعلیٰ شری کے این کاٹجو صوبائی اسمبلی کے سپیکر کنجی لال دوبے ڈپٹی کمشنر جبل پور اپنے اثر سے شہر کے چند معززین کو عیدگاہ کلاں درانی تال، عیدگاہ خورد (مومن پورہ) گوہل پورہ برائے عید نماز لے جانے میں کامیاب ہو گئے۔ چنانچہ عیدگاہ کلاں جہاں پر کہ تقریباً پندرہ ہزار مسلمان نماز پڑھا کرتے تھے وہاں قریباً ایک صد اور عیدگاہ خورد کہ جہاں پر قریب پانچ ہزار نمازی حاضر ہوا کرتے تھے قریب پچاس ساٹھ مسلمانوں نے مجبوری نماز پڑھی، باقی تمام شہر کے مسلمانوں نے اپنے اپنے محلوں کی مساجد میں نماز ادا کی اور وہ اس طرح کہ نہ تو خود کسی نے نئے کپڑے پہنے اور نہ اپنے بچوں کو پہنائے اور نہ ہی کسی قسم کی کوئی تقریب منائی۔ بلکہ سبھی لوگ نماز پڑھ پڑھ کر اپنے روزمرہ کے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ چنانچہ مسلم محلوں میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آج عید تھی ہی نہیں۔

یہ یاد رہے کہ عید کی تقریبات آزادی کے ساتھ منانے کے سلسلہ میں مندرجہ بالا وزراء کانگرسی لیڈران اور مقامی حکام بالا نے مسلمانوں کو یقین دلایا تھا۔ کہ ہم امن کی بحالی سے متعلق پوری پوری کوشش کریں گے اور کسی بھی طرح یا کسی بھی قسم کا کوئی حادثہ نہیں ہونے دیں گے۔

لیکن — انہی یقین دہانی اور وزیر اعلیٰ و کمشنر جبل پور کے ہوتے ہوئے بھی کل رات پھر ایک مسلمان کے مکان میں آگ لگا دی گئی۔

جبل پور میں فسادات ۴ فروری سے ۱۱ فروری کی صبح تک جاری رہے جسے آج تقریباً ڈیڑھ ماہ ہونے کو آ رہا ہے لیکن مجھے تعجب ہے کہ مقامی حکام اور صوبائی حکومت اب تک فساد پر قابو پانے میں ناکام ہیں۔

ہمارے صوبہ کے وزیر اعلیٰ شری کاٹجو صاحب ہر بار جبل پور میں آ کر مظلوم

تحقیقات کرنے والے کمیشن میں جدید ممبروں کا تقرر نہ تو ضروری ہے اور نہ قابل عمل ہے کیونکہ کمیشن بہت کافی کام کر چکا ہے اور اس میں کوئی اضافہ درست نہیں ہے۔

یہ کمیشن حکومت پردیش نے مقرر کیا ہے۔ اس کا سربراہ ایک ہندو ہے جو مدھیہ پردیش ہائیکورٹ کے ایک جج ہیں۔ جمعیۃ العلماء کی طرف سے وزیر اعلیٰ کیلاش ناتھ کاٹجو سے مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ اس تحقیقاتی کمیشن میں دو اور ممبر مقرر کیے جائیں۔ اخباری نمائندوں نے جب ڈاکٹر صاحب کی توجہ جمعیۃ العلماء کے مطالبات کی طرف دلائی تو انھوں نے مذکورہ بالا جواب دیا کہ کمیشن کا کام بڑی حد تک ختم ہو چکا ہے۔ اُنھوں نے اِس توقع کا اظہار کیا کہ اِس ماہ کے آخر تک کمیشن اپنی رپورٹ ریاستی حکومت کے سامنے پیش کر دے گا۔

اس انجمن ناز کی کیا بات ہے غالبؔ
ہم بھی گئے وہاں اور تیری تقدیر کو روئے

قبرستان میں عید

دنیا میں کیسے ہی الم انگیز، لرزہ خیز اور زہرہ گداز حادثے رونما ہوتے رہیں لیکن تقویم ماہ و سال میں فرق نہیں آتا سورج اپنے وقت پر طلوع ہوتا ہے اور غروب ہوتا ہے۔ بہار و خزاں کی کار فرمائیاں حسب معمول جاری رہتی ہیں۔ پھول مرجھاتے ہیں۔ کوئی مرتا ہے کوئی پیدا ہوتا ہے کسی کے گھر سے نوحہ و شیون کی صدائیں بلند ہوتی کہیں نشاط و طرب کے شادیانے بجتے ہیں۔

عید آئی اور جبل پور کے قبرستان میں بھی آئی۔ وہیں کے ایک اہل قلم نے لکھا ہے

مسلمانان جبل پور نے حالیہ فسادات، اس سے تباہ شدہ مظلومین اور شہداء کے غم اور ان کے پسماندگان سے اظہار ہمدردی کے پیش نظر عید کے دن نئے کپڑے پہن کر عید گاہوں میں نماز نہ پڑھنے اور عید سے متعلق منائی جانے والی دیگر تمام تقریبات

خون کی ہولی

حصّہ دوم

سر فرانسس ٹکر کے تاثرات و بیانات

۱۳ سال پہلے، جب
ہندوستان تقسیم ہو رہا تھا

مسلمانوں سے ہمدردی کے دو چار رسمی اور مخصوص جملے کہہ کر چلے جاتے ہیں اور ہر بار انصاف کا وعدہ کر جاتے ہیں لیکن نہ تو اب تک انہوں نے مقامی پولیس جو کہ اس فساد کی زیادہ تر ذمہ دار ہے کو تبدیل کیا اور نہ اس فتنہ انگیز ہندی ۔ ونر ناتھ یگ دھرم کے خلاف کوئی کارروائی کی۔ اور نہ ہی اب تک کسی خونی دلیڈرے اور غنڈے کو گرفتار کیا گیا اور یقیناً یہی سبب ہے اب تک امن قائم نہ ہونے کا کیونکہ وہی لیڈرے آج بھی آزادی سے سارے شہر میں دندناتے پھر رہے ہیں، مجھے خدشہ ہے کہ جب تک مقامی پولیس کے سارے عملہ کو تبدیل نہ کیا گیا۔ اس وقت تک نہ تو امن قائم ہو سکتا ہے اور نہ ہی اصل مجرمین روشنی میں آسکتے ہیں اور یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ جوڈیشنل انکوائری ہونے والی ہے مگر جب تک مقامی پولیس کا پورا عملہ برطرف یا تبدیل نہ کیا جائے اس وقت تک آزادانہ یا غیر جانبدارانہ تحقیقات کی حیثیت ایک ڈھونگ کے سوا کچھ نہ ہو گی۔

اور —

اور ڈاکٹر کاٹجو اب بھی وزارت عظمیٰ کی مسند پر متمکن ہیں — انہیں کوئی نہیں اٹھا سکتا — نہ رائے عامہ، نہ آہِ مظلوماں، نہ کانگرس، — نہ جواہر لال نہرو

فوج نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا اور برطانوی افسر اب تک پورے اطمینان اور دل جمعی کے ساتھ اپنے ہندوستانی سپاہیوں کی کمان کر رہے تھے حالانکہ ہندوستانی سپاہیوں کے لئے یہ بہت آسان تھا کہ ان چند برطانوی افسروں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوتے۔

ٹھیک اسی وقت جب ہندوستانی پولیس فرقہ پرستی کے رنگ میں رنگی جا چکی تھی یہ بات کتنی عجیب تھی کہ ہر نازک اور کٹھن مرحلہ پر فوج اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کو چوکس رہتی تھی۔ اگرچہ یہ بات ہمیں پسند نہ تھی کہ فوج پولیس کی جگہ لے لے۔

پولیس کا کام انہی لوگوں کو کرنا چاہیئے جنہوں نے یہ خدمت اختیار کی ہے، فوج تو اپنے ہتھیار اسی وقت سنبھالتی ہے جب دشمن اس کے سامنے ہو اور وہ بے محابا اپنے ہتھیار استعمال کر سکے، پابندیوں سے جکڑ کر فوج کو استعمال کرنا اسے تباہ کر دینے کے مترادف ہے۔

فوج کے اس غلط استعمال کو ہم نے پورے طور پر پہلے ہی سے محسوس کر لیا تھا اور ہم نے اپنے مقدور بھر کوشش بھی کی وہ دن نہ آنے پائے جب فوج پولیس بن جائے۔

۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے ہندوستانی فوج کی حیثیت پولیس سے زیادہ نہیں رہ گئی تھی۔ اسے غلط کام سونپا گیا۔ اسلحہ کے استعمال پر پابندیاں عائد کی گئیں اور کوئی دشمن بھی سامنے نہ تھا جس پر اسلحہ کا بے محابا استعمال کیا جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ سکھ معمولی اسلحے کر مشرقی پنجاب کو فتح کرنے نکل کھڑے ہوئے اور یو پی کے نصف مقامات میں انہوں نے یہی بیج بو دیا۔

پاکستان کا جو نقشہ ہمارے ذہن میں تھا اس کے پیش نظر ہم نے ایک لمحہ کے لئے بھی یہ تصور نہیں کیا تھا کہ کلکتہ مسلم بنگال سے چھین لیا جائے گا یا پنجاب آدھوں آدھ تقسیم ہو جائے گا۔ پنجاب بھی دوسرے صوبوں کی طرح ایک اقتصادی واحدہ (یونٹ) تھا اور انتظامی اعتبار سے بھی یہی تھا۔ یہی حالت بنگال کی تھی گو اس کا انتظام اچھا نہ تھا اس صورت حال نے ایک مرتبہ پھر فوج کی تقسیم کا سوال پیدا کر دیا تھا۔

اس اثنا میں کہ ہندوستان کشمکش کے دور سے گزر رہا تھا اور کانگرس مسلم

جون، جولائی ۱۹۴۶ء

طوفان کی گرج

جہاں تک پولیس اور فوج کا تعلق تھا وہ پوری چوکسی کے ساتھ فرقہ وارانہ تصادم کے امکانی وقوع کو روکنے کے سلسلہ میں کڑی نگرانی کر رہی تھی۔ لیکن یہ سب کو دھڑکا لگا ہوا تھا کہ قیامت کی گھڑی قریب سے قریب تر آتی جا رہی ہے ہم فوجی لوگ دست بدعا تھے کہ یہ بلا پنجاب میں داخل نہ ہونے پائے ——— پنجاب، ہندوستان کا شمالی صوبہ جہاں سے سپاہیوں کی بھرتی کا تناسب سب سے زیادہ اور بڑا تھا۔ جب تک پنجاب میں یہ آگ نہیں بھڑکتی برطانوی افسر فوج کی وحدت کو قائم رکھ سکتے ہیں، مشرقی کمان میں کتنا ہی فرقہ وارانہ تصادم ہو ہم اُس سے بہت اچھی طرح عہدہ برآ ہو لیں گے۔ لیکن پنجاب میں فرقہ پرستی کی آگ بھڑکتے ہی ہماری مخلوط بٹالین جو مسلمانوں، سکھوں اور ہندوؤں پر مشتمل ہیں بکھر جائیں گی۔ کیونکہ پھر یہ طوفان بلا ہمارے سپاہیوں کے گھر تک فساد، لوٹ آگ اور قتل و غارت کی صورت میں پہنچ جائے گا۔ لیکن بدقسمتی سے بالآخر ایسا ہو کر رہا۔ مگر ابھی تک فوج نہایت حیرت انگیز طور پر اس تلاطم کے باوجود اپنی جگہ پاؤں جمائے کھڑی تھی۔ غیر جانبداری کی روایتی روح اپنی رجمنٹ پر فخر کا قدیم جذبہ کافی مدت سے زیادہ عرصہ تک اسے سہارے رہا۔ میرا خیال ہے کہ انگریزوں کا ہندوستان میں یہ سب سے بڑا کارنامہ ہے سیاسی دباؤ، نسلی دباؤ، قبائلی دباؤ، فرقہ وارانہ دباؤ ——— ان سب کا ہندوستانی

لیگ کے مابین شدید اپوزیشن کار فرما تھی۔ کانگرس نے اعلان کر دیا کہ ۹ اگست کو "کوئٹ انڈیا ڈے" منایا جائے۔ یعنی ۹ اگست ۱۹۴۶ء کو کانگرس نے ہندوستان خالی کر دو کی تجویز منظور کی اور یہ دن جلوس اور مظاہرے کے لئے وقف کر دیا گیا۔ مسلم لیگ بھی غافل نہ تھی۔ مسٹر جناح نے اعلان کیا کہ ۱۶ اگست کو یوم "راست اقدام" (ڈائرکٹ ایکشن ڈے) منایا جائے۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ چونکہ مسلمان گفت و شنید سے پاکستان حاصل نہیں کر سکے لہٰذا اب وہ راست اقدام اور قوت و طاقت کے ذریعہ پاکستان حاصل کریں گے۔ عام مسلمانوں کا تاثر یہی تھا۔ اب ہمیں دو مصیبتوں سے نمٹنا تھا ۔۔۔ ایک ۹ اگست اور دوسری ۱۶ اگست۔

---

۱۶ ۔ ۲۰ اگست ۱۹۴۶ء

کلکتہ کا قتلِ عام

جولائی ۱۹۴۶ء کے آخر میں مجھے کوئٹہ جانے کا حکم ملا جہاں چیف آف دی امپیریل جنرل سٹاف کی صدارت میں ایک کانفرنس ہو رہی تھی۔ اس کے بعد مجھے انگلستان، چلا جانا تھا۔

۱۴ اگست کو جب میں وطن جانے کے لئے کراچی کی طیران گاہ پر پہنچا ایک اخبار کے پہلے صفحہ کی نمایاں خبر نظر پڑی جس سے معلوم ہوا کہ بھارت میں ایک نئی حکومت قائم ہو گئی ہے۔

(عبوری) گورنمنٹ جس کے سربراہ پنڈت نہرو نامزد ہوئے تھے کچھ مسلمانوں کو بھی حکومت میں منصب وزارت قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کا اثر عام مسلمانوں کے احساسات پر بہت بُرا پڑا کیونکہ ان کے ساتھ بدعہدی کی گئی تھی۔ اور انہیں تمام تر ہندو حکومت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ مستقبل سے متعلق جو خطرات پیدا ہو رہے تھے وہ کہیں واقعہ نہ بن جائیں۔ کلکتہ میں ہمیں بدامنی اور خونریزی کا دھڑکا لگا ہوا تھا۔ چنانچہ

کلکتہ چھوڑنے سے پہلے ہم نے حکم نافذ کر دیا تھا کہ باہر سے یعنی رانچی یا چاٹگام سے اور بہ یک وقت بیرون بنگال سے مزید کمک طلب کر لی جائے۔ قبل اس کے کہ طوفان نمودار ہوتا دو برطانوی رجمنٹیں کلکتہ آچکی تھیں اور تیسری پہنچ رہی تھی۔

سب سے پہلے میں کلکتہ کے قتل عام کی داستان بیان کروں گا۔ مقصد تاریخی ترتیب واقعات ہے تاکہ صحیح واقعات ترتیب سے نظر کے سامنے آسکیں اور قارئین کم سے کم اس فضا کا اندازہ لگا لیں جس میں یہ حادثہ رونما ہوا۔ بعض واقعات کا صرف خلاصہ ہی بیان کرنے پر اکتفا کروں گا جو میرے اور دوسرے افسروں کے ذاتی تجارب پر مشتمل ہیں۔ میرا مقصد صحیح تصویر پیش کرنا ہے۔ ایسے انوکھے واقعات سے غیر ملکیوں کو شاذونادر ہی دوچار ہونا پڑتا ہے۔

کلکتہ میں فرقہ وارانہ کشیدگی فروری ہی سے نقطۂ عروج پر پہنچ چکی تھی۔ نفرت آفرین اشتعال انگیز اور جوشیلے مقالات و مضامین و مراسلات و بیانات ہندو مسلم اخبارات میں تواتر اور تسلسل کے ساتھ شائع ہو رہے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ سربرآوردہ سیاستدانوں اور مزدور لیڈروں نے بھی اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی اور سب عناصر اس وقت اور زیادہ بھڑک اٹھے جب مسٹر جناح نے ۲۹ جولائی ۱۹۴۶ء کو اعلان کیا کہ ۱۶ اگست کو ہندوستان کے طول و عرض میں "یوم راست اقدام" منایا جائے گا۔

ہم میں سے ہر ایک پوری طرح محسوس کر رہا تھا کہ "یوم راست اقدام" کلکتہ میں انتہائی کٹھن اور نازک دن ثابت ہوگا۔ خفیہ محکمے کے ذریعے ہمیں جو تازہ ترین اطلاعیں مل رہی تھیں وہ ظاہر کرتی تھیں کہ دونوں فرقوں کے جذبات انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ہمیں یہ اطمینان بھی تھا کہ حالات بہرحال قابو میں رہیں گے جیسا کہ گزشتہ کچھ عرصے سے ہوتا چلا آرہا تھا کہ خطرہ کی گھڑی آئی اور ٹل گئی۔ ۹ اگست کو کانگرس نے "یوم یادگار" منایا۔ ان ہنگامہ آرائیوں اور تخریبی سرگرمیوں کی جب ۱۹۴۲ء میں بنگال، بہار، یوپی اور دوسرے مقامات پر توڑ پھوڑ اور ہنگامہ آرائی کے باعث ہماری دو فوجیں تقریباً معطل ہو کر رہ گئی تھیں جو آسام کی سرحد پر جاپانیوں سے مصروف پیکار تھیں۔ بہرحال یہ دن آیا اور خیریت سے گزر گیا۔

اگست کے پہلے نصف حصہ میں کانگرس اور مسلم لیگ کے عوامی کارکنوں کی تقریریں جو کلکتہ میں ہوتی رہیں مسلسل ہوئیں اور اپنی نوعیت کے اعتبار سے حد درجہ

ساتھ ہی ساتھ مسٹر وائے نے ہندوؤں کو صلاح دی کہ وہ بہر حال اپنی دکانیں کھلی رکھیں اور ہرگز اس جبری ہڑتال میں شریک نہ ہوں۔ اس طرح مسٹر رائے کے خیال کے مطابق اس تصادم کا سٹیج تیار کر لیں۔ انہیں خوف تھا کہ ہندوستان کے اکثر لوگوں کی طبیعت ہی کچھ ایسی ہے کہ وہ نفرت اور تلخی کو دور کرنے کی بجائے پیکار باہمی اور اشتعال انگیزی سے زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔

اب سکھوں کی باری تھی چنانچہ اسی جلسہ میں ایک ممتاز مقامی سکھ لیڈر نے ایک زوردار جنگجویانہ تقریر کی اور یاد دلایا کہ ۱۹۲۶ء کے فساد میں کس بری طرح مسلمانوں کی پٹائی ہوئی تھی۔ اس سکھ لیڈر نے اعلان کیا کہ اگر فساد شروع ہوا تو سکھ کانگرس کا ساتھ دیں گے اور مسلمانوں کو ناقابل فراموش سزا دیں گے۔

اس تقریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک چھوٹی سی جنگ کے لئے تیاریاں بالکل مکمل ہو چکی تھیں۔

جیسا کہ میں نے جولائی میں تین مزید بٹالین طلب کرلئے تھے گزشتہ نومبر اور فروری کے فسادات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمارا خیال تھا یہ کافی ہے ۱۲ اگست کو بریگیڈیر میکنلے نے حکم نافذ کیا کہ تمام یونٹ جو داخلی دفاع کے کاموں میں مصروف تھے، بیرکس میں آجائیں۔ بعد انہوں نے تمام فوجی دستوں کو ۱۶ اگست سے بیرکس میں پابند کر دیا۔

۱۶ اگست کا سورج حسب معمول طلوع ہوا۔ بسیں ٹیکسیاں اور رکشا بھی معمول کے مطابق سرگرم سفر ہوگئیں البتہ ٹرام کاریں نہیں چلیں۔ کیونکہ ٹراموے ورکرز یونین نے ہمیشہ سے ہمارے راستے میں مشکلات پیدا کرنے کا اصول بنا رکھا تھا۔ چنانچہ یونین نے ایک دن کی ہڑتال کا فیصلہ کر لیا۔

ساڑھے سات بجے ہمیں معلوم ہوا کہ ہندوؤں نے ٹالا، بلکا چیا کے چوک پر رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں تاکہ مسلمان نہ شہر میں داخل نہ ہو سکیں۔ نہ وسط شہر سے اپنا جلوس گزار سکیں کیونکہ اختر ولی کی یادگار کے پاس مسلمانوں کے ایک عظیم الشان جلسہ سے مسٹر حسین شہید سہروردی چیف منسٹر بنگال خطاب کرنے والے تھے۔ بریگیڈیر میکنلے حسب معمول ٹھیک ۹ بجے صبح پولیس ہیڈ کوارٹر لال بازار میں پہنچ گئے۔ وہاں انہوں نے محسوس کیا کہ پولیس پر کسی طرح کی گھبراہٹ نہیں طاری ہے اور یہ کہ گو حادثات کے رونما ہونے کا اندیشہ ہے لیکن وسیع پیمانے پر کسی بدامنی اور خلفشار کا احتمال نہیں ہے البتہ دو

اشتعال انگیز اور متشددانہ تھیں۔ یہ سارا جوش و خروش ذاتی مقاصد کے لئے ہو رہا تھا۔ ۵ اگست کو بنگال لیجسلیٹو اسمبلی میں ایک گرما گرم مباحثہ حکومت بنگال کے اس مسئلہ پر ہوا کہ اس نے ۱۶ اگست کو جو یوم راست اقدام تھا عام تعطیل کیوں کر دی؟ مباحثہ سے اندازہ ہوتا تھا کہ ہندو اس فیصلہ سے کس قدر ناراض اور برہم تھے۔

ہندوؤں کی برہمی اور ناراضی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ اب تک کانگرس ہی کو اس بات کا اجارہ حاصل تھا کہ جب چاہے ہڑتال کرا دے اور کلکتہ ٹرانسپورٹ کو معطل کر دے۔ اس باب میں کسی حریف کا خیر مقدم کرنے کو بالکل تیار نہیں تھی اور خاص طور پر مسلم جیسے ناقابل تسخیر حریف کو یہ مقام دینا تو اسے کسی طرح گوارا نہ تھا۔

عام جلسوں میں کی جانے والی تقریروں کی جو رپورٹیں ہمیں موصول ہوئیں ان میں سے صرف تین کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے جس سے اس انداز خطابت کا اندازہ ہو جائے گا جس کا عام مظاہرہ کیا جا رہا تھا۔

خواجہ ناظم الدین نے ۱۱ اگست کو مسلمانوں کے ایک جلسہ عام میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ — یہ عارضی حکومت مسلم لیگ کی تائید و حمایت کے بغیر اگر قائم رہی تو بہت جلد ایک خوفناک ہندو مسلم تصادم رونما ہو کر رہے گا۔ اگرچہ راست اقدام کا آخری نقشہ عمل ابھی آخری طور پر طے نہیں ہوا ہے لیکن کلکتہ کے مسلمانوں کو ایسے بہت سے طریقے معلوم ہیں جن سے کام لے کر لیگ اس حکومت کو ناکام بنا سکتی ہے۔ کیونکہ کانگرس کی طرح وہ عدم تشدد کی علمبردار نہیں ہے۔

جوابی دھمکا کہ مسٹر کے رائے بنگال اسمبلی کی کانگرس پارٹی کے لیڈر کی طرف سے ہوا۔ انہوں نے ۱۴ اگست کو بالی گنج میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ — یہ خیال کرنا حماقت ہے کہ یوم راست اقدام کو بنگال کی مسلم حکومت نے عام تعطیل کا دن ہنگامہ آرائی اور افراتفری سے بچنے کے لئے قرار دیا ہے۔ کوئی شبہ نہیں یہ دن ہنگامہ آرائی کا سبب بن کر رہے گا۔ کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ جو ہندو اپنا کاروبار جاری رکھنا چاہتے ہیں اس دن وہ بھی دکانیں کھلی رکھیں گے اور انہیں قوت و طاقت کے بل پر مجبور کیا جائے گا کہ وہ کاروبار بند رکھیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ متشددانہ ہنگامہ آرائیاں رونما ہو کر رہیں گی۔

ڈالنے کا عزم محکم کر چکے ہیں۔

مسٹر سہروردی نے حاضرین سے استدعا کی کہ وہ اب جلدی سے اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ انہوں نے مسلمانوں کو پرامن پایا ہے وہ ایک جگہ بھی دنگا فساد نہیں کر رہے ہیں۔ انہوں نے فوج اور پولیس سے کہہ دیا ہے کہ وہ انہیں نہ چھیڑے۔

ہماری خفیہ جماعت نے اطلاع دی ہے کہ اس جلسہ میں مسلمان غنڈے بھی موجود تھے جو رفتہ رفتہ جلسہ سے کھسک کر موقع واردات پر پہنچ گئے اور جیسے ہی جلسہ ختم ہوا انہوں نے لوٹ مار اور آتش زنی کا سلسلہ شروع کر دیا۔

اس اثنا میں جنوبی کلکتہ بالکل پرسکون رہا جیسا کہ، فروری کے فسادات میں رہا تھا۔ لیکن دکانیں بند تھیں اور فضا میں کشیدگی پھیلی ہوئی تھی۔

سوا چار بجے سہ پہر کو قلعہ کے صدر دفتر سے مرموز (COGEWORD) اطلاع ملی EER جس کا مطلب یہ تھا کہ سارا کلکتہ ہنگامہ اور کشت و خون کی لپیٹ میں آ گیا ہے۔

انتظامیہ کی طرف سے بار بار فوج طلب کی جا رہی تھی تاکہ شہر کے ہر ناکہ پر اسے متعین کر دیا جائے اور یہ بات کوئی نئی نہ تھی۔ اکثر فسادات کے موقع پر میں نے یہ تماشے دیکھے تھے۔ بریگیڈیئر سکسمتھ نے مسٹر سہروردی کو جواب دیا کہ فوج کو شاہراہوں پر متعین رکھ کر اس سے زیادہ بہتر اور موثر کام لیا جا سکتا ہے۔ اس طرح پولیس کی معقول تعداد وہاں سے ہٹائی جا سکتی ہے جو لوگوں کو شاہراہوں کی طرف بڑھنے سے روکے گی۔

۶ بجے شام کو تمام متاثرہ علاقوں میں کرفیو نافذ کر دیا گیا۔ ۱۰ بجے رات کو ایریا کمانڈر سے فوری طور پر ہوڑہ کے لئے فوج طلب کر لی گئی جس کی تعمیل کی گئی اور فوراً شہر کے شمالی علاقے میں سپاہ بھیج دی گئی۔ ان لوگوں کے مشاہدات یہ تھے۔

جیسے ہی لوگ موقع واردات پر پہنچے، انہوں نے دیکھا کالج اسٹریٹ کا رسنٹ دھڑا دھڑ جل رہا ہے۔ چند دکانیں اور مکانات جو آگ سے بچ رہے تھے مکمل طور پر زمین کے برابر کر دیئے گئے۔ سڑکوں کے بیرونی گوشے شعلوں اور انگاروں سے اٹے

سر پہر کا ضرور لگا تھا۔ جب مذکورہ جلسہ عام ختم ہونے والا تھا۔ دن کے ابتدائی حصہ میں متوقع حادثات رونما ہوئے۔ شمالی اور مشرقی کلکتہ میں سب مکانات کو آگ لگا دی گئی۔ اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ مسلمان کارکنوں نے ہندو دکانداروں سے دکانیں بند کرنے پر اصرار کیا تھا۔ دوسری طرف ہندوؤں نے یہ کوشش کی کہ جلسہ میں شریک ہونے کے لئے مسلمانوں کا جو جلوس جا رہا تھا وہ ان کے علاقہ سے نہ گزرنے پائے لیکن پولیس کو اطمینان تھا کہ فوج کی مدد کے بغیر وہ صورت حال پر قابو پا لے گی۔

۲ بجے دوپہر سے اختر ولی یادگار کے پاس مجمع جمع ہونا شروع ہو گیا۔ ہماری خفیہ جماعت کے آدمی شہر میں حالات کا جائزہ لینے پھر رہے تھے۔ حادثات برابر رونما ہو رہے تھے۔ شہر کے شمالی حصہ میں سیالدہ اور ریو کا یا نذار کے علاقہ میں پولیس کو اشک آور گیس استعمال کرنا پڑی اور ایک مرتبہ فائرنگ بھی کرنا پڑی ٹھیک تین بجے پولیس کی استدعا پر قلعہ کے کمانڈر نے یارک اور لنکا سٹر رجمنٹ کو فوری طور پر سیالدہ جانے کا حکم دیا۔ اس وقت بریگیڈیر سکیستھ جوایریا کمانڈر کی حیثیت سے کام کر رہے تھے۔ گورنر اور پولیس کمشنر سے ملے۔ موخر الذکر نے کہا اگرچہ پولیس مجمع کو منتشر کر دیتی ہے لیکن ادھر سپاہی گئے ادھر مجمع پھر جمع ہو گیا۔ گورنر نے دونوں سے استدعا کی کہ وہ شہر کا جائزہ لے کر آئیں اور رپورٹ دیں۔ ان دونوں کی رائے یہ تھی اگرچہ غنڈہ گردی شباب پر ہے اور حادثات رونما ہو رہے ہیں لیکن فوج طلب کرنے کی ابھی ضرورت نہیں ہے لیکن اس کا بندوبست کر دیا گیا کہ ضرورت ہو تو فوراً طلب کر لی جائے۔ یہ بات بھی طے ہو گئی کہ اگر فوج آئی تو شاہراہوں کو وہ اپنی تحویل میں لے لے گی اور گلیوں اور کوچوں اور چھوٹی سڑکوں پر پولیس کا تسلط ہو گا۔ یارک اور لنکا سٹر رجمنٹ کو سیالدہ ٹرانزٹ کیمپ میں بالکل تیار رہنے کا حکم دے دیا گیا۔

اسی اثنا میں ایک بہت بڑا مجمع اختر لونی یادگار کے پاس جمع ہو چکا تھا اور مسٹر حسین شہید سہروردی اسے مخاطب کر رہے تھے۔ ہماری خفیہ جماعت نے بتایا کہ مسٹر سہروردی نے اپنی تقریر میں کہا ہے

کابینہ مشن ایک دھوکا اور فریب ہے اور میں دیکھ لوں گا کہ انگریز کس طرح مسٹر نہرو کو بنگال پر حکومت کرنے کا اختیار دیتے ہیں۔ آج کا یوم راست اقدام اس بات کا ثبوت ہے کہ مسلمان غلامی کی بیڑیاں کاٹ

کوئی ٹیکسی یا بس ادھر ادھر آتی۔ دکانیں لوٹی پھوٹی جلی بھنی لاشیں جگہ جگہ پڑی تھیں کسی کے لئے کوئی ایسا ذریعہ آمد و رفت نہ تھا کہ دفاتر تک پہنچ سکے۔ ۱۷ تاریخ کو بینک بھی بند تھے اور لوگ بیکار ادھر ادھر سرگشت کر رہے تھے۔

دوپہر کو سر فریڈرک بروگورنر بنگال نے بریگیڈیر سمتھ اور بریگیڈیر میکینلے کے ساتھ متاثرہ علاقوں کا دورہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ ہریسن روڈ پر انہوں نے دیکھا کہ آگ کے بڑے بڑے شعلے بھڑک رہے ہیں اور بہت بڑا مجمع موجود ہے۔ گورنر کے ساتھ جو فوجی دستہ تھا اس نے فوراً اس مجمع کو منتشر کر دیا۔ یہ مسلح سپاہی ڈرانے ہوئے مجمع میں گھستے چلے گئے۔ مجمع دائیں بائیں چھٹ گیا اور گورنر کی پارٹی آگے بڑھ گئی۔ واپسی پر ایک لاش نظر آئی جسے مار مار کر ہلاک کیا گیا تھا پولیس کو ضروری کارروائی کا حکم دے دیا گیا۔ لیکن قبل اس کے کہ پولیس پہنچے تین لاشوں کا اور اضافہ ہو چکا تھا۔ ایک برٹش سارجنٹ نے گولی چلا کر مجمع کو منتشر کیا۔

ساڑھے بارہ بجے ہریسن روڈ اور ایمہرسٹ روڈ کے جنکشن پر گورنر کا اسکواڈ رک گیا۔ ایمہرسٹ روڈ کے جنوبی رخ پر ایک بہت بڑا مجمع موجود تھا لیکن جب فوج اور پولیس کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو منتشر ہو گیا۔ گورنر کو یہ دکھانے کے لئے کہ مجمع بار بار کس طرح نمودار ہوتا ہے پولیس اور فوج کے سپاہی اپنی اپنی گاڑیوں میں چپ چاپ بیٹھ کر بظاہر گاڑیاں لے کر نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ فوراً ہی گلیوں اور کوچوں سے آدمیوں کا سمندر ابل پڑا اور گورنر پارٹی سے اس کا فاصلہ صرف ۳۰ گز رہ گیا لیکن فوراً ہی پولیس اور فوج کے سپاہی پھر نمودار ہوئے انہیں دیکھتے ہی مجمع پھر غائب ہو گیا لیکن اتنے ہی عرصے میں چھرے کے زخموں سے چور ایک لاش سڑک پر۔ بالکل سپاہیوں کے پاس پھڑکتی ہوئی نظر آنے لگی۔

رات کو جو کشت و خون ہوا وہ بھی بہت زیادہ اور بہت ہولناک تھا۔ اور خاص طور پر صبح ۱۷ تاریخ کو ۸ بجے سے لے کر ۳ بجے تک۔ جو خونریزی ہوئی وہ تو وہم و گمان سے ماوری تھی۔ کلکتہ کا جنوبی حصہ آگ کے شعلوں کی لپیٹ میں مکمل طور پر آ چکا تھا۔ اور یہ شعلے بھڑکتے ہوئے شہر کے شمالی اور وسطی حصے تک پہنچ گئے تھے تلواروں کا استعمال بڑی صفائی سے ہو رہا تھا۔ لوگوں کی ٹولیاں دیوانہ وار اور برابر

ہوئے تھے۔ جوتوں کے خالی ڈبے ٹوٹا ہوا فرنیچر اور دوسری چیزیں جل رہی تھیں ہوا اس میں سے بوجھل ہو رہی تھی۔ جو پولیس نے مجمع کو منتشر کرنے کے لئے استعمال کی تھی۔ ایمہرسٹ اسٹریٹ میں فسادیوں نے ایک سیف کو گھر سے نکالا اور گھسیٹتے ہوئے سڑک تک لے آئے۔ کھول بھی ڈالا۔ اپر سرکلر روڈ پر مٹی کے تیل میں تر بتر بورے آگ لگا لگا کر سڑک پر پھینک دیئے تاکہ ادھر تو آگ کے شعلے بھڑکنے لگیں مجمع کا باقی حصہ خوشی کے نعرے لگا لگا کر اس وقت تک لوٹ مار میں مشغول رہا جب تک آگ کی لپٹیں ناقابل برداشت نہ ہو گئیں۔ لیکن یہ ہنگامہ آرائی صرف لوٹ مار اور غارت گری تک محدود رہی اب تک کوئی شکایت اس قتل عام کی نہیں ملی تھی جو واقع ہو کر رہا۔ گلیاں اور کوچے اور سڑکیں لاشوں سے بالکل صاف تھیں۔

تقریباً ۵ بجے شام کو حالات زیادہ سازگار نظر آئے تھے لیکن صبح کی پو جیسے ہی پھٹی، لاشیں ہی لاشیں، گلیوں، کوچوں اور سڑکوں پر بکھری نظر آنے لگیں، اور کشت و خون کا نیا ہولناک دور شروع ہو گیا۔ اکثر ایسا ہوا کہ ایک آدمی اس سڑک پر سے گزرا جو بالکل صاف تھی لیکن چند منٹ بعد جب واپس آیا تو لاشیں ہی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ کسی سڑک کے بیچوں بیچ کبھی کسی قلیوں کے ٹھیلے میں ٹھنسی ہوئی لاشیں ان میں سے اکثر تازہ تھیں لیکن کشت و خون کی یہ واردات کس جگہ ہوئی: نہیں معلوم۔

ساڑھے تین بجے سہ پہر کو انگریز سپاہیوں کے تین دستوں نے مشترکہ طور پر بندوبست کیا اور وسط شہر کے پورے علاقہ کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ ۸ بجے رات سے کرفیو نافذ کر دیا گیا ہم نے ایک دستہ کو فورٹ ولیم میں واپس بلا لیا کہ وہ آرام کرے اور صبح کے لئے پھر چوکس ہو جائے۔

رات کو حالات میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی۔ طوفان پھٹ چکا تھا اور اس مرتبہ وہ اپنے ساتھ قتل عام کا دھارا بھی لایا تھا۔ گزشتہ فروری میں جو فساد ہوا تھا وہ بھی خاصا ہولناک تھا اور اس نے ہم سب کو خاصا دہشت زدہ کر دیا تھا لیکن یہ بالکل جداگانہ نوعیت کا تھا۔ یہ ہولناک ترین درندگی اور بہیمیت کا لرزہ خیز نمونہ تھا۔ قتل، قتل — اور پھر ہاتھ پاؤں کاٹ کر نکما کر دینا اور آگ لگا دینا۔

پارک اور لنکا شائر نے سیالدہ کے قریب عام شاہراہوں کو صاف کر دیا لیکن حالات تھے کہ قابو ہی میں نہیں آتے تھے۔ قتل و غارت کا سلسلہ شہر کے ہر گوشہ اور کونہ میں تیزی کے ساتھ جاری تھا۔ پولیس بے بس نظر آ رہی تھی۔ اس وقت

چیف سیکرٹری سے چلاکر کہا ایسا نہ کرو ورنہ شہر کا رہا سہا امن بھی برباد ہو جائے گا۔

مسٹر سہروردی جانتے تھے کہ ہم ناہبوں (مسلمانوں) کے خلاف ہندوؤں کے جذبہ قتل و غارت کو واشگاف کر دیں۔ انہوں نے ملامت بھرے انداز میں ایک ٹولی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یہ ذو پہ آنے والے مسلمانوں کا انتظار کر رہے ہیں۔ ان سے سوال کیا گیا آخر کیا بات ہے کہ فوج میں ہندو اور مسلمان نہایت ہم آہنگی اور سکون کے ساتھ مل جل کر رہتے ہیں؟ شہری زندگی میں کیوں دوستانہ اور پرامن طور پر نہیں رہ سکتے؟ مسٹر سہروردی نے جواب دیا۔ اب زیادہ عرصہ تک ہندو مسلم اتحاد فوج میں بھی قائم نہیں رہ سکے گا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ مسٹر سہروردی کا یہ جواب حقیقت پر مبنی تھا جسے جلد ہی ہم سب نے بچشم خود دیکھ لیا۔

پولیس اور سپاہی اب تھکتے جا رہے تھے۔ تشدد آمیز سرگرمیوں کی روک تھام کا کام شب و روز کرتے کرتے ان میں بددلی پیدا ہو چکی تھی۔ سارا بوجھ رفتہ رفتہ فوج پر آپڑا تھا۔ راج موہن چوراسانکو، تاراچند دت سٹریٹ اور بھوانی پور شہر کے یہ سارے جنوبی علاقے[1] پورے طور پر مسکن دحوش و شیاطین بنے ہوئے تھے اور قتل و غارت اور تخریب و انہدام کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری تھا۔ ملٹری پٹرول نے فائرنگ کی فسادیوں میں سے دو آدمی زخمی ہو کر گر پڑے۔

اتوار ۱۸ اگست کو یارک اور لنکا سٹر رجمنٹ نے اپنے تھکے ہوئے ساتھیوں کو آرام دینے کے لئے پھر فورٹ ولیم سے رخت سفر باندھا۔ یہ رجمنٹیں جب روانہ ہونے لگیں تو شمالی کلکتہ کے شام[2] بازار میں حالات کے نازک تر ہونے کی اطلاع ملی۔ چنانچہ ان دونوں رجمنٹوں کو فوراً موقعہ واردات پر جانے کی ہدایت کی گئی۔ وہاں جا کر انہوں نے دیکھا، فرنیچر بستر، صندوق اور ہر قسم کے سامان خانہ داری سے راستے اٹے پڑے تھے۔ یہاں تک کہ ہلکے ٹینکوں تک کے لئے راستہ چلنا مشکل ہو گیا۔ فوجی موٹروں اور گاڑیوں کا اس وقت تک آگے بڑھنا ممکن نہ تھا جب تک ان چیزوں کو راستہ سے ہٹا نہ دیا جائے۔ اور ستم بالائے ستم یہ کہ راستہ روکنے والی چیزوں میں صرف سامان ہی شامل نہ تھا۔ کٹی پھٹی لاشوں بھی تھیں اور اتنی زیادہ تھیں کہ کترے اسٹریٹ چیت پور روڈ کے سنگم سے جب سپاہیوں سے لدے ہوئے

---

[1] یہ سارے علاقے ہندو آبادی کے تھے۔

کشت و خون اور قتل و غارت کرتی پھر رہی تھیں۔

پولیس نے جو رپورٹ بھیجی وہ بھی ہماری خفیہ جماعت کی اطلاعات کی تصدیق کر رہی تھی۔ پولیس نے اعتراف کیا تھا کہ سارا شہر قابو سے باہر ہو رہا ہے۔ اور زبردست خونریزی تمام اطراف میں جاری ہے۔ پولیس گولیاں چلاتی تھی، گیس پھینکتی تھی لیکن بے نتیجہ۔ جلتی ہوئی عمارتوں اور مکانوں سے جو دھواں اٹھ رہا تھا آسمان سے باتیں کر رہا تھا اس کی سیاہی نے روشنی کو ڈھک لیا تھا۔ گرد و غبار کا طوفان اٹھ رہا تھا۔ زخمیوں کی کراہوں اور مرنے والوں کی دلدوز آہوں سے کانوں کے ساتھ دل بھی پھٹے جا رہے تھے۔ شور و غوغا کا سلسلہ گارڈن بریچ سے لے کر کیدر پور ، ٹیا برج۔ بلگاچی اور لوور سرکلر روڈ تک جاری تھا۔ لوٹ مار اور تخریب و انہدام کی کارفرمائی کا پارک اسٹریٹ بھر میں عمل دخل تھا یورپین تک۔ اپنے گھروں میں دبکے بیٹھے تھے باہر نکلنے کا یارا نہ تھا۔ وہ اور ان کے بال بچے گویا نظر بند تھے اور ٹین کے ڈبوں کی سربمہر غذا پر گزارا کر رہے تھے۔

۱۸ مارچ کو گورکھا رجمنٹ نے گھروں کے رقبہ کی طرف نقل و حرکت کی میجر ٹل رے کی سرکردگی میں فوج کے دستوں نے ضرورت مند اور گھرے ہوئے لوگوں کو بچانے کا کام پولیس کے ہاتھ سے لیکر خود شروع کیا اور واقعہ یہ ہے کہ اچھا کام کیا لیکن شہر کے جو علاقے اب تک فوج کی دسترس سے باہر تھے وہاں حالات لمحہ بہ لمحہ نازک سے نازک تر ہوتے جا رہے تھے۔ خون پانی کی طرح بہہ رہا تھا۔ عمارتیں جل رہی تھیں، لوگ مر رہے تھے، بسیں اور ٹیکسیاں، تلواروں، نیزوں اور آتشیں اسلحہ سے مسلم، سکھوں اور ہندوؤں سے لدی پھندی فراٹے بھر رہی تھیں۔

دوپہر کو گورنر نے آرمی کمانڈر، چیف سیکرٹری اور مسٹر سہروردی کی معیت میں پولیس اور فوج کے افسران کی معیت میں شہر کا گشت کیا۔ بستیوں کے علاقہ سے قطع نظر ایک بھی تازہ دم مجمع نظر نہیں آیا لیکن بستیوں یعنی مضافاتی آبادیوں میں اب تک پوری شدت اور ہولناکی کے ساتھ لوٹ، آتشزنی اور قتل و غارت کا سلسلہ جاری تھا۔ جہاں کہیں بھی گورنر پارٹی پہنچتی فسادی گھروں میں گھس جاتے اور چھتوں پر چڑھ کر جھانکتے۔ ایک مرتبہ ایسے ہی موقع پر جب چھت پر چھپے اور جھانکتے ہوئے فسادی ہندوؤں پر سرکاری پارٹی نے شوٹ کا ارادہ کیا تو ایک پڑوسی (مسلمان) حقے

ٹینک گزرے تو انہیں رک جانا پڑا اور بکھری ہوئی لاشیں جب ادھر ادھر ڈھیر کر دی گئیں تب راستہ بنا۔ تب ٹینک آگے بڑھے اور جا کر رزم آرا فسادیوں کو منتشر کیا جا سکا۔ اس کراس روڈ سے ڈیڑھ سو سے زیادہ لاشیں ہٹائی گئیں یہیں کلکتہ میں ایک مشہور غنڈہ لڑتا ہوا مارا گیا جو دونوں ہاتھوں میں چاقو لئے لڑ رہا تھا۔ اور اس کا تین ٹن کا ٹرک گرے سٹریٹ پر کھڑا ہوا تھا جس سے چیزوں اور لاشوں کو سمیٹ کر راستہ صاف کرنے میں بڑی مدد ملی۔ ذرا آگے بڑھ کر یعنی تین سو گز کے فاصلے پر چیت پور روڈ کے پاس بھی ایک خونریز اور ہلاکت خیز جنگ دونوں فریقوں میں ہوئی ایک سو سے کچھ زیادہ لاشیں ثبوت کے طور پر ہمارے سامنے پڑی ہوئی تھیں۔ سنٹرل ایونیو میں ایک ہندو مندر کے قریب اور آس پاس کے علاقہ سے چالیس لاشیں ملیں باگ بازار اسٹریٹ کے علاقہ میں ایک چھوٹی سی مسلم بستی میں ہمارے آدمیوں نے دیکھا کہ سب کچھ جل چکا تھا۔ کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔ یہاں کے رہنے والے یا تو بھاگ گئے تھے یا بیدردی سے قتل کر دیئے گئے تھے۔ تین ننھے ننھے معصوم بچوں کی لاشیں اس جرم کی شہادت دے رہی تھیں۔

اس حادثہ کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ ہمیں تین مختلف ذرائع سے ایک ہی اطلاع ملی وہ یہ تھی کہ اس مسلم بستی کو جلا کر خاک سیاہ کرنے والے لونڈے تھے جنہیں ایک مشہور شخص نے اجرت دے کر اس کام پر مامور کیا تھا۔

اس علاقہ میں لاشوں کو زیادہ قریب سے دیکھنے کے بعد اندازہ ہوا کہ کس بہیمیت اور شقاوت کے ساتھ لوگ ہلاک کئے گئے تھے۔ بہت سی لاشیں مسخ کر دی گئی تھیں ایک لاش تو ہم نے ایسی دیکھی کہ ایک آدمی کو ٹخنوں سے باندھ کر ٹوٹے ہوئے الیکٹرک جنکشن سے لٹکا دیا تھا۔ اس کے ہاتھ پیچھے کی طرف باندھ رکھے گئے تھے۔ پیشانی پر سوراخ کر دیا گیا تھا تاکہ دماغ سے اتنا جریان خون ہو کہ فوراً مر جائے اور ایسا ہی ہوا یہ منظر اتنا دلخراش اور جگر فگار تھا کہ حیرت ہوتی ہے۔ جن سپاہیوں کو یہ لاشیں اتارنے کا اور قریب پڑے ہوئے ایک بورے میں لپیٹنے کا حکم دیا گیا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر موقع واردات پر اپنے ہوش و حواس وہ کس طرح سلامت رکھ سکے۔

اس تفتیش نے ایک اور اہم حقیقت واضح کر دی جو اب تک نظر سے اوجھل تھی۔ بہت سی لاشیں بوریوں اور کوڑے دان میں بند پڑی سڑ رہی تھیں اور اب

اس وجہ سے نمایاں ہونے لگی تھیں۔ لیکن سونا بازار میں تو وسیع پیمانہ پر قتل کے واقعات کے نشانات ملے۔ کوئی گلی لاشوں سے خالی نہ تھی ایک کمرے میں پندرہ (۱۵) دوسرے میں بارہ لاشیں ملیں۔ بازار کے مغربی حصہ میں ایک رکشا اسٹینڈ تھا۔ تمام رکشا ٹوٹے پھوٹے پڑے تھے اور ظاہر تھا کہ رکشا کھینچنے[۱] والے سب کے سب مجموعی طور پر قتل کر دیئے گئے تھے۔ اس قتل گاہ میں ہم نے دو زندہ بچے برآمد کئے دونوں بری طرح زخمی تھے اور ایک کے زخم تو سٹر گئے تھے۔ جیسا کہ سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ دونوں بچے حددرجہ بدحواس اور سراسیمہ تھے۔ بلکہ تقریباً پاگل ہو چکے تھے۔ ان کے ذہنی اعصاب بالکل مفلوج ہو چکے تھے۔ اور جس چیز نے انہیں دیوانہ بنا دیا تھا۔ اور اب کبھی یہ نارمل حالت پر واپس نہیں آسکیں گے۔ ڈاکٹر نے ہمدردی کے ساتھ ان کی مرہم پٹی کی اور انہیں ہسپتال بھیج دیا۔ صرف جسمانی طور پر ہی ان کا علاج ممکن ہے۔ ذہنی طور پر انہیں مارکٹ کے ان مقتولین کو بعید ترین اندازہ بھی نہیں تھا کہ کیا ہو رہا ہے اور کیوں؟

دوسرے روز حالات معمول پر آئے کچھ دکانیں بھی کھلیں۔ ٹراموے اور اس کو کام شروع کرنے پر آمادہ کرنے کی سعی بھی کی گئی۔ حادثات کا سلسلہ آج بھی جاری رہا۔ لیکن کم کم۔ اب ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ تین روز کی لرزہ خیز دیوانگی اور زہرہ گداز قتل و غارت اور کشت و خون کے بعد کلکتہ کے لوگ کرمینٹ کا لباس پہن رہے ہیں۔

سیالدہ سٹیشن کے قریب جو رونگٹے کھڑے کر دینے والے حوادث رونما ہوئے ان کا ذکر میجر لیورمور کے بیان مندرجہ میں ملے گا۔

۹ اگست کو۔ امدادی کام کیا گیا۔ زخمیوں اور بے گھروں کو حفاظت سے نکال لانے کی جدوجہد کی گئی۔ چیف منسٹر مسٹر سہروردی اس تمام عرصہ میں اتنے معین و مددگار نہیں ثابت ہوئے جتنے نکتہ چین وہ فوج کے کام سے ذرا بھی مطمئن نہ تھے۔

میں نہیں جانتا۔ شاید کوئی بھی نہیں جانتا۔ مقتولین کی صحیح تعداد کیا ہے؟ ایک اندازہ یوں ہو سکتا ہے کہ اس ایک رات میں انگریز فوجی دستوں نے ساڑھے

---

[۱] خالص ہندو علاقہ [۲] جو مسلمان ہی تھے۔

ایسٹرن کمانڈر نے فوراً احکام نافذ کئے کہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے مشرقی بنگال میں فتنہ و فساد کا خاتمہ کر دیا جائے۔ کیونکہ اس کا اثر سارے ملک میں مترتب ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ فیصلہ ہوا کہ ایک ذمہ دار افسر تحقیق احوال اور واقعات کے لئے فوراً موقع واردات پر پہنچ جائے۔

گورکھا بٹالین پہلے ہی پہنچ چکی تھی اب فیصلہ کیا گیا کہ ایک اور دوسری بٹالین بھی فوراً چاٹگام روانہ کر دی جائے۔ اگر ہو سکے تو طیاروں کے ذریعے روانہ کی جائے۔ ایریا کمانڈر جنرل اینیگ نے کچھ عرصہ کے لئے افواج کی روانگی ملتوی رکھنا چاہی تھی کیونکہ وہ اب تک تاریکی میں تھے اور صحیح حالات کا انہیں اندازہ نہ تھا۔ اور اب وہ چیف سیکرٹری اور انسپکٹر آف پولیس سے گفتگو کر کے لائحہ عمل متعین کرنا چاہتے تھے اور اس موقع پر یہ طے ہوا کہ انسپکٹر جنرل آف پولیس اور بنگال آسام ایریا کے جی ایس او فوراً بذریعہ طیارہ چاٹگام روانہ ہو جائیں اور صحیح واقعات معلوم کر کے ان سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کریں۔ جنرل اینیگ کی رائے میں اور سول حکام کی رائے بھی یہی تھی پولیس نے جس زور شور سے پروپیگنڈہ کیا تھا۔ وہ بہت زیادہ مبالغہ آمیز تھا۔ اور جتنی فوج مشرقی بنگال میں متعین تھی وہ حالات سے نبٹنے کے لئے کافی تھی۔

فسادیوں کے گروہ جو باہر سے آئے تھے ان علاقوں میں جہاں ہندو بہت زیادہ اقلیت میں تھے۔ مار دھاڑ کر رہے تھے جو ہندو عوضانہ دے دیتے تھے بچ جاتے تھے باقی کے مکانات جلا دیئے جاتے تھے نواکھالی کے شمال میں حالات زیادہ ابتر تھے۔ چنانچہ ایک گورکھا کمپنی دوسرے دن فرید گنج، دوسری گورکھا کمپنی لکشمی پور اور باقی سپاہ چاند پور بھیجدی گئی۔

ہمیں جو اطلاعات تفصیلی طور پر ملیں وہ یہ تھیں۔

ایک مقامی مسلم قومی کارکن غلام سرور کی طرف سے اندیشہ کیا جا رہا تھا کہ وہ گڑبڑ پیدا کرنے کی تدبیر کر رہا ہے لیکن اس اطلاع کو مشتبہ قرار دیا گیا اور کوئی تدارک نہیں کیا گیا اور اس ساری ہنگامہ آرائی میں اسی کا ہاتھ تھا۔

لیکن مشرقی بنگال میں فتنہ و فساد اور قتل و غارت کے جو واقعات ہوئے انہیں حد درجہ مبالغہ آمیز رنگ میں بیان کیا گیا۔ اس علاقہ میں مقتولین کی تعداد کم

چار سو سے زیادہ لاشیں سڑکوں پر سے اٹھائیں اس کے بعد مسلسل کئی دن تک لاشوں کے انبار نالوں، تالابوں اور دوسرے مقامات سے دستیاب ہوتے رہے محتاط طور پر اتنا تو بہرحال کہا جا سکتا ہے کہ مقتولین کی تعداد ہزاروں سے متجاوز تھی۔

۱۳ اگست کو بڑی کٹھن گھڑی سے گزرنا پڑا۔ سب سے کٹھن گھڑی تو وہ تھی جب "میدان جنگ" سے لاشیں اٹھانا پڑیں۔ ہمارے ڈاکٹروں نے ۵، لاکھ یونٹ اینٹی ٹٹنس سیرم سرجن جنرل بنگال کو دے کر بیماروں کا علاج کیا — بھوکوں کو کھانا کھلایا۔

اب دن رات کے طوفان بلاخیز نے مشرقی بنگال کا رخ کیا۔ ۲۲ اگست کو گورکھا دستے چاٹگام روانہ کر دیئے گئے۔ یہ دستے ۲۴ کو وہاں پہنچ گئے انہوں نے وہاں کی فضا حد درجہ مشتعل پائی۔ گزشتہ شب کے مجروحین و مقتولین کی تعداد ۲۸ تھی

ان تصریحات سے اندازہ ہوتا ہے کہ کلکتہ کا فساد مسلمانوں نے شروع نہیں کیا۔ اگر ان کا جلوس پرامن طور پر گزرنے دیا جاتا اور راستہ نہ روکا جاتا تو ہرگز مشتعل نہ ہوتے۔ البتہ جب فساد ان پر لاد دیا گیا تو انہوں نے بھی حصہ لیا۔ لیکن بہت کم۔ گو متحدہ بنگال میں ان کی عددی اکثریت تھی۔ لیکن کلکتہ شہر میں وہ پسماندہ اقلیت کا درجہ رکھتے تھے لہٰذا فساد شروع کر کے اسے کامیابی سے اختتام تک پہنچانے کی ان میں شکت ہی نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس فساد میں سب سے زیادہ جانی نقصان انہی کو برداشت کرنا پڑا۔ انہیں کی بستیاں جلائی گئیں۔ انہی کے مکانات لوٹے گئے اور انہیں بے گناہوں کا قتل عام ہوا۔ انہی کی لاشوں کو مسخ کیا گیا اور قتل کے بعد بھی طرح طرح سے انہیں نشانہ ستم بنایا گیا۔

مشرقی بنگال میں رائی کا پہاڑ

۷ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو ہندو اخبارات نے دفعتاً مشرقی بنگال میں قتل غارت اور فتنہ فساد کی رپورٹیں نمایاں اور جلی الفاظ میں شائع کیں۔ یہ اطلاعات حد درجہ مبالغہ آمیز تھیں۔ بہار کا لرزہ خیز فساد انہیں کی بنا پر ہند میں رونما ہوا۔

۱۹ نومبر کو خاص طور پر تحقیقاتی جائزہ ایسٹرن کمانڈ ہیڈ کوارٹر کی طرف سے لیا گیا جس سے معلوم ہوا کہ حالات معمول پر آ رہے ہیں۔ البتہ فرید گنج کی حالت ذرا مختلف تھی جہاں مکانات جلنے کے آثار پائے جا رہے تھے چاندپور اور رانی گنج میں پناہ گزین بھرے ہوئے تھے۔ بہرحال یہ گڑ بڑ صرف ایک خاص علاقہ تک محدود تھی وسیع اور ہمہ گیر نہ تھی۔

اسی شام کو گورنر نے اپنے بیان میں فوج اور پولیس کی کارگزاری پر اظہار اطمینان کیا۔ اور اس بات پر بھی کہ مشرقی بنگال میں نظم ونسق کی عملداری قائم ہو گئی۔ ساتھ ہی ساتھ انہوں نے یہ بھی کہا کہ مقامی حکام کو پناہ گزینوں کی راحت رسانی اور غذائی رسد بہم پہنچانے میں کافی تبدیلی کے ساتھ کام کرنا چاہیئے گورنر کو اس بات کی فکر تھی کہ پناہ گزین جلد از جلد اپنے اپنے مقام پر پہنچا دیئے جائیں اور ان میں اعتماد پیدا کر دیا جائے۔ گورنر نے مزید فوج طلب کی، اس لئے نہیں کہ پناہ گزینوں میں اعتماد بحال ہو جائے اور وہ اپنے اپنے گھروں میں واپس آنے پر راغب کئے جا سکیں۔

ایسٹرن کمانڈر نے ایک انفینٹری بریگیڈ اور دو بٹالین فوراً بھیج دیئے کرنل بھابیر کے خلاف جانبداری کے سنگین الزامات عائد کئے گئے اور اصرار کیا کہ فوج کیمپ تک محدود رہے اور قیام امن کی ذمہ داری کے نام پر سرگرمیوں کا مظاہرہ نہ کرے۔ جنرل ایبنگنگ نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا اور فوج بدستور صورت حالات سے عہدہ برآ ہوتی رہی۔

ہمارا تخمینہ یہ ہے کہ مشرقی بنگال کے اس فتنہ و فساد اور کشت و خون میں تین سو سے زیادہ آدمی ہلاک نہیں ہوئے۔ ہندو پریس نے سٹر بازوگی کے عالم میں نہایت غلط اور لرزہ خیز خبریں چھاپنا اور ساری دنیا میں پھیلانا شروع کر دیں انہی غلط بیانیوں کے باعث بہار اور یوپی میں انتقامی جذبہ ابھرا اور اس نے نہایت ہولناک صورت اختیار کی۔ پھر یہی چنگاری تھی جس نے پنجاب کے مسلمانوں کو مشتعل کیا اور وہاں خانہ جنگی (سول وار) کی سی کیفیت پیدا ہو گئی۔

جب حالات ذرا درست ہوئے اور فوجی نقل و حرکت کے راستے میں دلدل اور کیچڑ کی جو رکاوٹ تھی دور ہو گئی تو حالات کا تفصیلی طور پر جائزہ لیا گیا اس سے

طرح دوسو سے زیادہ نہ تھی۔ دوسری طرف صورت حال یہ تھی کہ بے شمار ہندوؤں نے بھاگنا شروع کر دیا جس سے بد اسیمگی اور عام دہشت کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسی خاص شخص کے متعلق بھی یہ کہنا مشکل ہوگیا کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا ہے۔

غلام سرور کا گروہ قریباً ایک ہزار آدمیوں پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ ڈیڑھ ڈیڑھ سو دو دو سو کے گروہ میں تقسیم ہو کر ہراس و دہشت پھیلا رہے تھے۔ ان لوگوں کا اصول یہ تھا کہ دیہات میں حملہ کر وہاں کے ہندوؤں کو قبول اسلام یا تاوان دینے پر مجبور کرتے تھے بصورت انکار قتل کی دھمکی دیتے تھے۔ بعض لوگوں نے مطلوبہ معاوضہ دے دیا۔ بعض نے مذہب تبدیل کر لیا۔ بہت سے لوگ بھاگ گئے اور کچھ لوگ جنہوں نے مزاحمت کی قتل کر دیئے گئے۔ بدقسمتی سے ان مقتولین میں بعض مشہور لوگ بھی تھے۔ مثلاً راجندر ناتھ چودھری اور ان کے افراد خاندان اس واقعہ نے رنگ کو لہرایا اور حد درجہ مبالغہ آمیز خبروں کی تشہیر میں مدد دی۔ یہ ٹھیک ہے حالات بہتر نہ تھے لیکن پریس نے انہیں ضرورت سے زیادہ ابتر اور خوفناک صورت میں پیش کیا۔

ہندوؤں نے اجتماعی طور پر اپنے دیہاتوں کو چھوڑ دیا اور گھر بار لٹیروں کے رحم و کرم پر چھوڑ گئے۔ ان لٹیروں نے موقع سے فائدہ اٹھایا خوب لوٹ مار اور آتش زنی کی۔ جس گڑبڑ کا آغاز نواکھالی سے ہوا تھا اور جو شمالی علاقہ تک پھیل گئی تھی بعد میں وہ چاندپور کے شمال اور مشرق تک پھیل گئی۔ جس علاقہ میں فساد ہوا، کے گروہ لوٹ مار کر رہے تھے وہ کومیلا، نیپنی، نواکھالی، لکشمی پور، فرید گنج اور چاند پور تھے۔

نومبر کے آغاز میں میں نے ایک پریس کانفرنس منعقد کی۔ اس موقع پر ہم نے اپنے مشاہدات و تاثرات صفائی سے بیان کر دیئے۔ یہ بھی بتا دیا کہ یہ ساری کارستانی غلام سرور کے گروہ کی ہے جو تقریباً ایک ہزار افراد پر مشتمل ہے لیکن جو اخبارات رنگ آمیزی کے ساتھ بڑھا چڑھا کر خبریں شائع کر چکے تھے وہ کسی طرح یقین کرنے پر آمادہ نہیں تھے کہ وہ داستان عظیم جو انہوں نے شائع کی تھی صرف ایک ہزار افراد کی کارگزاری کا نتیجہ تھی۔ دیہاتوں کا جو تحقیقاتی جائزہ لیا گیا اس سے بھی یہ بات ثابت ہوگئی کہ بربادی اور آتش زنی کی جو کہانیاں چھپی تھیں وہ یکسر ناقابل اعتبار تھیں۔

کوئی شبہ نہیں بعض مسلم حکام مجرموں کی نشان دہی سے کتراتے تھے۔ بہر حال جب تک غنڈوں کا استیصال کامل نہ ہو گیا ہم فوج نہ ہٹا سکے تھے۔ ایسا نہ کرتے تو حالات پھر نازک صورت اختیار کر لیتے تھے۔ ہم نے اس بات پر زور دیا کہ ملزموں کی ضمانتیں نہ لی جائیں کیونکہ ان کی رہائی سے پھر فساد رونما ہونے کا اندیشہ تھا۔

اب حالات کی رفتار یہ تھی کہ کانگرسی اور نیشلسٹ مسلمانوں کے لئے اپنی پوزیشن برقرار رکھنا مشکل ہو گیا تھا۔ ہندو انہیں مشتبہ نظر سے دیکھتے تھے، اس لئے کہ وہ مسلمان تھے اور مسلمان ان سے نفرت کرتے تھے کیونکہ وہ ان کی نظر میں غدار تھے یہی وجہ تھی کہ ان میں سے کافی لوگ مسلم لیگ میں شریک ہو گئے

سر فرانسس ٹکر کی اس تحریر سے کئی باتوں پر روشنی پڑتی ہے۔

۱۔ کلکتہ میں جب مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا تھا تو گورنر نے کوئی خاص سرگرمی ان کے بچانے یا حالات کو درست کرنے کی نہیں کی لیکن جب مشرقی بنگال سے فساد کی خبریں آئیں تو وہ بیقرار ہو گیا اس لئے بذات خود دلچسپی لی۔ فوج کو بھی بذات خود غلام سرور کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔

۲۔ کرنل تھاپر نے مسلمانوں کے ساتھ اتنی زیادتیاں کیں کہ مسٹر سہروردی نے بھی علانیہ ان پر جانبداری کا الزام لگایا لیکن جنرل اینکنگ نے ایک نہ سنی اور فوج کو مصروف عمل رکھا۔

۳۔ کلکتہ میں فوج سے کوئی خاص کام نہیں لیا گیا لیکن مشرقی بنگال میں فساد ختم ہونے کے بعد بھی فوج تعینات رکھی گئی کہ کہیں فساد پھر نہ بھڑک اٹھے۔

۴۔ کلکتہ کے فساد کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی گئی لیکن مشرقی بنگال کے فساد کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دی گئی۔

حالانکہ خود سر فرانسس ٹکر نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ نواکھالی کے ہندو مقتولین کی تعداد تین سو سے زیادہ نہ تھی اور کلکتہ کے بارے میں ایک دوسرے موقع پر اظہار کیا ہے کہ چار ہزار آدمی مقتول ہوئے اور دس ہزار سے زیادہ مجروح۔

سے اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ اخبارات نے جو رپورٹیں شائع کی تھیں یکسر غلط تھیں اور بالکل بڑھا چڑھا کر شائع کی گئی تھیں اور عام تخمینہ سے کہیں کم لوگ قتل ہوئے تھے میں ایک مرتبہ نہایت اصرار کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں کہ ان غلط رپورٹوں ہی کے باعث پنجاب میں سول وار کا آغاز ہوا۔

متاثرہ علاقوں میں ہندو آبادی ضرورت سے زیادہ سہم گئی اور اس نے بھاگنا شروع کر دیا۔ اکثر صورتوں میں تو ایسا ہوا مرد چاندپور وغیرہ بھاگ گئے اور عورتوں اور بچوں کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ یہ پناہ گزین زیادہ تر اونچے طبقے کے لوگ تھے۔ لباس اور رنگ ڈھنگ سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ پناہ گزینوں کی کثرت کا ایک سبب ان نام نہاد والنٹیروں کا وجود تھا جو سیاسی مقاصد کے تحت لوگوں کو بھاگنے پر آمادہ کرتے اور اکساتے تھے۔ ان میں کافی تعداد غنڈوں کی تھی۔ ان سے ہمیں آرام تو کچھ نہیں ملا دشواریاں بےشک پیش آئیں۔

مثلاً کلکتہ میں سیالدہ اسٹیشن پر ۱۲ اکتوبر کو معائنہ کے وقت ہندو پناہ گزینوں کا بندوبست کرنے میں بڑی دقت پیش آئی اور جب ان میں کافی تعداد ایسے لوگوں کی نظر آئی جن کے بارے میں یہ یقین ہی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی جان بچانے کے لئے سب کچھ تیاگ کر بھاگ آئے ہیں یہ تو کلکتہ کے فیشن ایبل شکم سیر اصحاب نظر آتے تھے۔

گورنر بنگال نے غلام سرور کی گرفتاری کا فوری حکم صادر کیا۔ چنانچہ ایک گورکھا کمپنی پولیس افسروں کے ساتھ اس کے تعاقب میں گئی اور اسے کیفر کردار تک پہنچانے میں کامیاب ہوئی۔ اسی اثنا میں ہمارے حکام ضلع کے سابق سرکاری ملازمین سے رابطہ پیدا کر کے ان کی امداد سے متاثرہ دیہاتوں اور قصبوں کے حالات کو معمول پر لانے کی جد و جہد کرتے رہے۔

اخبارات میں دونوں فرقوں کی طرف سے فوج پر جانبداری کا الزام اب پھر لگایا جانے لگا۔ بلکہ اس مرتبہ ایک اضافہ یہ ہوا کہ فوج سویلین مخبروں سے کام لے رہی تھی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بے گناہ لوگ قتل ہو رہے ہیں۔

نومبر میں پھر فوج کی سرگرمیاں بقاء امن کے لئے جاری رہیں اور مستعدی کے ساتھ فسادیوں کو پکڑتی اور مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچاتی رہیں۔ اس میں بھی

بھارت میں مسلمان کس طرح ذبح کیے گئے؟

اکتوبر، نومبر ۱۹۴۶ء

اکتوبر میں سنٹرل کمانڈ ختم کردی گئی اور یوپی کا صوبہ بھی ایسٹرن کمانڈ کے رقبہ میں شامل ہوگیا۔ اس طرح ہماری ذمہ داریوں میں نیا اضافہ ہوگیا جہاں فرقہ وارانہ کشیدگی میں برابر اضافہ ہو رہا تھا۔

صوبہ بہار میں حالات اور زیادہ ابتر ہو گئے تھے۔ فضا دن بدن تاریک سے تاریک تر ہوتی جا رہی تھی۔ ۲۵، ۲۶ اکتوبر کو چھپرہ میں ہندو مسلم فساد ہوا جس کے نتیجہ میں ۴۴ آدمی ہلاک ہوئے۔ دو دن بعد یہ آگ بھاگل پور میں بھڑک اٹھی یہاں پچاس اموات ہوئیں۔

۴ نومبر کو پولیس نے صوبہ بہار کے ایک مقام بہار شریف میں گولی چلائی جہاں مجمع قابو سے باہر ہوگیا تھا جس سے سات آدمی جان سے مارے گئے ایک دوسرے مقام بھرا میں خنجر زنی اور آتش زنی کے بیس واقعات ہوئے ایک اور مقام آرسن میں تئیس مسلمانوں کی لاشیں پائی گئیں۔

مشرقی بنگال کا انتقام مسلمانوں سے لینے کے لئے ہندو بیقرار ہو رہے تھے چنانچہ بہار میں مسلمانوں کو عام طور پر ذبح کیا جانے لگا۔

۱۹۴۶ء کے تمام خونیں ہنگاموں اور فسادوں میں بہار کا قتل عام اور سفاکی کے لحاظ سے بہت بڑھ گیا۔ بڑے بڑے ہندو گروہ چھوٹ

ان حقائق سے انگریزوں کی پالیسی کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

ساقی اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو

رئیس احمد جعفری

علم میں نہیں آیا۔ لیکن میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ یہ سب ہندو مہاسبھا کا کیا دھرا تھا۔

میجر جنرل آر ہیکن کی ایک بدقسمتی حالات کو پورے طور پر سنبھال نہ سکنے کے سلسلے میں یہ تھی کہ فسادات کے وقت صوبہ کے گورنر سر ھف وڈ غیر حاضر تھے۔ لہٰذا میکن کی صوبائی وزارت سے سروکار رکھنا پڑا۔ اور ان وزیروں کو اس طرح کے حالات سے عہدہ برآ ہونے کا تجربہ نہ تھا۔ نہ سلیقہ، انہیں فوج کو استعمال کرنے کا طریقہ بھی نہیں معلوم تھا۔ لہٰذا ان کی طرف سے اصرار اور تسلسل کے ساتھ برابر یہی مطالبہ ہوتا رہا کہ فوج کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں ادھر ادھر بلکہ ہر جگہ بھیج دی جائیں۔

۲۷ اکتوبر کو چھپرہ میں فساد کا طوفان پھوٹ پڑا۔ مجسٹریٹ نے فوراً گورکھا فوج طلب کی کہ شہر اس کے حوالے کر دیا جائے۔ ایک کمپنی پولیس کی مدد کے لیے وہاں بھیج دی گئی۔

مزید بدقسمتی کی بات یہ تھی کہ صوبائی حکومت نے ۲۰ اکتوبر کو "نواکھالی ڈے" منانے کی عام اجازت دے دی کہ ان ہندو مقتولین کا ماتم کیا جائے جو مشرقی بنگال میں ہلاک ہوئے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جذبات اور زیادہ مشتعل ہو گئے۔ یہ غیر دانشمندانہ فیصلہ صوبائی حکومت کے دونوں فرقوں کے ذمہ دار آدمیوں کی مخالفت کے باوجود بروئے کار لایا گیا جس کے باعث دونوں فرقوں میں از سر نو جذبات کی تلخی شدت کے ساتھ نمودار ہوگئی۔ پٹنہ تک میں خنجر زنی کی وارداتیں شروع ہوگئیں دو کمپنیاں حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے وہاں بھیج دی گئیں۔ ۳۱ اکتوبر کو بھاگلپور میں فساد پھوٹ پڑا اور چالیس مسلمان مار ڈالے گئے۔ یہاں بھی کچھ گورکھا اور انگریز سپاہی بھیج دیئے گئے۔

دوسرے روز مدراس پلٹن بہار شریف بھیج دی گئی جہاں حالات نے بہت نازک صورت اختیار کر لی تھی۔

اسی اثنا میں بہار کے وزیر اعلیٰ نمودار ہوئے انہوں نے فرا[illegible] انگریز سپاہی درکار نہیں ہیں"۔ ان کے نزدیک یہ ایک [illegible] سلہ تھا۔ بعد ازاں انہوں نے اپنا ایک نیا منصوبہ پیش کر کے [illegible] کو اور زیادہ پیچیدہ بنا دیا۔ انہوں نے فوج کی چھوٹی چھو[illegible] [illegible] صوبہ کے مختلف مقامات پر پھیلا دینے کی سکیم مرتب کر ڈالی [illegible] سے انہیں سمجھایا گیا کہ فوج اور پولیس میں

بستیوں پر جہاں کے مسلمان پشت در پشت سے اپنے ہندو پڑوسیوں کے ساتھ میل جول سے رہتے چلے آرہے تھے ٹوٹ پڑے اور بڑی بے دردی سے ان کا صفایا بڑی ترتیب اور تنظیم کے ساتھ کر دیا۔ یہ راز اب تک نہ کھل سکا کہ اس منظم قتل عام کے پس پشت کون سا دماغ کام کر رہا تھا۔ ہم جو کچھ معلوم کر سکے وہ اتنا ہی ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے، بنائے ہوئے نقشے اور پروگرام کے مطابق ہو رہا ہے۔ یہ بات نہ ہوتی تو یہ کس طرح ممکن تھا کہ بڑے بڑے گروہ ہر طرح کے ہتھیار لے کر ٹھیک وقت معین پر گلیوں پر پورے نظم و ضبط کے ساتھ حملہ آور ہوتے؟ یہ بہاری تھے جنہوں نے ایسی شقاوت اور سنگ دلی کا مظاہرہ کیا۔ یہ بہاری تھے جنہیں ہم نے غدر ۱۸۵۷ء کے بعد فوج سے نکال دیا۔

بہار کے ان خونریز اور سفاکانہ ہنگاموں میں جو مسلمان مرد، بچے اور عورتیں ماری گئیں، ان کی تعداد آٹھ ہزار کے لگ بھگ ہے اگرچہ مسلم لیگ کا دعوٰی ہے کہ مسلم مقتولین کی تعداد بیس اور تیس ہزار کے مابین ہے۔ ہمیں جو رپورٹیں ملیں ان کی بنا پر یہ تعداد مبالغہ سے خالی نہیں، ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بالکل غلط ہے کہ مقتولین کی تعداد دو تین ہزار ہے۔ ان ہنگاموں میں جس سنگدلی اور شقاوت کا ثبوت دیا گیا اس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ عورتوں کو دو ٹکڑے کر دیا گیا ان کے بچوں کو قیمہ قیمہ کر دیا گیا اور وہ بھی اتنی بے حیائی سے کہ ایک مہذب آدمی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

ہم نے اپنے بعض ہندو سپاہیوں سے پوچھا کہ انہوں نے اتنے دھڑلے سے اپنے ہم مذہبوں پر جب گولی چلائی تو کوئی احساس پیدا نہیں ہوا۔ انہوں نے جواب دیا ہم نے دل کو ہلا دینے والے ظلم و سفاکی کے جو نمونے دیکھے تھے ان کی بنا پر جی چاہتا تھا کہ انہیں فنا کر دیں۔

بہار کے خونیں فساد کے کئی ہفتوں کے بعد ہم تک یہ افواہ پہنچی کہ اس قتل عام کا منصوبہ کلکتہ کے مارواڑیوں نے بنایا تھا جن کو کلکتہ میں رہنے اور مسلمانوں کے شریک فساد ہونے کے باعث کافی نقصان اگست ۱۹۴۶ء کے فسادیں پہنچا تھا۔ لیکن یہ محض افواہ ہے میرے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ میں نے اس کا ذکر اس لئے کر دیا کہ اس کے علاوہ اس منظم اور بے دردانہ قتل عام کا کوئی اور منصوبہ ہمارے

فرق ہے وہ مٹھی بھر کی تعداد میں کارگر نہیں ہو سکتی۔ ان سے یہ استدعا بھی کی گئی کہ کرفیو نافذ کر دیں۔ دفعہ ۱۴۴ کا اعلان کر دیں اور ہر طرح کے مجمع کو خلاف قانون قرار دیں۔

پٹنہ کے کمشنر ایک ہندو مسٹر بخشی تھے۔ انہوں نے فوج سے مدد طلب کی بریگیڈیر گوڈبائی کا بیان ہے کہ انہوں نے پوری ایک بٹالین ٹو ڈویژن کا مطالبہ کیا گورکھا فوج فوراً شہر بھیج دی گئی۔ یکم نومبر کو بھاگل پور میں فوج بھیجنا پڑی۔ ۲۰، نومبر کو سارے شمالی بہار میں گڑبڑ شروع ہو گئی۔ جمشید پور اور دھنباد کے صنعتی علاقہ میں مزدوروں کی سٹرائیک کا اندیشہ بھی پیدا ہونے لگا۔ ۱۴ ہزار مربع میل کے رقبہ میں پھیلے ہوئے ایک صوبہ میں ہر مقام پر جہاں تشدد ہو رہا تھا فوج کا بھیجنا اور وہ بھی اس صورت میں کہ سیلاب نے راستے روک رکھے تھے اور سڑکیں ناہموار اور ناقص تھیں بہت مشکل تھا۔

۲۵ نومبر کو صوبہ کے وزراء نے مطالبہ کیا کہ ہر مسلمان بستی پر چار چھ مسلمان سپاہی متعین کر دیئے جائیں اور الزام لگایا کہ فوج فسادیوں کی سرکوبی میں کوتاہی کر رہی ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ تھا کہ فوج کو کم سے کم طاقت استعمال کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔

ہمارے افسروں کو سب سے زیادہ جس بات نے حیران کیا وہ یہ تھی کہ یہ ہندو وزراء کتنی بے پرواہی سے ہندوؤں کے مسلمانوں پر لرزہ خیز مظالم کی داستانیں سنتے تھے اور یہ داستان اکثر سچ ہوتی تھی لیکن کوئی پرواہ نہ کرتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے انہیں یہ داستان سن کر کوئی دھچکا نہیں لگا۔

۳ نومبر کو لارڈ ویول وائسرائے پاک انڈیا اور پنڈت نہرو پٹنہ آ گئے۔ دوپہر کو آرمی کمانڈر اور وزیر دفاع بھی بذریعہ طیارہ آ گئے۔ اسی شام کو پنڈت نہرو نے جو وزیر اعظم کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور حکام فوج نے صورت حال کا جائزہ لیا۔ آخر بعد از خرابی بسیار کرفیو نافذ کر دیا گیا اور دفعہ ۱۴۴ کا اعلان کر دیا کرنل وے ونگ پہلی نومبر کو نتوا پہنچے جہاں جنجل پر حملہ کی تیاریاں کی جا رہی تھیں یہیں وہ کرنل مرے سے ملے اور دونوں نے مل کر اپنا پروگرام مرتب کیا۔ واپسی پر ڈے ونگ کو معلوم ہوا کہ [illegible] پر حملہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ ایک دوسرے افسر

اور چند سپاہیوں کے ساتھ وہ موقع واردات کی طرف روانہ ہوئے لیکن دیر سے پہنچے۔ فسادی اپنا کام ختم کر چکے تھے۔ بہت سی عورتوں اور بچوں کی بُری طرح مسخ شدہ لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ ابھی وہ صورت حال کا اچھی طرح جائزہ بھی نہ لے سکے تھے کہ ایک، دوسرے مقام سے ایسی ہی اطلاع ملی۔ وہ فوراً ادھر روانہ ہوئے لیکن یہاں بھی جب پہنچے تو یہ دیہات آگ میں جل کر بھسم ہو چکے تھے۔ زمین پر چند عورتوں، بوڑھوں اور بچوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ بالکل عریاں اور جھلسی ہوئی۔

اسی شام کو وہ بہار شریف واپس آئے۔ اسی دن دوپہر کو ایک برٹش افسر نے تختوا سے نمی کا رخ کیا جہاں ایک گاؤں کا ہزاروں آدمیوں نے محاصرہ کر لیا تھا۔ اس فوجی افسر نے مجمع پر گولی چلا دی جس سے وہ تتر بتر ہو گیا اور اس طرح نہایت آڑے وقت پر سات سو مسلمانوں کی جانیں بچ گئیں جنہیں فتوا پہنچا دیا گیا۔ یہ افسر جب ان مسلمان پناہ گزینوں کو لے کر واپس جا رہا تھا تو پھر اٹھوا فسادی مجمع اور بہت سے آدمیوں کی کمک لے کر پھر راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے چھوٹے سے فوجی پر حملہ بھی کیا اور کوشش کی کہ مسلمانوں کو چھین لے لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ جب رات ہوئی تو اس چھوٹے سے فوجی دستے کے لئے اتنی بڑی تعداد میں مسلمان عورتوں اور بچوں کو سنبھالنا اور خبر گیری کرنا مشکل ہو گیا۔ رات کی تاریکی جب بڑھی تو مجمع پھر آ گیا۔ ہمارے سپاہیوں نے گولیوں سے ان کا خیر مقدم کیا لیکن، یہ گولیاں تاریکی میں چلائی جا رہی تھیں کچھ پتہ نہ چل سکا کہ ان فسادیوں نے کتنا نقصان پہنچایا لیکن یہ اندازہ بہر حال ہو گیا کہ انہیں کچھ کامیابی ضرور ہوئی۔

ہمارے ایک افسر نے جو دستے کے ساتھ خیرا کا گشت کر رہا تھا جو بہار شریف کے مشرق میں واقع ہے بیس مسلمانوں کو خنجر زنی کا شکار پایا۔ جن میں سے آٹھ ہلاک ہو چکے تھے باقی بچا لئے گئے۔ سارا گاؤں لوٹ لیا گیا تھا۔ پھر آگ لگا دی گئی تھی۔ شعلے اب تک بھڑک رہے تھے گشتی دستے نے چند فسادیوں کو گرفتار بھی کر لیا۔

ایک اور گشتی دستہ رات کو ایک وسیع علاقہ کے گشت پر نکلا۔ ٹھیک نصف

شب کو ایک مقام کانجی پور پہنچا۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ حملہ آور اپنا کام کر کے روانہ ہو چکے تھے یہ سارا علاقہ ذبح خانہ معلوم ہوتا تھا دو سو مسلمانوں کی لاشیں خاک و خون میں لتھڑی پڑی تھیں۔ پندرہ نہایت زخمی حالت میں زندہ تھے لیکن سب کی حالت نازک تھی جنہیں تحتوا پہنچا دیا گیا۔ سارا دیہات جل کر خاک سیاہ ہو گیا تھا۔

۲۸ نومبر کی صبح کو دو ہزار کا ایک مجمع حملہ کے لئے بڑھتا نظر آیا جسے تتر بتر کر دیا گیا۔ ۱۱ بجے دن کو مدراس رجمنٹ نے سارے بہار شریف میں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر مسلح دستے کھڑے کر دیئے تاکہ پنڈت نہرو کے دورہ کے موقع پر امن و امان قائم رہے وہ شہر کے باشندوں کو مخاطب کرنے والے تھے اسی دن سہ پہر کو گشتی دستے پرگندی ٹاؤن اور اس سے ملحقہ مقامات پر روانہ کئے گئے۔ ایک پلٹن ایک متاثرہ دیہات کی طرف روانہ کی گئی جس کی رہنمائی سابق فوجی کر رہے تھے۔ یہ پلٹن خوش قسمتی سے قبل اس کے کہ زیادہ نقصان ہوتا موقع واردات پر پہنچ گئی۔ اسے پانچ ہزار فسادیوں کے مجمع سے نپٹنا پڑا جس نے ابھی ابھی حملہ شروع کیا تھا۔ پلٹن کی طرف سے گولی چلائی گئی جس سے پندرہ آدمی وہیں ڈھیر ہو گئے مجمع بھاگ گیا، پلٹن دیہات میں داخل ہوئی یہاں سے اس نے سات سو مسلمانوں کو جن میں ہر عمر کے لوگ شامل تھے محفوظ مقام پر پہنچا دیا، شام کو برکندہ کے علاقے میں پھر شعلے بھڑکنے لگے۔ کرنل وی نگ بہ ذات خود پہنچے۔ گاؤں جل رہا تھا اور آٹھ سو مسلمان ادھر ادھر پناہ ڈھونڈھ رہے تھے اور مدد کے جویا تھے۔ انہیں حفاظتی دستے کے ساتھ انہوں نے محفوظ مقام پر روانہ کر دیا اور خود اس جگہ روانہ ہوئے جہاں سے فسادی حملہ آور آئے تھے تاکہ انہیں گرفتار کر لیا جائے وہ جیسے ہی پہنچے گاؤں کے لوگ بھاگ گئے پھر بھی چند لوگ انہوں نے گرفتار کر لئے جن کے بارے میں تصدیق ہو گئی تھی کہ وہ حملہ آوروں میں شامل تھے۔

اس رات فائرنگ، فسادی غنڈوں کی گرفتاری اور ہزاروں مسلمانوں کے انخلا کی اطلاعات آتی رہیں۔ کئی مقامات پر سے یہ اطلاعات ملیں کہ جن مقامات پر مسلمان پناہ گزین رکھے گئے تھے وہاں بار بار بھرے ہوئے اور مشتعل گروہوں نے جو ہر طرح سے مسلح تھے حملہ کر کے ان پناہ گزینوں کو چھین لے جانے کی کوشش کی۔

۵، نومبر کو بلسا کے مغرب میں ایک بڑا فسادی مجمع ایک دیہات پر حملہ آور ہوا۔ یہاں مسلمانوں کی جو لاشیں گنی گئیں ان کی تعداد ڈیڑھ سو تھی۔

۶، نومبر کو سب سے بڑا حملہ عمل میں آیا یہ حملہ پندرہ ہزار فسادیوں نے ایک دیہات نھارا پر کیا تھا۔ ہمارے آدمی جب وہاں پہنچے تو یہ خاک کا ڈھیر بن چکا تھا۔ لاشیں گنی گئیں تو تقریباً ۴ ہزار مسلمانوں کی نکلیں۔ ان مقتولین میں بہت سے لوگ نشاٹ گن سے ہلاک ہوئے تھے۔ دوسروں کے بدن پر چھرے کے زخم تھے۔ ایسے لوگ بھی کافی تھے جو زندہ جلا دیئے گئے تھے۔ کئی کنوئیں لاشوں سے پٹ گئے تھے۔ صدہا آدمی زخمی تھے لیکن بہت بری طرح اور نہایت ہی مکروہ طریقے پر

اس صبح کو کرنل وے نگ بہار شریف سے بلسا کے لئے روانہ ہوئے لیکن فتوا پران کو ایک ٹرانسپورٹ افسر نے بتایا کہ نگر نوسا پر حملہ ہوا ہے۔ وہاں جاتے ہوئے راستے میں ایک کانگرسی مسلمان عبدالباسط سے ملاقات ہوئی۔ اس نے بھی اس خبر کی تصدیق کی اور التجا کی کہ وہ فوراً جائیں اور مسلمانوں کو بچائیں۔ چنانچہ وہ اپنے تھوڑے بہت ساتھیوں کے ساتھ آگے بڑھے مگر جب ایک میل رہ گیا تو راستہ اتنا دشوار تھا کہ سواری بیکار ثابت ہوئی۔ چنانچہ وہ اپنے آدمیوں کو لے کر پا پیادہ میدان جنگ کی طرف بڑھے۔ حملہ آور مجمع کے نعرے صاف سنائی دے رہے تھے وہ اور تیزی سے لپکے۔ بہت سے مکانوں سے دھواں اٹھتا نظر آ رہا تھا جو نذر آتش کر دیئے گئے تھے۔ تقریباً دس ہزار کا مجمع نگر کو گھیرے ہوئے تھا اور بڑے جوش کے ساتھ لوٹ رہا تھا۔ آگ لگا رہا تھا اور جو مسلمان بھی ستھے چڑھ جاتا تھا ہلاک کر دیا جاتا تھا۔ جب اپنے آدمیوں کے ساتھ کرنل نے دنگ فسادی مجمع کو تتر بتر کرنے کے بعد نگر میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ بہت سی لاشیں گل سڑ گئی تھیں، اس کے معنی یہ تھے کہ حملہ آج ہی نہیں ہوا تھا کئی دن سے جاری تھا بے بس مسلمانوں کی اس چھوٹی سی تعداد کو یکسر نیست و نابود کرنے کا جو عزم حملہ آوروں میں پایا جاتا ہے صرف دارو غہ جہنم کے لئے سزاوار ہو سکتا تھا۔ کرنل وے نگ کی پارٹی نے حملہ آوروں کو بھگانے کے بعد تھوڑے سے بچے کھچے مسلمانوں کو زندہ پایا لیکن یہ بھی دو ہزار کے قریب تھے ان کی حالت نازک ہو رہی تھی۔ انہوں نے ثابت قدمی کے ساتھ مقابلہ کرنے کی کوشش کی تھی

انہوں نے کرنل وسے ننگ اور ان کی مدراسی سپاہ کو خراج تحسین پیش کیا ہے وہ بالکل بجا اور درست ہے۔ ہندوستانی فوج کی "غیر جانبداری" کے بارے میں اپنے مخصوص نظریہ کی تائید میں جو کچھ کہا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔

بلاشبہ مدراس رجمنٹ کے سپاہیوں نے پوری غیر جانبداری کے ساتھ فساد زدہ علاقوں میں اپنے فرائض انجام دیئے اور ہندو فسادیوں کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی لیکن اسے انڈین آرمی کے بارے میں کلیہ نہیں بنایا جا سکتا۔ ہاں اسے استثنا کے طور پر ضرور پیش کیا جا سکتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ انڈین آرمی اور انڈین پولیس، دونوں میں یکساں طور پر فرقہ وارانہ زہر سرایت کر گیا تھا۔ انہوں نے جانبداری کو اپنا شعار بنالیا تھا اور ہندوؤں سے پورا تعاون کرنا شروع کر دیا تھا یہ فسادی ہندوؤں کے دوش بدوش مسلمانوں کو ہلاک و برباد کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ میں اپنے اس دعوے کی تائید میں مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی کتاب "آزادی ہند" (انڈیا ونس فریڈم) کا حوالہ دوں گا۔

مولانا صاحب نے واضح اور واشگاف الفاظ میں درد والم کے ساتھ یہ حقیقت تسلیم کی ہے کہ دہلی میں جب مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا تھا تو اس میں فوج اور پولیس کا تعاون بھی شامل تھا۔ پھر پنڈت نہرو نے جب مدراسی سپاہیوں کو طلب کیا اور جب انہوں نے کمان سنبھالی تو حالات سدھرے اور مسلمانوں کی جان بچی۔

بات یہ ہے کہ مدراس کے ہندو خواہ وہ عام لوگ ہوں، کیا پولیس اور فوج کے سپاہی تعصب سے دور ہیں۔ سارے ہندوستان میں مسلمانوں کے جان و مال کی جب خیر نہ تھی مدراس میں مسلمان امن اور چین کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اب آزادی ہند کے تیرہ سال بعد بھی ہندوستان بھر میں اگر مسلمانوں کے لئے کوئی گوشہ امن ہے۔ تو مدراس ہی ہے۔

مگر اب ان کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ حملہ آور اور بھپرے ہوئے مجمع پر تین مرتبہ فائرنگ کی گئی تب جا کر وہ ٹلا۔

اس مجمع کا جوش حد سے بڑھا ہوا تھا۔ یہ بے انتہا جارحانہ تھا۔ ایک مرتبہ منتشر ہونے کے بعد یہ پھر نگر کے مشرقی جانب اکٹھا ہو گیا اور حملہ کرنے کے لئے بڑھا اور کم از کم ایک مزید عمارت میں آگ تو اس نے لگا ہی دی۔ اس وقت بھی جب پناہ گزینوں کا انخلا کیا جا رہا تھا اس مجمع نے دیوانگی کے جوش کے ساتھ پھر حملہ کیا۔ آس پاس کے پناہ گزین جو فوج کی آمد کی خبر سن کر اس کی حفاظت میں پہنچنے کے لئے باہر اور برابر سے گزر رہے تھے راستہ ہی بد۔ ٹوھ کر دیئے گئے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کرنل وے نگ اور اس کی مدراس رجمنٹ کے سپاہیوں نے پوری بہادری سے اس علاقے کے حالات کو بڑی حد تک سنبھال لیا بلکہ ان سفاک درندوں کو ان کے کافی آدمی ہلاک کر کے ایک یادگار سبق بھی دیا کرنل وے نگ کا تخمینہ یہ ہے کہ ان کے آدمیوں نے ایک ہزار مربع میل کے رقبے میں پھیلے ہوئے علاقہ سے ۱۲ ہزار مسلمانوں کی جان بچائی جس میں نصف ملیں ہندو آباد تھے۔ اور جنہوں نے یہاں کی اسی ہزار مسلم آبادی کو بالکل ہلاک کر دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

کرنل وے نگ کے اقدام و عمل کے ریکارڈ سے میرا یہ قول بالکل صحیح ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستانی فوج نے کس غیر جانبداری اور سپاہیانہ شان کے ساتھ اس کٹھن گھڑی میں اپنا فریضہ انجام دیا۔ کرنل وے نگ کے سپاہی تقریباً سب کے سب ہندو تھے اور انہوں نے اپنے ہم مذہبوں کے خلاف جنگ کرنے میں ذرا بھی کمزوری نہیں دکھائی۔[1]

---

[1] سر فرانسس ٹکر نے اس باب میں جو واقعات بیان کئے ہیں وہ بجائے خود اتنے ہولناک ہیں کہ ان پر نہ کسی تبصرہ کی حاجت ہے نہ اظہار خیال کی۔ وہ خود اپنی تشریح ہیں اور خود اپنا بیان۔
البتہ موصوف کی ایک بات ضرور توجہ طلب ہے۔

نومبر کے چند غیر معروف واقعات و حوادث

نومبر کے مہینہ میں دفعتہً کلکتہ یونیورسٹی آفیسرز ٹریننگ کور اور ٹیریٹوریل فورس کی اربن انفنٹری بٹالین میں داخلہ کا شوق حد سے فزوں ہوگیا۔ موخرالذکر کی ریکروٹنگ اب بند کردی گئی تھی۔ یا تو پہلے یہ عالم تھا کہ ریکروٹ ڈھونڈھے سے نہیں ملتے تھے یا اب یہ کیفیت تھی کہ جسے دیکھئے فوجی تربیت حاصل کرنے کے لئے چلا آرہا ہے اس شوق فراواں کی تہ میں جو جذبہ کام کر رہا تھا وہ یہ تھا کہ فوجی تربیت حاصل کرنے کی بجائے ہتھیار حاصل کئے جائیں اور مسلمانوں کو فتح کر لیا جائے۔

خوبیٔ قسمت سے اسے ڈی سی کمانڈر آفیسر کرنل جکرورتی تھے یہ ایک بااصول آدمی تھے اور کسی طرح بھی فرقہ وارانہ آویزش میں حصہ لینے کے حامی نہ تھے۔ اس موقعہ پر کلکتہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر مسٹر شیام پرشاد مکرجی موجود تھے جو ہندو مہاسبھا کے صدر رہ چکے تھے۔ وہ پہلے تو کچھ زیادہ وقیع جماعت نہ تھی لیکن اب ملک کی ایک طاقتور سیاسی جماعت بن چکی تھی۔

آسام میں بیکار اور بنجر زمین کا بہت بڑا رقبہ صوبائی حکومت کی ملکیت میں تھا۔ کچھ عرصہ تک مشرقی بنگال کے نادار اور مفلس مسلمان گروہ در گروہ آتے اور ان زمینوں کو آباد کرتے رہے اور اب وہ قبضہ کے مدعی تھے۔ آسام کی ہندو حکومت نے اس نازک مرحلہ پر یہ فیصلہ کیا کہ ان مسلمانوں سے زمین چھین لی جائے اور انہیں دفعتاً بتا دی جائے لیکن مشرقی بنگال کے غریب کسان بھی ٹلنے والے نہ تھے۔ یہ

بہار میں بھی جب تک مدراسی سپاہی طلب نہیں کئے گئے حالات نازک سے نازک تر ہوتے چلے گئے۔ البتہ جب وہ طلب کئے گئے تو جو علاقہ انہیں تفویض کیا گیا پوری غیر جانبداری اور انسانیت کے ساتھ انہوں نے ظالم پر سختی کی اور مظلوم کی مدد کی۔

یہ کمال کرنل وے ننگ کا یا ہہ فرانسس ٹکر کے مفروضہ نظریہ کا نہیں مدراس کے سپاہیوں کا ہے اور واقعی ان کے کارنامہ کی جتنی بھی داد دی جائے کم ہے۔ جب سارے ہندوستان پر بربریت کی کیفیت طاری تھی اور مسلمانوں کا شکار ہو رہا تھا، انہیں ہندوستان سے ختم کر دینے کا فیصلہ ہو چکا تھا وہ مدراس کا صوبہ تھا جس نے مسلمانوں پر کسی طرح کی زیادتی نہ ہونے دی بلکہ ان کے وہی حقوق تسلیم کئے جو اب تک ایک عام شہری کو حاصل ہیں۔

(رئیس احمد جعفری)

* * * * *

اکتوبر کا مہینہ ختم ہو رہا تھا۔ ہمیں دھڑکا لگا ہوا تھا کہ بچھر سے ایک خوفناک اطلاع آئے گی یا ہندو خون خرابہ کریں گے یا مسلمان انتقام کے لئے کمر کس کر میدان میں اتریں گے، لیکن کہاں سے؟ بنگال اور بہار میں کافی خونریزی کر چکے تھے اب تھک بھی چکے تھے، اڑیسہ اور آسام یکساں طور پر مستِ مے غفلت تھے ان سے یہ خدشہ نہیں تھا کہ بنگال و بہار کی پیروی کریں گے۔ ہماری نظریں پریشانی اور دہشت کے ساتھ کسی اور طرف لگی تھیں۔

مزاحمت پر آمادہ ہو گئے اور اندیشہ پیدا ہو گیا کہ اس صورت حال کے تلخ ترین نتائج مشرقی بنگال اور کلکتہ کے مسلمانوں پر مترتب ہوں گے، وادیٔ آسام کے اضلاع گولپاڑہ، کامروپ، وارنگ اور ڈگانگ میں مشرقی بنگال کے نادار مسلمانوں کی کافی تعداد آباد ہو چکی تھی۔ آسام گورنمنٹ کی بے دخلی کی پالیسی کی مزاحمت کرتے ہوئے یہ لوگ پھر آبسے اور اپنی تباہ شدہ جھونپڑیوں میں پھر رہنے لگے۔

مسلمان خانہ بدوشوں کی تعداد اس زمانہ میں نقطۂ عروج پر پہنچ گئی۔ جاپانی برما کے راستے سے انڈیا کی طرف بڑھ رہے تھے، اس تعداد کے بڑھنے کا کوئی بندوبست نہیں کیا تھا۔ یہ وطن چھوڑ کر آنے والے مسلمان سخت کوش اور محنتی تھے انہوں نے آسام کی رسم و رواج اور زبان کو بھی نہیں اپنایا۔ ان کی کثرت تعداد سے اب یہ اندیشہ بھی پیدا ہو چلا تھا کہ انتخابات کے وقت مسلمانوں کے ووٹ بڑھ جائیں گے جس سے مسلمانوں کو فائدہ اور ہندوؤں کو نقصان پہنچے گا۔ غالباً یہی خطرہ تھا جسے محسوس کر کے آسام گورنمنٹ نے بے دخلی کی پالیسی اختیار کی تھی۔ آسام میں مشرقی بنگال کے مسلمانوں کی تعداد برابر بڑھ رہی تھی اور اس بات کا امکان پیدا ہو گیا تھا۔ کہ یہ علاقہ کچھ ہی عرصہ بعد پاکستان کا ایک حصہ بن جائے گا۔ بنگال کی مسلم لیگ گورنمنٹ نے فوراً مسلمانوں کی پشت پناہی شروع کر دی، مسٹر حسین شہید سہروردی پیش پیش تھے۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭

اس زمانے میں گورکھا سپاہیوں کی بھی شامت آگئی۔ گورکھوں کا بائیکاٹ کر دیا گیا۔ بازاروں میں ان سے مقاطعہ کیا گیا، ہندو زمینداروں اور سرمایہ داروں نے انہیں ملازمت سے جواب دے دیا۔ ہمارے گورکھا سپاہی جہاں کہیں بھی جاتے ان کی توہین و تذلیل کی جاتی انہیں ستایا جاتا۔ سفر کے دوران وہ ایک منٹ بھی اپنی جگہ سے ہٹتے تو ان کا رخت سفر چرا لیا جاتا۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ گورکھا دوسرے لوگوں کے مقابلے میں آزاد طبع اور خوددار ہوتا ہے اور جسے میدانی علاقہ کے لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ تندخو ہونا چاہیئے اس نے ہوش و حواس کا دامن ان تلخیوں کے باوجود نہیں چھوڑا نہ کوئی انتقامی رویہ اختیار کیا نہ کشت و خون میں حصہ لیا۔

زبان پر اور اخبارات کے دوش پر کلکتہ اور نواکھالی کے زہرہ گداز واقعات کی خبریں بہار پہنچیں اور وہاں سے گڑھ مکتیشر جہاں بڑے وسیع پیمانہ پر ہندوؤں کا سالانہ تہوار منایا جا رہا تھا۔

کوئی شبہ نہیں کلکتہ کا قتل عام وسیع پیمانہ پر ہوا تھا لیکن اس میں طرفین کو نقصان اٹھانا پڑا۔ مشرقی بنگال میں مسلمانوں کے مقابلہ میں ہندو زیادہ پٹے تھے لیکن جہاں تک تحقیق امر کا تعلق ہے مشرقی بنگال میں وسیع پیمانہ پر ہندو قتل و غارت کا نشانہ نہیں بنے تھے۔ یہ ایک محدود حادثہ تھا۔ اتنے وسیع و عریض رقبہ میں دو سو ہندوؤں کا مارا جانا کوئی بہت بڑا سانحہ دوسرے مقامات کے مقابلہ میں نہ تھا۔

بہار میں ہندو جم غفیر تھوڑے سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا اور انہیں تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ تقریباً سات ہزار مسلمانوں کو ہلاک کر دیا۔ اس کامیابی کے بعد یہ توقع نہ تھی۔ کہ اب بھی یہ جذبہ خون آشامی اس درندگی اور سفاکی کے ساتھ باقی رہے گا لیکن انہیں تو جیسے خون پینے کا چسکا لگ گیا تھا۔ گڑھ مکتیشر میں کوئی ایسی بات مسلمانوں کی طرف سے نہیں ہوئی جسے اشتعال انگیز کہا جا سکے۔

حکومت نے سختی کے ساتھ ایسی خبروں پر احتساب قائم کر رکھا تھا جن سے فرقہ وارانہ تلخی میں اضافہ کا امکان ہو۔ اس احتساب نے گڑھ مکتیشر کے واقعات کو زیادہ اجاگر نہ ہونے دیا۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ دہلی کے مسلم اخبار "ڈان" کے سارے پرچے دولت مند ہندو پارٹیاں خرید کر ضائع کر دیتی تھیں اس طرح مسلسل دس روز تک لکھنؤ کے انگریز افسروں تک کو صحیح خبریں نہ معلوم ہو سکیں کیونکہ ڈان ہی ایک ایسا اخبار تھا جو بیباکی سے یہ خبریں چھاپ رہا تھا۔ ان حالات میں اس خونی المیہ کی پوری تفصیل بیان کرنا ناممکن ہے، جو موسم سرما میں دن دہاڑے اور تاروں کی چھاؤں میں پوری خون آشامی کے ساتھ گنگا مائی کے کنارے رونما ہوا۔

نومبر کے شروع میں دہلی جنکشن پر ہندو جاتریوں کی بھیڑ شروع ہو گئی جو گڑھ مکتیشر جانے کے لئے ادھر ادھر سے آ کر جمع ہو رہے تھے کہ ایک مرتبہ وہاں اشنان کر کے سال کے تہوار تک کے لئے گناہوں سے پاک صاف ہو جائیں۔ اس میلہ میں شرکت کے لئے جو لوگ یو پی اور پنجاب سے جمع ہو رہے تھے، ان کی تعداد یک ملین رو ۳، لاکھ، سے کم نہ تھی۔ ان میں معقول تعداد جاٹ کسانوں کی بھی تھی

گڑھ مکتیشر میں مسلمانوں کا ہولناک قتلِ عام

۱۵-۱۶ نومبر ۱۹۴۶ء

دہشت کا کارواں اب یوپی کے شمال کی طرف بڑھتا ہے۔

یہ رونگٹے کھڑے کر دینے والا سانحہ جاٹوں کی سفاکی اور درندگی کا نمونہ ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پہلے سے مرتب شدہ خاکے اور نقشے کے مطابق یہ خونریزی عمل میں آئی۔

جاٹوں کے اس وحشیانہ اقدام میں مقامی ہندوؤں نے پورے اشتیاق اور جوش وخروش کے ساتھ حصہ لیا۔ یہی نہیں بلکہ مسلمانوں کے قتل عام پر اکسایا بلکہ ان کے مکانوں تک کی رہنمائی کی یہ مسلمان اپنے ہندو ہمسایوں کے بارے میں کسی طرح کا شک وشبہ نہ رکھتے تھے۔ یہ مقامی ہندو حادثہ سے پہلے ابھی کل تک گھل مل کر ان کے ساتھ رہ رہے تھے۔ اور دوستانہ وضع بنائے چلے جاتے تھے۔

برطانوی عہد حکومت میں گڑھ مکتیشر کا مذہبی تہوار ایک نوجوان پولیس افسر کا امتحان ثابت ہوتا تھا اور وہ امتحان یہ تھا کہ اس تہوار میں شرکت کے لئے آنے والے یاتری جوشِ عقیدت سے سرشار ہو کر کہیں گنگا مائی میں اپنے آپ کو غرق نہ کر دیں۔

دیوالی کا تہوار خیریت سے گزر گیا۔ تیسرے دن بقرعید تھی۔ یہ تقریب بھی امن کے ساتھ گزر گئی لیکن اس اثنا میں فرقہ وارانہ تعلقات میں تلخی آ گئی کیونکہ عوام کی

ساتھ فسادیوں کو دبا سکتی تھی لیکن وہ بھی غیر جانبدار بنی تماشائی بنی رہی سپرنٹنڈنٹ پولیس، ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ اور سپرنٹنڈنٹ پولیس سب ہی ہندو تھے۔ بہار کے قتل عام میں یہ بات ثابت ہوگئی تھی۔ کہ جہاں کہیں کوئی انگریز افسر موجود تھا وہاں فوراً فسادیوں پر قابو پالیا گیا یا سرے سے فساد ہی نہ ہوا۔

دوسرے دن رہتک کے جاٹوں کا ایک بہت بڑا گروہ جس کے ساتھ جانگیوں کی بھی خاصی بڑی جماعت شامل تھی۔ مقامی ہندوؤں کی رہنمائی میں گڑھ مکتیشر گاؤں کے اندر داخل ہوگیا اور پوری پھرتی اور تندہی سے مسلم مکانات پر ٹوٹ پڑا اور انتہائی سنگ دلی اور شقاوت کے ساتھ مسلمان، مردوں، عورتوں اور بچوں کو ذبح کرنا شروع کر دیا۔ عورتوں کی آبرو ریزی کی گئی اور قتل کر ڈالا گیا — ان آشفتہ حال لوگوں میں سے جو بھاگ سکے بھاگ گئے۔

گلیوں اور کوچوں میں بھی یہ خون آشام مجمع اسی طرح گھس گیا اور مسلمانوں کا خون پینے کو درندوں کی طرح ٹوٹ پڑا۔ مسلم ڈسٹرکٹ میڈیکل آفیسر ہلاک کر دیا گیا اس کے اسسٹنٹ اور بیرے کو بھی قتل کر دیا گیا وہ تمام مسلمان جو ہسپتال میں علاج کے لئے آئے تھے مارے گئے۔ ایک اور مسلمان ڈاکٹر کی جان لی گئی۔ اس کی بیوی کی وہیں جبراً عصمت دری کی گئی۔ اس کے بعد اس کو بالکل ننگا کر کے اس کا جلوس نکالا گیا اور سارے قصبہ میں گھمایا گیا۔ وہ اس حالت میں کہ اس کا ایک ہاتھ کٹ چکا تھا گنگا کو نجس کرنے کے لئے اس میں کود پڑی اور دوسری طرف سلامتی سلامتی کے ساتھ پہنچ گئی۔

یہ آخر الذکر حادثہ بھی جس جگہ رونما ہوا وہاں سے صرف ایک سو قدم کے فاصلہ پر پولیس چوکی تھی۔ جہاں کئی درجن مسلح سپاہی موجود تھے مگر پولیس نے سوا اس کے کچھ نہیں کیا کہ ایک مرتبہ ہوائی فائر کیا اور پھر ایسے ہی اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گئے۔

مجمع جب قتل کرتے کرتے تھک گیا تو لوٹ گیا لیکن رات کو تازہ دم ہو کر پھر آیا۔ پولیس نے ذاتی حفاظت کے لئے گولی چلائی تو منتشر ہوگیا۔ ہندو سٹیشن آفیسر پولیس کی بھاری جمعیت کے ساتھ بالکل لب سڑک پولیس اسٹیشن پر موجود تھا اس نے انگلی تک نہیں ہلائی۔ خاص میلہ کے علاقہ میں جو پولیس چوکی تھی۔ جب اسے اندرون گڑھ مکتیشر کے اس قتل عام کی اطلاع دی گئی تو اس نے

میلہ کے دس مربع میل میں پھیلے ہوئے میدان میں کچھ مسلمان بھی اپنا سامان تجارت لے کر بریلی اور مراد آباد سے پہنچے تھے۔ خاص گڑھ مکتیشر قصبہ میں بھی مسلمان آباد تھے اور ان کی تعداد تین ہزار کے لگ بھگ تھی آس پاس کے علاقوں میں بھی ان کی کچھ آبادیاں تھیں۔ اب تو وہاں شائد ایک بھی مسلمان نہ ہو۔ کیونکہ اس حادثہ عظیم کے بعد ان میں سے بہت بڑی تعداد شہید ہو چکی تھی۔

۶ نومبر ۱۹۴۶ء کی شام کو ایک تماشے میں جس کا انتظام مسلمان کر رہے تھے ایک موٹر سائیکل کا چکر بھی شامل تھا جسے دیوار موت "DEATH WALL" کہتے تھے اچھا خاصا مجمع یہ تماشا دیکھنے کے لئے جمع ہو گیا۔ اسی اثنا میں رہتک کے ایک مسلمان نے جو اس تماشے میں حصہ لے رہا تھا کسی جاٹنی پر فقرہ کسا۔ فوراً شور برپا ہو گیا کہ ایک مسلمان نے ایک ہندو خاتون کی توہین کی ہے، یہ سنتے ہی جاٹوں کا ایک گروہ موقع واردات پر پہنچ گیا اور اس نے مروجہ فیشن کے مطابق میلہ کے مسلمان دوکانداروں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ پھر یہ کھیل میلے کے سارے رقبے میں شروع ہو گیا۔ جو مسلمان مرد، عورت یا بچہ نظر آیا اسے بیدردی اور سفاکی کے ساتھ مار ڈالا گیا۔ حاملہ عورتوں تک سے رحم نہیں کیا گیا۔ ان کے نازائیدہ بچے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے اور دوسرے بچوں کی کھوپڑیاں دیواروں پر ماردی گئیں یا زمین پر پٹک دی گئیں۔ زنا بالجبر اور آبروریزی کے بھی بہت سے واقعات ہوئے۔ عورتوں اور بچوں کو پاؤں پکڑ پکڑ کر گھسیٹا گیا اور ان کے جسم کو پاش پاش کر دیا گیا۔ تماشا گاہ کو لوٹ لیا گیا اور جو لوگ وہاں موجود تھے انہیں آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں ڈال دیا گیا۔ بہت سے لوگوں کو نیزوں اور برچھوں سے ہلاک کیا گیا۔ کئی لوگ اس طرح مارے گئے جیسے کسی زمانے میں ٹھگ لوگوں کی جان لیا کرتے تھے: قاتلوں کی عورتیں پاس کھڑی قہقہے لگا رہی تھیں اور جوش مسرت سے بے چین ہوئی جا رہی تھیں اور اپنے مردوں کو برابر اکسا رہی تھیں۔

اس تمام عرصہ میں گڑھ مکتیشر ٹاؤن کے ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف اس قتل و غارت کو روکنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی۔ نہ جاٹوں کی اس درندگی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ یہ قتل عام صرف اس لئے رکا کہ وہاں جتنے مسلمان مرد، عورت اور بچے تھے سب قتل ہو چکے تھے، پولیس کی کافی تعداد موجود تھی اور وہ قوت کے

ہو گی۔

یو۔پی کے وزیر اعظم پنڈت پنت نے صوبائی کونسل میں اعلان کیا کہ اس حادثہ کی عدالتی تحقیقات کرائی جائے گی۔

لیکن یہ وعدہ پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا۔

جواب دیا یہ ہماری ذمہ داری نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے بھی کچھ نہیں کیا۔ پولیس کے صرف چند جوانوں نے حالات سدھارنے کی کوشش کی لیکن اتنی ذرا سی تعداد بھلا کیا کر سکتی تھی۔

اس حادثہ کی اطلاع بڑی سرعت کے ساتھ مضافاتی دیہات وقصبات اور میرٹھ تک پہنچ گئی۔ چنانچہ میرٹھ میں اکادکا خنجر زنی کی وارداتیں شروع ہوگئیں اور پندرہ دن تک جاری رہیں۔ پھر میلہ ختم ہونے کے بعد جب جاتری منتشر ہوئے تو دوسرے مقامات پر بھی ہنگامہ آرائی اور فتنہ و فساد کا دور شروع ہوگیا۔

ایک چھوٹی سی بستی شاہجہانپور کے مسلمانوں نے واپس آتے ہوئے جاتریوں کے ایک گروہ کا راستہ روکا جو بیل گاڑیوں پر واپس جا رہے تھے، اور تیس ہندوؤں کو جن میں بچے بھی تھے اور عورتیں بھی، قتل کر ڈالا۔ یہ ایک بزدلانہ فعل تھا لیکن اتنا ہی تھا کہ انہوں نے ہندوؤں کو ایک دم ہلاک کر دیا۔ اس پاجی پن کا مظاہرہ نہیں کیا جس کا ثبوت فریق مقابل ہر جگہ ہر فساد میں دیتا رہا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے کسی وجہ سے بھی، لیکن اپنے جذبہ انتقام کو بڑی حد تک قابو میں رکھا۔ شائد اس کا سبب یہ تھا کہ جس سرعت رفتار سے امن کی دنیا اجڑی اور تصادم شورش اور نفرت کی ہوا چلی اس کا انہیں خیال نہیں تھا۔ یا پھر شائد اس کا سبب یہ ہو کہ وہ اکثریتی فرقہ کو مشتعل کرنے سے اس لئے باز رہے کہ اسے مزید وحشیانہ مظالم کرنے کا موقع نہ ملے۔

اس سلسلہ کا سب سے دلدوز اور جگر فگار حادثہ ۱۱ نومبر کو جاٹوں کا وہ حملہ تھا جو غازی آباد کے قریب موضع ہرسن پور کے مسلمانوں پر ہوا تقریباً چالیس مرد عورتیں اور بچے آن کی آن میں ہلاک کر دیئے گئے۔ میرٹھ میں اکادکا خنجر زنی کی وارداتیں ہوتی رہیں اور یہاں سے یہ فساد آرائی رہتک، پنجاب تک پہنچ گئی ۱۵ نومبر کو جاتریوں کے قافلے ٹڈی دل کی طرح مسلم آبادی کا نام و نشان اجاڑ کر واپس گئے اور اپنے پیچھے جلتے ہوئے مکان اور لاشوں کے ڈھیر چھوڑ گئے۔

کوشش بسیار کے باوجود مقتولین کی صحیح تعداد میں فراہم نہیں کر سکا۔ حکام نے حسب عادت یہ تعداد اور اس پورے حادثہ کی نوعیت کم سے کم ثابت کرنے کی کوشش کی لیکن موٹا اندازہ یہ ہے کہ مقتولین کی تعداد دو ہزار کے لگ بھگ

سنہ ۱۹۴۷ء

دلدوز اور جگر فگار حوادث کا سال

سر فرانسس ٹکر کے تاثرات و بیانات

سنہ ۱۹۴۷ء

انگریز کا ترک تعلق، ہندوستان کی آزادی۔
پاکستان کا قیام، خانہ جنگی، قتل و غارت، کشت و خون

تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را

جنوری میں یہ بات واضح ہوگئی کہ کانگرس اور لیگ میں متحدہ طور پر کوئی بھی مفاہمت نہیں ہوسکتی۔ ۲۰ جنوری کو دہلی سے آتے ہوئے مسٹر سہروردی سے اتفاقاً ملاقات ہوگئی۔ گفتگو کے دوران میں انہوں نے صاف صاف کہہ دیا کہ ان کی پارٹی ہندوستان کی مجلس دستور ساز میں ہرگز کوئی حصہ نہ لے گی۔

دہلی میں یہ بات پورے طور پر متوقع تھی کہ یہ عدم مفاہمت، فسادات، خونریزی اور خانہ جنگی تک کی صورت اختیار کرلے گی۔

سر اولف کیرو گورنر صوبہ سرحد مختصر دورے پر دہلی تشریف لائے وہ بہت خوش نظر آرہے تھے۔ ان کی پوزیشن کچھ عجیب سی تھی۔ وہ ایک ایسی وزارت سے دوچار تھے جس نے حقائق سے آنکھیں بند کر رکھی تھیں، ہندو اور کانگرس غیر معمولی اکثریت کے صوبے پر جس کی آبادی کی بہت بڑی اکثریت مسلم لیگی تھی حکومت کر رہے تھے دوسری طرف مرکز میں سر اولف کے زیر حکومت آزاد قبائل کا انچارج بھی ایک ہندو۔ پنڈت نہرو۔ تھا۔ یہ قبائلی اس صورت حال سے حد درجہ تنگ اور آتش تھے اور انہیں قابو میں اس طرح لایا جاسکتا تھا کہ اولف کیرو ہوا سے ان پر بم برسانے کا حکم صادر کر دیتے۔ وہ اس پر آمادہ نہ تھے لہٰذا ان کے خلاف مسلم نوازی کی تہمت کا پروپیگنڈہ زور شور سے شروع ہوگیا۔

وسط جنوری میں سر فیروز خاں نون مسلم لیگ کی طرف سے بہار میں مسلمانوں کے قتل عام کی تحقیقات کے لئے کلکتہ وارد ہوئے۔ وہ ان لوگوں کی فہرست تیار کر رہے تھے جو اب تک لاپتہ تھے۔ ان کا تخمینہ تھا کہ بہار میں بیس ہزار مسلمان قتل ہوئے ان کا یہ خیال بھی تھا کہ کانگرس نے ایک منظم پروگرام کے مطابق مسلمانوں کا یہ قتل عام کرایا ہے۔ بچوں اور عورتوں پر لرزہ خیز مظالم کی مثالیں بھی انہوں نے یہاں دیکھیں۔

ملک فیروز خاں نون اور مسٹر سہروردی نے بجا طور پر اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا کہ یہ خیال غلط ہے کہ فوج میں فرقہ واریت نہیں ہے۔ ان کا خیال تھا کہ برطانوی کابینہ کا ارادہ یہ ہے کہ مسلمانوں پر انڈین آرمی کے بل پر "ہندو برٹش" راج مسلط کرنے اور اس طرح موجودہ عارضی حکومت ہند کو مستقل بنا دے۔ انہوں نے کہا اگر برطانوی افسر نہ ہوں تو سول اور ملٹری انڈیا کے پرخچے اڑ جائیں گے۔

فیروز خاں نون نے اپنی ایک تازہ تقریر کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ۔ آخری چارہ کار

ہندوستان خالی کر دینے کا سال

جنوری، فروری ۱۹۴۷ء

بہار، یوپی اور بنگال میں بیوائیں خون کے آنسو اپنے شوہروں کے قتل پر رو رہی تھیں یتیم لڑکوں اور لڑکیوں کو اپنے کشتہ ستم والدین کا غم کاٹے جا رہا تھا۔ دہشت نے انتقام اور انتقام نے دہشت کی صورت اختیار کر لی تھی۔

ہندوستان کا آلہ بادنما پنجاب تھا۔ اب وہ گھڑی قریب آتی جا رہی تھی جس کا دھڑکا عرصہ سے لگا ہوا تھا۔

فوج کے ہندوستانی افسروں میں ہندو مسلم تفرقہ زوروں پر اٹھ رہا تھا۔ یہ خطرہ ہم ۱۹۴۶ء ہی سے محسوس کرنے لگے تھے۔ برطانوی افسروں نے ہمیں یقین دلایا تھا کہ فوج اب تک فرقہ واریت سے پاک ہے لیکن اگر پنجاب میں آگ بھڑکی تو یہ صورت قائم نہیں رہے گی۔

ہیڈ کوارٹرز اور سروس افسروں کی "میس" میں تقریباً تمام تر ہندوستانی افسروں پر مشتمل تھی۔ فروری میں یہاں بھی خطرہ نظر آنے لگا۔ ہندوؤں کو مسلمانوں سے اور مسلمانوں کو ہندوؤں سے علیٰحدگی پسندگی کی کئی شکایتیں پیدا ہونے لگی تھیں لیکن روایات اور نظم ونسق کا پاس انہیں اب تک روکے ہوئے تھا۔ ان میں فوج کی رجمنٹوں کو ہندو اور مسلم میں تقسیم کر دینے کے سوال پر بحث ہونے لگی تھی۔ ہم اسے پہلے ہی محسوس کرتے تھے اور اب یہ ضرورت شدید سے شدید تر ہوتی جا رہی تھی۔

کے طور پر مسلمان روس سے امداد لینے میں بھی تامل نہیں کریں گے۔

وسط جنوری میں سرحد کے بعض مقامات ایبٹ آباد اور مضافات مری، کے مقامات فسادات کی لپیٹ میں آگئے۔ یہاں جارحانہ کارروائیاں مسلمانوں کی طرف سے ہو رہی تھیں۔

وسط فروری میں ایک اور اہم واقعہ رونما ہوا۔

حکومت ہند نے برطانوی کابینہ وزارت کو الٹی میٹم دے دیا ————

" اگر مسلم لیگ کو وزارت کے ایوان سے نہ نکالا گیا تو کانگریسی حکومت مستعفی ہو جائے گی —" سارا مسلم ہندوستان اعلان کر رہا تھا کہ ہندو مرکزی حکومت پر تنہا قبضہ کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔

اگر کہیں برطانوی کابینہ نے ہندوستان کی مرکزی حکومت سے مسلمان وزیروں کو خارج کر دیا ہوتا تو پنجاب بھڑک اٹھتا۔ یہ بات ممکن تو تھی لیکن غیر یقینی تھی کہ پنجاب کے مسلم لیگی لیڈر یونینسٹ پارٹی کو دستوری طور پر ایوان حکومت سے نکالتے بلکہ اندیشہ یہ تھا کہ وہ جذبات سے متاثر ہوں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سارا شمالی ہند آگ کی لپیٹ میں آجائے گا۔ اگر مرکزی حکومت سے مسلم لیگی وزراء نکال دیئے جاتے تو مسلمان اور زیادہ جوش و خروش کے ساتھ مسلم لیگ میں شریک ہوتے اور اس طرح ہندو مسلم افتراق کی خلیج اور زیادہ وسیع ہو جاتی۔

چند دن بعد ۲۰ فروری کو برطانوی کابینہ کا مشہور فیصلہ ہوا۔ یعنی لارڈ ویول کی جگہ لارڈ مونٹ بیٹن آ رہے ہیں اور یہ کہ ۳۰ جون ۱۹۴۸ء تک ہندوستان بہرحال آزاد کر دیا جائے گا لیکن اس اعلان میں مسلم لیگی وزراء کے اخراج کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں تھا۔ برطانوی کابینہ نے اس مطالبے کو نظر انداز کر دیا تھا۔

اس اعلان کے بعد مشرقی پنجاب سے ہندو اور سکھ یو۔پی میں منتقل ہونے لگے۔ ان کا مرکز خاص طور پر ڈیرہ دون تھا۔ پنجاب کے یونینسٹ وزیر اعلیٰ نے مسلم لیگی لیڈروں کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ افواہ یہ تھی کہ وہ ان لوگوں کو نذر زنداں کر کے عام انتخابات کرائے گا۔

دوسری طرف صوبہ سرحد کے کانگریسی مسلمان اب کثرت کے ساتھ مسلم لیگ میں شامل ہونے لگے اس طرح رفتہ رفتہ شمالی ہند مسلم بلاک بنتا جا رہا تھا۔

ہیں یہ اطلاعات بھی ملیں کہ پنجاب پولیس نے یونینسٹ حکومت کے فرمان سے سرتابی کرتے ہوئے اپنے ہم مذہبوں کے خلاف کارروائی کرنے سے انکار کر دیا سوا اس کے کہ کوئی بھی انگریز حاکم موجود ہو اور وہ انہیں کام پر مجبور کرے۔

ایسٹرن کمانڈ کے مختلف حصوں سے یہ اطلاعات پے در پے مل رہی تھیں کہ دونوں فرقے بڑی تعداد میں آتشیں اسلحہ خرید رہے ہیں یہ اطلاعات بھی ملیں کہ پنجاب کے قصبات میں سکھ وش فوجیوں نے آتشیں اسلحہ خوب استعمال کیا ہے یہ دو بڑے مذہبوں کی قوت آزمائی کا موقع تھا۔

آسام میں مسلم کسانوں کی بے دخلی کا لاتناہی سلسلہ شروع ہو گیا جس نے شیلانگ مسلم لیگ کو سول نافرمانی پر تیار کر دیا۔

تھی۔ کہ سارے مشرقی ہندوستان کی سلامتی اس پر منحصر تھی کہ ہم پنجاب کو اس تعذیب سے محفوظ رکھ سکیں جو یو۔پی کے کشت وخون کا نتیجہ تھا۔ جہاں مسلمانوں کی کثیر آبادی تھی۔

تمام حالات کا جائزہ لینے کے بعد ہم نے محسوس کیا کہ صوبوں کے نظم ونسق کا عام جولائی ۱۹۴۶ء سے بھی بدتر ہوگیا ہے۔ فتنہ وفساد کے حلقے میں برابر اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اب نظم وامن قائم رکھنے کی واحد صورت یہ تھی کہ دہلی میں کوئی ایسا سیاسی فیصلہ ہو جائے جو ہر دو فریق کے لئے قابل قبول ہو۔ حالات صرف اس طرح سدھر سکتے ہیں۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت تھی کہ صوبہ اڑیسہ کو چھوڑ کر باقی تمام صوبوں میں صرف فوج —— فوج کے استعمال کی دھمکی —— فوج کی سرگرمیاں اور اس کا وقار ودبدبہ — تھا جو صوبائی وزارتوں کو قائم کئے ہوئے تھی — اور یہ بوجھ، فوج پر دن بدن بڑھتا ہی جا رہا تھا اور عجیب تر صورت احوال یہ تھی کہ فوج پر دباؤ تو بڑھ رہا تھا لیکن اس کے وسائل روز بروز مائل بہ تنزل تھے۔

ہندوستان کی تمام پارٹیاں تقسیم ہند کو ایک قطعی صورت سمجھ رہی تھیں سوال جو کچھ تھا وہ طریق کار کا تھا۔ مسلمان تقسیم پنجاب کے سخت خلاف تھے اور تقسیم بنگال کے بارے میں مختلف الرائے تھے۔ سوا ان ہندوؤں کے جو مسٹر سرت چندر بوس کی رہنمائی میں فارورڈ بلاک سے وابستہ تھے اور تقسیم بنگال کے خلاف تھے، باقی تمام ہندو اس رائے کے حق میں تھے کہ بنگال بھی تقسیم کیا جائے۔ ہم ایک حیثیت سے محسوس کر رہے تھے کہ پنجاب کا مشرقی اور جنوب مشرقی حصہ جس میں ہندوؤں کی اکثریت ہے پاکستان کو نہیں ملے گا، لیکن ہمارا خیال تھا کہ سکھ پورے طور پر پاکستان میں رہنا پسند کریں گے۔ کیونکہ وہ نہ مسلمان تھے نہ ہندو۔ بنگال کے بارے میں ہمارا خیال تھا کہ ہندو اور مسلمان کلکتہ کے مشترک استعمال پر مفاہمت کریں گے۔ کلکتہ کی بنیاد ایک انگریز نے رکھی تھی اور اس کی ساری ترقی رہین منت تھی مسلمانوں کے اگائے ہوئے جوٹ (پٹسن) کی اور انگریزوں کے مملوکہ چائے کے باغات کی۔ یہاں ایک مسلم حکومت قائم تھی۔ گو فی الحال اس شہر میں مسلمان اقلیت میں تھے، پھر بھی یہ بات انصاف سے بعید تھی کہ پورا کا پورا شہر ہندوؤں کو دے دیا جائے یہی وجہ تھی

"تقسیم کرو اور چلے جاؤ"

اپریل۔ مئی

تمام آنکھیں دہلی پر لگی ہوئی تھیں۔ تقسیم ہند کی صورت میں پنجاب اور بنگال کی تقدیر میں کیا لکھا ہے؟ یہی سوال ہر ایک کے منہ پر تھا۔

اکتوبر ۱۹۴۷ء میں بالکل غلط طور پر — جہاں تک میرا خیال ہے — برطانوی حکام کو حکم دیا گیا کہ وہ انڈین آرمی سے فوجوں کے دستے مرتب کر کے کشمیر بھیجیں۔

سوا صوبہ اڑیسہ کے ایسٹرن کمانڈ کے حلقہ میں کوئی صوبہ — یعنی بنگال بہار یوپی، پنجاب۔ ایسا نہ تھا جو فوج کی مدد کے بغیر امن وامان برقرار رکھ سکتا۔

یہ ہے ان صوبائی حکومتوں کی زندگی جو ہمارے رحم وجود پر تھی۔ ہم مدد نہ کرتے تو ان کا خاتمہ یقینی تھا۔

ہمارا کام اس وجہ سے پیچیدہ ہو گیا تھا کہ ہماری بٹالین غیر محفوظ تھیں۔ اگر یہ طبقاتی بنیادوں پر ہوتیں تو بڑی آسانی سے فتنہ و فساد رفع کرنے کے لئے مسلم دستوں کو ہندو علاقوں میں اور ہندو دستوں کو مسلم علاقوں میں ہم بھیج سکتے تھے۔

اب مصیبت یہ تھی کہ کثیر مسلم آبادی رکھنے والے علاقوں میں ہندو فوجیوں کی اور اس طرح کثیر ہندو آبادی رکھنے والے علاقوں میں مسلمان فوجیوں کو ہم بھیج نہیں سکتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا کہ ہم ہندو فوجیوں کو مسلم علاقے میں بھیجتے اور وہ جانبداری کا مظاہرہ کرتے۔ اگر پنجاب میں یہ آگ بھڑک اٹھی تو قیامت آجائے گی۔ یہ ایک حقیقت

کہ ہم نے مسٹر سہروردی اور کرن شنکر رائے اور سرت چندر بوس کے ان مساعی کو بنظر استحسان دیکھا تھا کہ بنگال کی تقسیم نہ ہو گورنر بنگال نے بھی نہ یولیپ بلسم کے پیا بھا اس تجویز کو سنا تھا۔ ہمارا خیال تھا کہ اگر بنگال بنگالیوں کی مرضی کے خلاف تقسیم ہوا تو بڑی مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ پھر یہاں کے سیاسی لیڈر تو وہ جھگڑے نہیں روک سکیں گے وہ جسے شروع کرنے پر مجبور ہو جائیں گے لیکن جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں مسٹر سہروردی کا یہ منصوبہ کامیاب نہ ہو سکا۔

مئی کے آخر میں مسٹر جناح، سردار بلدیو سنگھ اور ملک فیروز خاں نون نے بار بار کہا کہ اگر پاکستان کو قائم ہونا ہے تو ہندوستانی فوج کی تقسیم بھی ایک ناگزیر امر ہے ملک فیروز خاں نون نے کہا اب کہ تقسیم کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ فوج کے اعلےٰ عہدے پر کسی اینٹی پاکستانی انگریز کو مامور نہیں رہنے دینا چاہیئے۔ انڈین نیشنل آرمی کے افسروں پر جب مقدمات چل رہے تھے تو فوج مغربی ہیڈ کوارٹر اور کانگرس کے درمیان تعاون ورفاقت سے بد دل ہو گئی۔

مسلمان لیڈر ہمارے خلاف زہر اگلا کرتے تھے اور اب ملک صاحب پبلک طور پر دل کی بات زبان پر لے آئے تھے۔

مسٹر جناح نے مشرقی اور مغربی پاکستان کے مابین ایک گزرگاہ کا مطالبہ کیا اس مطالبے کی مخالفت میں ایک بحران عظیم نمودار ہو گیا۔ کہا گیا کہ یہ گزرگاہ غیر مسلموں کی لاشوں پر فراہم کی جا سکتی ہے اور یہ غیر مسلم صوبہ سرحد اور بلوچستان میں پٹھانوں سے اور بنگال و پنجاب میں ہندوؤں سے اتنے پرامید تھے کہ مذکورہ صوبوں کی تقسیم کے بعد وہ پاکستان ہی نہیں باقی رہ جائے گا جس کے لئے گزرگاہ کی ضرورت ہو۔

مسلم پریس بھی کانگرس کے اس رویہ پر سخت برہم تھا کہ وہ حیدرآباد اور مسلم ریاستوں پر۔۔ سخت دباؤ ڈال رہی تھی اور وہ بار بار اس عزم کا اظہار کر رہا تھا کہ اگر کلکتہ کو پورا کا پورا ہندو راج کے حوالے کر دیا گیا تو اس کی سخت مزاحمت کی جائے گی۔

اور عین اس وقت جب ہندوستان خانہ جنگی کے دروازے پر کھڑا تھا ہندوستان میں رضاکار تنظیمیں زیادہ شدت کے ساتھ ابھرنے لگیں۔ ان میں سب سے نمایاں راشٹریہ سیوک سنگھ آر۔ ایس۔ ایس۔ سنگھ تھی۔ اس نے صرف دہلی

میں ۲۵ ہزار رضاکاروں نے ریلی کا مظاہرہ کیا اور جب حکومت کی طرف سے اس مظاہرے پر پابندی عائد کی گئی تو مقامی ہندوؤں نے مکمل ہڑتال کر کے زبردست احتجاج کیا۔

میوات

فروری ۱۹۴۷ء کے آغاز میں نوح تحصیل میں ایک چھوٹا سا واقعہ رونما ہوا جو عظیم نتائج کا آئینہ دار تھا۔ ایک چھوٹے سے دیہات میں ایک نئی مسجد کی تعمیر پر ہندوؤں اور مسلمانوں میں تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا لیکن جلد ہی طے ہو گیا۔ اب تک بہت کم ایسا ہوا تھا کہ فسادات کا آغاز دیہات سے ہوا ہو۔ لیکن اب اس کا آغاز بھی ہو گیا۔

مارچ ۴۷ء میں ایک غلط خبر مشہور ہو گئی کہ ایک ہندو لڑکے کو کسی مسلمان نے خنجر مار کر ہلاک کر دیا۔ اس واقعہ نے ریواڑی کے پورے علاقہ کو سراسیمہ کر دیا —— ۲۳ مارچ کو دھیری —— میں فساد رونما ہوا۔ یہ بالکل یکطرفہ فساد تھا جس میں ہندوؤں نے مسلمانوں کو جی بھر کے ذبح کیا۔

بات یہ ہوئی کہ دو ہندوؤں میں لڑائی ہوئی ایک مسلمان نے بیچ بچاؤ کیا اس لڑائی اور بیچ بچاؤ نے —— فرقہ وارانہ صورت اختیار کر لی۔ وہیں دس مسلمان قتل کر دیئے گئے اور تیس کے قریب مجروح ہوئے کسی ہندو کی جان ضائع نہیں ہوئی مسلمانوں کے گھر اور دوکانیں جلادی گئیں۔ حکومت نے نوے ہزار روپے کا تعزیری جرمانہ کیا جس میں سے صرف چار سو روپے وصول ہو سکے کیونکہ پولیس اور سول حکام ڈھیل دینے کے عادی تھے۔

شمالی میوات میں ۲۶ مارچ کو فسادات کا آغاز ہوا۔ واقعہ یہ ہوا کہ ایک میو نے لوز پور کے ہندو کی بھینس چرا لی۔ ہندوؤں کی ایک جماعت نے تعاقب کیا اور بھینس چھین لی لیکن چپقلش کی بنا پڑ گئی۔ میواتیوں نے بھینس لے جانے والوں پر اگرچہ حملہ کیا۔ جس میں سنگین چوٹ کسی کو نہیں آئی۔ لیکن ہندوؤں نے اسے سختی سے محسوس کیا۔ فوراً ایک گورکھا پلٹن آ گئی۔ پنچایت کی کوشش کی گئی لیکن وہ ناکام ہوئی۔

۳۰ مارچ کو میواتیوں نے ایک گوجر دیہات میں آگ لگا دی۔ دوسرے دن ہندوؤں نے بدلہ لے لیا اور کئی دیہات نذر آتش کر دیئے۔ اب دیہات خالی ہونا

متھرا میں مسلمانوں کی ؟

جون کے آخری اور جولائی کے پہلے ہفتہ میں متھرا کے علاقہ میں جو حوادث ہوئے۔ اس میں ۲۸ جون کا زبردست معرکہ شامل نہیں جس کی تفصیل یہ ہے۔

۲۶ جون

موہنی جھیل تحصیل میں ایک مسلمان مسافر لوٹ لیا گیا جو اپنی بیوی کے ہمراہ سفر کر رہا تھا۔

۲۷ جون

چار مسلمان پناہ گزین قتل کر دیئے گئے اور ان کا سارا مال و اسباب لوٹ لیا گیا۔ یہ واقعہ کوسی کینل برج کا ہے جو متھرا بھرت پور روڈ پر واقع ہے۔

۲۸ جون

دن کو ٹھیک دوپہر کے وقت ایک پسنجر ٹرین پر حملہ کیا گیا۔ یہ واقعہ جاجم پٹی اسٹیشن پر ہوا۔

۲۹ جون

ایک مسلمان خاندان جو مشتمل تھا ایک مرد دو عورتوں، تین بچوں پر کنگھیرا میں ہلاک کر دیا گیا تھا۔ دوسرے دن پانچ لاشیں برآمد ہوئیں

۲۹ جون

مدھوری کنڈ فارم کے قریب چار لاشیں ملیں جن کے بارے میں خیال تھا کہ

شروع ہو گئے تھے۔ لہٰذا جانی نقصان بہت کم ہوا۔

۳ اپریل کو تین میواتی دیہاتوں کو نذر آتش کر دیا گیا جو گوڑ گانواں ضلع اور ریاست الور میں واقع تھے۔ یہ غیر متوقع حملہ تھا کیونکہ میواتیوں کو اس کا وہم بھی نہیں تھا کہ ریاست الور کی طرف سے ان پر حملہ ہوگا اس لئے انہوں نے دیہات بھی خالی نہیں کئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۲۶ مسلمان ہلاک ہوئے جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔ اس واقعہ نے حقیقی عداوت دونوں فرقوں میں پیدا کر دی اور میواتیوں نے بھی جوش انتقام میں کئی دیہاتوں میں آگ لگا دی، ہندوؤں نے بھی ایک مقام رونا ؤں کو جلا دیا اور پھر ایک دوسرے کی طرف سے یہ سلسلہ کئی دن تک جاری رہا۔

یہ مہینہ اس طرح گزرا کہ ہر روز کوئی نہ کوئی فساد ہوتا رہتا تھا۔ ۲۰ جون کو ایک میو گاؤں میں آگ لگا دی گئی۔ یہاں ہمارے فوجیوں کو ۲۶ لاشیں ملیں۔

ہماری سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ صوبائی اسمبلی کے ممبران کا خود عمل فرقہ وارانہ تھا۔ ان میں پیش پیش بابو پرشوتم داس ٹنڈن تھے [1] دوسرے ممبران اسمبلی کا حال ان سے بھی زیادہ غیر ہمدردانہ تھا۔

---

[1] بابو پرشوتم داس ٹنڈن صوبائی اسمبلی کے سپیکر اور بعد میں کانگرس کے صدر بھی رہ چکے ہیں۔ اردو کے بہترین سکالر بہترین اردو لکھنے اور بولنے پہ قادر ہیں۔ مگر مسلمانوں کی بدترین دشمن کانگرس کے رکن ہیں۔ لیکن ہندو مسلم اتحاد کے مخالف۔ مسلمانوں سے نہ جانے کیوں انہیں کد سی ہو گئی ہے ہے۔ جواہر لال کے ہموطن لیکن افتاد مزاج اور عادات میں ان سے بہت دور۔

رئیس احمد جعفری

ایک دیہات کے میواتی تو اتنے حواس باختہ ہوگئے کہ انہوں نے ایک افسر سے کہا اگر انہیں میواتی علاقہ سے نہ جانے دیا گیا تو وہ ہندو ہو جائیں گے کیونکہ حالات کی ابتری اب ناقابل برداشت ہو چکی تھی۔

یو پی گورنمنٹ نے "ہوم گارڈز" اور "ولیج ڈیفنس پارٹیز" کے نام سے جو جماعتیں قائم کی گئی تھیں ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ مسلمانوں پر ہندو تسلط قائم کر دیا جائے۔ بریگیڈیئر محمد اکبر خاں نے جو اپنی غیر جانبدار روش کے اعتبار سے شہرت رکھتے تھے کلکٹر متھرا سے یہ طے کیا کہ جہاں کہیں کوئی اقلیت خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان کمزور ہو اسے یکساں سہولتیں اسلحہ اور دفاع کے سلسلے میں دی جائیں کیونکہ اکثریت کو مسلح کر دینے سے اقلیتوں میں غیر معمولی ہراس پیدا ہو رہا ہے۔

یہ حالات تو تھے برطانوی علاقہ کے، اب ہمیں ریاست الور، بھرت پور کا ایک نظارہ کرنا چاہیئے۔

ریاست بھرت پور میں میواتیوں (مسلمانوں) اور ہندوؤں کے مابین فرقہ وارانہ کشمکش ۱۵ جولائی ۱۹۴۷ء کو شروع ہوئی۔

بھرت پور کے ہندوؤں نے برطانوی علاقہ کے فرقہ وارانہ فسادات سے متاثر ہو کر فیصلہ کیا کہ ریاست کے میواتیوں پر ایک بھرپور حملہ کر کے انہیں ترک وطن پر قبل اس کے میواتی کوئی گڑبڑ کر سکیں مجبور کر دیا جائے۔ بھرت پور کے افسران فوج کا خیال تھا کہ ہندوؤں کو بدنام کرنے کے لئے خود میواتیوں نے اپنے گھروں میں آگ لگا لی اور اپنے گھر جلا ڈالے۔ لیکن یہ ایسا الزام ہے جو کسی حیثیت سے بھی قابل قبول نہیں۔

۸ اگست سے ۱۱ اگست تک ہمیں مسلسل اطلاعات ملتی رہیں کہ ہندوؤں کے بڑے بڑے گروہ ریاست الور میں مسلمانوں کے دیہات اور مکانات جلا رہے ہیں۔ ہماری افواج کی طرف سے تحقیق احوال کے لئے جو مہم بھیجی گئی اس کی رپورٹ یہ تھی کہ ــــ کے جنوب مشرق میں میواتیوں کے اسی فیصد دیہات جلا کر خاکستر کر دیئے گئے۔ ہماری فضائی مہم کی اطلاع یہ تھی کہ جگہ جگہ مسلح ہندو گروہ جمع ہو رہے ہیں اور ریاستی فوج انہیں روکنے کا کوئی بندوبست نہیں کر رہی ہے۔ یہ ہندو جتھے کھیتوں کھلیانوں اور دیہاتوں میں بے تحاشا آگ لگاتے پھر رہے ہیں اور ریاستی فوج کسی قسم کی مداخلت سے یکسر احتراز کر رہی ہے۔

یہ بھی گنگیڑا کے رہنے والے لوگ تھے۔

۲۹ ۔ ۳۰ جون

چھ مسلمانوں کے گھر لوٹ لیے گئے۔ ایک مسلمان لڑکی کا اغوا کیا گیا۔ یہ واقعہ جھنڈوانی کا ہے۔

۳۰

گنجولی کے قریب مسلم پناہ گزینوں کو لوٹا گیا۔ علاوہ ازیں بھینسا اور پوکھم ریلوے اسٹیشن کے مابین ایک ریل گاڑی پر پتھراؤ کیا گیا جس مجمع نے پتھراؤ کیا وہ مسلح تھا۔

۳۰ جون، یکم جولائی

کئی مسلمان گھروں پر حملہ کیا گیا اور انہیں لوٹا گیا اور دہلی میں الونڈپور کے قریب چھ مسلمانوں کو قتل کر دیا گیا۔

۱۔ ۲ جولائی

ایک مسلمان زمیندار کا گھر لوٹ لیا گیا پھر اسے نذر آتش کر دیا گیا۔ یہ واقعہ کرپوی میں پیش آیا۔

۲۰۔۲۱ جون کو وہ تمام دیہات اور مواضع جہاں میو رہتے تھے اور جو ان کے علاقہ بھرت پور میں واقع تھے، ہندوؤں نے جلا کر خاک کر دیئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بھرت ہریانہ کی حدود میں اور متھرا ضلع کی سرحد پر جو میواتی آباد تھے ان میں ہراس پیدا ہو گیا۔ یوپی کے صوبے میں کوسی سے ملحقہ مقامات میں جو میواتی آباد تھے وہ بھی دہشت زدہ ہو گئے۔ کیونکہ ان پر ہر وقت صوبہ یوپی کے ہندو حملہ کر کے ان کے دیہاتوں کو آگ لگا کر پھونک سکتے تھے۔ چنانچہ یہ لوگ اجتماعی طور پر پاکستان ہجرت کر جانے کا فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔

بھرت پور کے آتش زدہ میواتیوں نے اپنے بال بچوں کو محفوظ مقامات پر بھیج دیا اور خود کوہستانی علاقے میں بہ تعداد کثیر جمع ہو گئے۔ یہ اپنے اسلحہ پر دھار رکھ رہے تھے اور انتقام کے جذبہ سے بھرپور نظر آ رہے تھے اور آخر یہ جذبۂ انتقام ہندو دیہاتوں کی آتش زدگی کی صورت میں بھرت پور کے اندر رونما ہوا۔

الور کی مشرقی سرحد پر واقع کئی دیہاتوں میں ۲۴ اگست کو مسلح ہندو گروہوں نے مسلمانوں کو قتل کیا۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ان گروہوں کے ساتھ ریاستی فوج کی دو جیپیں بھی تھیں۔

ریاست بھرت پور اور الور کے تمام میواتی برٹش انڈیا یا پاکستان میں بھاگ آئے منڈاور کے قریب ایک موضع کے میواتی باشندے اور منڈاور کے ۴۰ اسو پناہ گزین چونکہ ہندو مت میں داخل ہو گئے اس لئے وہ بچ گئے۔ ریاستی فوج اور ہندوؤں نے ان لوگوں کا مکمل محاصرہ کر لیا کہ ہندو ہو جانے کے بعد یہ باہر نہ نکل سکیں لیکن ان میں سے تین نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گئے اور ریواڑی میں ہمارے پاس ۲۷ اگست کو پہنچے اور عرض کیا کہ ــــ ایک فوجی پارٹی بھیج کر ان لوگوں کو محاصرہ سے نجات دلائی جائے اور انہیں ہندوستان کے علاقے میں پہنچا دیا جائے ــــ لیکن انہیں بتا دیا گیا کہ اب چونکہ ریاستیں آزاد ہو چکی ہیں لہٰذا کوئی کمک نہیں روانہ کی جا سکتی یہ وہیں ٹھہریں اور جب حالات سازگار ہوں تو چلے آئیں۔

منڈاور کا حادثہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ہماری فوج کے ایک لانس دفعدار کا مشاہدہ ہے کہ

یہ خبر سن کر کہ الور میں ہندو مسلم فساد شروع ہو گیا ہے۔ میں وہاں پہنچا، یہاں میں نے دیکھا کہ الور شہر میں ہندوؤں کے جتھے میواتیوں کی اناج سے بھری ہوئی گاڑیاں لوٹ رہے ہیں، جو بغرض فروخت وہ یہاں لائے تھے۔

جو میواتی پناہ گزین الور میں آئے تھے انہیں سٹیشن پر ہی پولیس روک لیتی تھی۔ پھر الور کے وزیر داخلہ کی طرف سے کچھ ہندو یہاں آئے تھے ان مسلمانوں سے کہتے تھے اگر تم ہندو ہو جاؤ۔ تو حکومت تمہارے جان و مال کی حفاظت کرے گی اور تمہاری آبادکاری کا بھی پورا پورا خیال رکھے گی۔

۴ اگست کو ہمارے اس دفعدار کے کانوں میں یہ بھی افواہیں پڑیں کہ منڈاور پر حملہ ہونے والا ہے۔ وہ فوراً منڈاور آیا اور لوگوں کو اطلاع دے کر دفاع پر آمادہ ہو گیا۔

۵ اگست کو ہندوؤں نے مسلمانوں کے ایک مضافاتی گاؤں میں آگ لگا دی اس سے

۱۰ اگست کو ریاست الور میں صورت احوال حد درجہ نازک اور ابتر ہو گئی ۸۰ ویں رجمنٹ کو جب یہ اطلاع ملی کہ بہت سے میواتی سابق ملازمین سرکار پنشنرز اور ان کے بال بچے منڈاور میں محصور ہیں تو اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ سے اجازت لے کر اس نے ایک پلٹن ایسی رجمنٹ کی منڈاور بھیجی یہ پلٹن فوراً روانہ ہو گئی اور ۱۴ اگست کو منڈاور پہنچ گئی لیکن اس وقت تک کئی سو مرد، عورتوں اور بچوں کو ہلاک و زخمی کیا جا چکا تھا۔

میجر دھرم سنگھ آف - رجمنٹ ۱۷ اگست کو منڈاور اور سلگاؤں پہنچے ریاستی فوج کے افسر اعلیٰ سے ملے اور پوچھا کہ ہندو مجمع کہاں کہاں اکٹھا ہے تاکہ یہ جا کر اس سے مل جائیں۔ میجر دھرم سنگھ اپنی گنتی کے سپاہ کے ساتھ جب سلگاؤں پہنچے تو وہاں ۵۳ مسلمان لاشیں ایک بہت مختصر سے رقبہ میں ملیں جن کی حالت حد درجہ زبوں ہو چکی تھی۔ چنانچہ مزید تنگ و دو ملتوی کر کے انہیں ٹھکانے لگا دیا گیا۔

ہمارے آدمیوں نے سلگاؤں میں کئی گھر ایسے دیکھے جن کی دیواروں پر مشین گن کی گولیوں کے نشان تھے۔ ظاہر ہے یہ کام ریاستی فوج ہی کا ہو سکتا تھا۔ مسلمان پناہ گزینوں نے استدعا کی کہ پنچایت آباد کاری اور حفاظت کے لئے بندوبست کیا جائے۔

مہاراجہ نے جواب دیا کہ وہ پنچایت کا مطالبہ منظور نہیں کر سکتے البتہ جن لوگوں کو سرکاری معافی نامہ مل جائے وہ اس شرط کے ماتحت ریاست میں واپس آ سکتے ہیں کہ ان کے باعث ریاست کو جو نقصان پہنچا ہے اسے وہ ادا کریں۔

ہندوستانی فوج کے متعدد افسروں نے ریاست الور کا دورہ کیا لیکن ریاستی حکام اس کا کوئی وجہ جواز نہ پیش کر سکے کہ ہندو گروہوں کا ساتھ ریاستی فوج نے کیوں دیا؟ اور ان ریاستی حکام نے ریاستی فوج اور ہندو مسلح گروہوں کے تعاون سے بھی انکار نہیں کیا۔ ہماری فضائی مہم نے بھی اس کی تصدیق کی کہ ریاستی فوج نے مسلح ہندو گروں کا ساتھ دے کر مسلمان مردوں عورتوں کے قتلِ عام میں حصہ لیا۔

جن میواتی پناہ گزینوں سے ہم ریواڑی میں ملے ان کا فیصلہ قائم تھا، اور وہ اپنے مورثِ اعلیٰ کے اصولوں پر اور ملک پر صداقت کے ساتھ حامل تھے۔ پانچ پانچ، چھ چھ سال کے زخمی بچے تک اپنی کہانی بیان کرنے ہمارے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ ان کے پیروں اور سروں پر تلوار کے گھاؤ تھے۔

گی ۔ صورت حال یہ تھی کہ ان غریبوں کے پاس نہ روپیہ تھا نہ وسائل سفر نہ راشن غرض کسی طرح ترک وطن ان کے لئے آسان نہ تھا ان کے ایک طرف کھائی تھی ایک طرف خندق ۔

منڈا اور نظامت کے ۱۴۲ مسلم راجپوت دیہاتوں میں ہر دیہات تباہ کر دیا گیا البتہ بھنگورا کے راجپوت مسلمان اس لئے بچ گئے کہ ہندو مت اختیار کر لینے پر وہ مجبور ہو گئے تھے ۔

ــــ دفعدار کے اس بیان کی دوسرے ذرائع سے ہم نے تصدیق کی تو اس نتیجہ پر پہنچے کہ اگر یہ پورا کا پورا صحیح نہیں ہے تو ۹۰ فیصد ضرور درست ہے ۔

سلگاؤں کی کہانی اور زیادہ دردناک ہے ۔ کہانی کے راویوں میں ایک دفعدار اور متعدد سابق سرکاری ملازمین ہیں ۔

۷ اگست کو ہندو مجمع ریاستی فوج کے سپاہیوں کے ساتھ سلگاؤں پر حملہ آور ہوا جو رائفلوں برین گنوں اور مورٹاروں سے مسلح تھے ۔ باشندگان دیہات نے اپنے وسائل سے کام لیتے ہوئے حملہ کا مقابلہ کیا اور اپنے دفاع میں سرگرم رہے ۔ عورتوں بچوں اور زخمیوں کو دو بڑے پختہ مکانوں میں بہ حفاظت پہنچا دیا گیا ۔ ۱۰ اگست کو مدافعین بھی ان مکانوں میں آکر پناہ گزین ہو گئے کیونکہ اب ہندو حملہ آوروں کی تعداد بیس ہزار کے قریب پہنچ گئی تھی ۔

۱۱ اگست کو ایک میجر اور ایک کیپٹن جو ریاستی فوج سے تعلق رکھتے تھے ۔ سفید جھنڈے لہراتے ہوئے آئے ۔ انہوں نے صوبیدار میجر عمر علی خاں اور جمعدار یعقوب علی خاں کو جو پنشن یافتہ فوجی تھے بلایا اور ان سے کہا کہ ہمیں حکام ریاست کی طرف سے یہ اطلاع دینے کے لئے بھیجا گیا ہے کہ ریاستی فوج اس دیہات کی حفاظت کرے گی ۔ اگر باشندگان دیہات اپنے ہتھیار حوالہ کریں اور باہر نکل آئیں ۔ اس حکم کی تعمیل کی گئی تمام لوگ باہر آ گئے اور اسلحہ حوالے کر دیئے گئے پھر میجر اور کیپٹن عمر اور یعقوب کو اپنے ساتھ لے گئے ۔

یہ لوگ قریب کے جنگل میں پہنچے تھے کہ فائرنگ کی آواز آئی ۔ میواتیوں نے محسوس کیا کہ یعقوب اور عمر قتل کر دیئے گئے پھر فوراً ہی ریاستی فوج کی طرف سے برین

فارغ ہو کر یہ منڈاور کے قریب ایک مسلم دیہات مہین پور کے گرد گھیرا ڈالنے میں، کامیاب ہو گئے۔ ۵-۶ اگست کی رات کو ۳ بجے صبح دو جیپوں اور ایک ٹرک پر ریاستی فوج کے سپاہی آکر اس ہندو مجمع سے مل گئے۔ فوراً ہی ہندوؤں نے مہین پور پر فائرنگ شروع کر دی اور ۱۱ بجے دوپہر تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

منڈاور میں ریاستی فوج نے اعلان کیا کہ یہاں کوئی خطرہ نہیں ہے لہٰذا دفاعی پہرہ ہٹا لیا جائے۔ جبکہ ہم حفاظت کے لئے موجود ہیں۔ لائس دفعداد نے دیکھا کہ ہندو مجمع ریاستی فوج کے سپاہیوں کے ساتھ دو طرف سے حملہ آور ہو رہا ہے۔ یہ حملہ ۳ بجے سہ پہر تک جاری رہا اس میں ریاستی فوج نے پوری سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا آس پاس کے دیہاتی مسلمان بھی بھاگ کر منڈاور آ گئے۔

۷ اگست کو میواتی مسلمانوں کی ایک پارٹی منڈاور سے سرسولی کے ریلوے سٹیشن کی طرف روانہ ہوئی اس پر ریاستی فوج اور مسلح ہندوؤں نے مل کر حملہ کیا اور ڈیڑھ سو میواتی مسلمانوں کو قتل کر دیا۔

۸ اگست کو حکام ریاست نے منڈاور کے باشندوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے حفاظتی انتظامات سے دستبردار ہو جائیں۔ ریاستی فوج ان کی حفاظت کرے گی اور اگر ایسا نہ کیا گیا تو اس دیہہ پر فائرنگ شروع کر دی جائے گی۔ آخر ان لوگوں نے حفاظتی انتظامات سے دستبرداری اختیار کر لی اور سب کے سب دو حویلیوں میں پناہ گزین ہو گئے تو ہندوؤں نے ان کے مکانوں کو آگ لگا دی حویلی کے پناہ گزینوں نے ان پر گولیاں چلائیں۔ فوراً ہی ریاست فوج نے حملہ کر دیا۔ شام کو حکام ریاست نے باشندگان منڈاور کو حکم دیا کہ حویلیوں سے باہر نکل آئیں۔ پھر فوراً ہی، ہندوؤں نے پورے دیہات میں آگ لگا دی اور سب کچھ لوٹ لیا اور حویلی کے مدافعین کو ٹھکانے لگا دیا۔

۱۱ اگست کو حکام نے حکم دیا کہ میواتی اپنے اسلحہ فوج کے حوالے کر دیں تو انہیں حفاظت کے ساتھ اسٹیشن تک پہنچا دیا جائے گا۔ رجمنٹ کی ایک پلٹن اس غرض سے پہنچی۔

۱۷ اگست کو میجر دھرم سنگھ یہاں آئے تو منڈاور کے مسلمانوں نے مہاراجہ کی خدمت میں شرف باریابی حاصل کرنا چاہا مگر اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ البتہ ریاست کے امراء وزراء مہاراجہ کی طرف سے آئے اور بتایا کہ انہوں نے کہا کہ ہم کوئی مدد نہیں کر سکتا صرف یہ ہو سکتا ہے کہ یہ مسلمان اگر ریاست میں رہنا چاہیں تو ان کی جان کی حفاظت کی جائے

کے قریبی رشتہ دار تھے۔ ان دونوں نے تجارا کے ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔ پھر انہوں نے الٰہی بخش، سیون خاں، علی اور رحمت خاں کو بلایا۔ یہ لوگ نمبردار تھے اور ان سب کو ہدایت کی ہندو ہو جائیں۔ اس واقعہ نے تجارا کے مسلمانوں کو بہت پریشان کیا۔

۔ ...ت کو آس پاس کے دیہاتوں سے بہت سے ہندو تجارا میں داخل ہو گئے۔

۔ اگست کو فوج کا ایک دستہ منصب دار برکت اللہ کے گھر میں داخل ہوا اور فائرنگ شروع کر دی۔ حالانکہ برکت اللہ کہہ رہا تھا کہ وہ سرکاری منصب دار ہے۔ سپاہی گھر کے اندر داخل ہو گئے اور بجز چند کے سب کو قتل کر دیا۔ پھر یہ لوگ صوبیدار یاسین خاں کے گھر گئے اور یہاں بھی فائرنگ شروع کر دی۔ پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ جو مسلمان فوج کو نظر آجاتا اسے گولی مار دی جاتی۔

صوبیدار میجر اخلاق حسین ۷ اگست ۱۹۴۷ء کو تجارا سے باہر نکلے مگر فوج نے انہیں اور ان کے سارے کنبے کو قتل کر دیا۔ صرف دو نوجوان لڑکیاں بچیں جنہیں ہندو کر کے وہ ہندوؤں سے بیاہ دینا چاہتے تھے۔ لیکن دونوں لڑکیوں نے قریب کے کنوئیں میں چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی۔

الور میں مسلمان از روئے تعداد ہندوؤں سے زیادہ تھے اور یہ سب فوجی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ لہٰذا یہ ہندوؤں سے مغلوب ہو ہی نہیں سکتے تھے جب تک وہ غیر معمولی طور پر مسلح نہ ہوتے اور فوج ان کے ساتھ نہ ہوتی۔

گنیں چلنے لگیں. جس سے بے شمار آدمی ہلاک و مجروح ہوئے۔

اس کامیابی کے بعد ہندو مجمع اور دستہ سپاہ واپس چلا گیا. باقی ماندہ لوگ جن میں مرد عورتیں اور بچے سب ہی شامل تھے رات کے وقت رینگتے ہوئے ریوڑوں کی طرح چلے. ان میں سے سو کے قریب آدمی راستہ بھول گئے اور نابھہ ریاست کے علاقہ میں داخل ہو گئے. یہاں ان کا مال و اسباب چھین لیا گیا اور سب کو قتل کر دیا گیا. انہی لوگوں میں مقتول صوبیدار عمر علی خاں کا بیٹا بھی تھا۔ یہ بہت بری طرح زخمی ہوا تھا۔ ایک خندق میں گر پڑا تھا. حملہ آور اسے مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے تھے دوسرے دن اگرچہ اس میں جنبش کی سکت نہ تھی لیکن جان باقی تھی. چند ہندوؤں نے اسے دیکھا. انہوں نے اسے کلہاڑوں اور تلواروں سے مزید زخمی کیا اور واپس چلے گئے لیکن یہ اتنا سخت جان تھا کہ چار دن بعد کچھ مسلمان ادھر سے گزرے تو اسے ریواڑی کے ہسپتال میں داخل کیا. یہاں ہمارے کچھ آدمیوں نے اس کا معائنہ کیا تو حالت یہ تھی کہ سر سے لے کر پاؤں تک یہ پٹیوں سے بندھا ہوا تھا. ڈاکٹر نے بتایا کہ اس کے بدن پر ۳۲ زخم ہیں. اس ہسپتال میں کافی تعداد میں زخمی نوعمر لڑکے بھی تھے جو گولیوں سے زخمی ہوئے تھے، اور ان کے بازو کٹے ہوئے تھے۔

—— الور کے بعض فوجی سپاہیوں کے بیان کے مطابق ۔

جولائی کے آخری دنوں میں ریاست بھرت پور کے مسلمان ہجرت کر کے الور اور گڑگانواں میں داخل ہوئے تھے. کیونکہ بھرت پور کی فوج انہیں ہراساں کر رہی تھی ان کے مکانوں اور دیہاتوں میں آگ لگا رہی تھی. اور جو مسلمان نظر آ جاتا تھا اسے فوراً گولی مار دی جاتی تھی. ان پناہ گزینوں نے وہاں پڑاؤ کیا جو دونوں ریاستوں کے مابین حد فاصل تھی۔

۳۰ جولائی کو الور کا کلکٹر ان سے ملا اور انہیں روپے کے معاوضہ میں حفاظت کا یقین دلایا. چنانچہ اسے دو ہزار روپے دے دیئے گئے. اس واقعہ کے آدھ گھنٹہ بعد بھرت پور کی فوج دریا پار کر کے آ گئی اور اس نے ان مہاجرین پر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی جس سے ۱۵۰ آدمی ہلاک و مجروح ہوئے۔

۵ اگست کو ایک مقام تجارا میں جہاں مسلمانوں کی آبادی زیادہ تھی. ریاست الور کا ایک وزیر آیا اس کے ساتھ محکمہ جیل کا ایک افسر اعلیٰ بھی تھا۔ یہ دونوں مہابلہ

حرفِ اوّل

مسلم اقلیت کے ساتھ ہندوستان کی اکثریت کا جو طرزِ عمل رہا ہے وہ تاریخ کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ کسی اقلیت کو تواتر اور تسلسل کے ساتھ شائد ہی اس طرح پامال کرنے اور نیست و نابود کرنے کی کوشش کی گئی ہو جس طرح مسلمانوں کے ساتھ یہ سلسلہ ایک مدت دراز سے جاری ہے۔

تقسیم ہند کے فوراً بعد کلکتہ، بمبئی اور دہلی میں اور مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی اسے کون بھول سکتا ہے۔ تقسیم ہند سے ذرا پہلے کلکتہ بمبئی آباد، پٹنہ، منگیر، گرپور، صوبہ بہار اور گڑھ مکتیشر میں مسلمانوں کے خون سے جس طرح ہولی کھیلی گئی وہ ابھی کل کی بات ہے اسے نہ زمین بھول سکتی ہے جس نے اس کا خون پیا اور نہ چشم فلک فراموش کر سکتی ہے جس نے یہ ہولناک نظارہ دیکھا۔ پھر تقسیم ہند کے چودہ سال بعد جبل پور، علی گڑھ اور میرٹھ وغیرہ میں جس طرح پانی کی طرح مسلمانوں کا خون بہا اسے ہر شخص جانتا ہے۔

ان گزشتہ خونریزیوں کی ذمہ داری مسلم کی افتراق انگیز قیادت اور سیاست پہ ڈالی جاتی ہے۔ لیکن ۱۹۲۰ء میں جب مسلم لیگ نام کے سوا کوئی وجود نہ رکھتی تھی اور مسلمان من حیثیت القوم بڑی حد تک مسلم لیگ میں شریک نہ تھے بلکہ قومیت متحدہ پر ایمان رکھتے تھے۔ کانپور میں ان پہ جو گزری اس کی توجیہہ کیا کی جائے گی؟ یہ ایک ایسا حادثہ تھا جس پر ایک خالص ہندوستانی شاعر جگر جیسے سیاست سے کوئی سروکار نہ تھا، جو زندگی کے آخری سانس تک اپنے وطن ہندوستان کا وفادار

خون کی ہولی

حصّہ سوم

سنہ ۱۹۳۰ء

تقسیم ہند سے ۱۷ سال پہلے

بچۂ شیرخوار را پیشِ نگاهِ مادرش

چاک ز سینہ یا کمر، کشتہ و بے کفن نگر

حاکمِ شہر را کہ بود، ثانیِ شمر بالیقیں

آہ بجائے قید و قتل، سیر کن وطن نگر

باز بیا بہ آگرہ، دجلہ خون نظارہ کن

باز بہ وجہ کاشمر کشتن و سوختن نگر

حیف بریں نتیجہ، نظم و نظام ذہنیت

تیغِ جفائے ہم وطن، بر سرِ ہم وطن نگر

ہائے ازیں گزندگان، وائے ازیں درندگان

ہند و بہار سندھ را بسمل و خستہ تن نگر

تازہ بتازہ خونِ خلق، موج بہ موج بوئے خوں

نعرۂ حریت شنو، آں لب و ایں دہن نگر

آں ہمہ ہا کہ بنگری، واں ہمہ ہا کہ بشنوی

پردہ بسوز و صورتِ بانیِ صد فتن نگر

رہا تھا بے ساختہ کہہ اٹھا تھا۔

مقتلِ کانپور

چشم کشاد جانب رزم گہ وطن نگر

مقتلِ کانپور بیں، لاشہ بے کفن نگر

خونِ حیات سو بسو، خاک رشتہ مو بہ مو

حلق بریدہ کو بکو، بچہ و مرد و زن نگر

عشق نظارہ ساز را برق بہ خانماں ببیں

حسنِ نظارہ سوز را شعلہ بہ پیرہن نگر

برقِ حسن نازنین، آہ ز فرق تا قدم

زخم شفق ببیں، داغ چمن چمن نگر

دیدۂ عشوہ زا کجا؟ خفتہ بخواب مرگ بیں

شوخی رنگِ رخ کجا؟ سرخی پیرہن نگر

طفل و جوان و پیر را صف بہ صف و بہم بہم

دست جدا ز ساعد و فرق جدا ز تن نگر

دیباچہ

۲۲ لغایت ۰ ۳ مارچ کی تاریخوں میں جو شدید مظالم مسلمانوں پر کئے گئے ان کی پوری داستان تو کبھی بھی مرتب نہ ہو سکے گی۔ اس لئے کہ بہت سے یکہ و تنہا مسلمان اپاہج و لاغر، کمزور و ناتواں عورتیں اور بچے کہ جن کا کوئی خبر گیراں نہ تھا بہت بیدردی سے قتل اور ذبح کئے جانے کے بعد نذر آتش کر دیئے گئے ان کی داستان کا علم تو صرف خدائے قہار و جبار کو ہے اور ان کا انصاف بھی اسی کے ہاتھ میں ہے لیکن جو چند واقعات کہ اس وقت تک معلوم ہو سکے ہیں، ان کو مسلم ریلیف کمیٹی کی تحریک سے خان بہادر سید بشیر الدین احمد صاحب اور مسٹر محمد بشیر صاحب بیرسٹر ایٹ لاء نے بڑی محنت سے سپرد قلم کیا ہے خدا تعالےٰ ان کو جزائے خیر دے

غم نامۂ مسلم را تا دیدہ کنی پارہ
بیچارہ نوشتہ است از خون جگر چندے

ان صفحات میں جو کچھ لکھا گیا ہے ان میں سے بہت سی ایسی باتیں حذف کر دی گئی ہیں کہ جن سے اشتعال کا اندیشہ ہو لیکن واقعات خود جس قدر المناک ہیں اس سے زیادہ سبق آموز ہیں۔ کانپور کے واقعات مقامی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ یہ ان نفرت آمیز احساسات کے انعکاس کا نتیجہ ہیں جو مسلمانوں کے خلاف عام طور سے تمام ہندوستان میں پائے جاتے ہیں۔ یہی نہیں، حالات موجودہ میں گورنمنٹ سے بھی اس کی امید رکھنا کہ وہ مسلمانوں کی حفاظت کی متحمل ہو سکے گی سراسر نادانی ہے

اے کہ تو حق نہادۂ مسلم پاک زادہ؛

درچہ بلا افتادہ؟ خیز و بخویشتن نگر

ذیل میں مقتل کانپور کے خونیں حوادث اختصار کے ساتھ اس رپورٹ سے درج کئے جاتے ہیں جو سر ہدایت حسین مرحوم کے ایما پر محمد بشیر صاحب کانپور کے مشہور تاجر چرم نے مرتب کی تھی

یہ امر یقینی اور واضح ہے کہ اس اہم ترین بلوہ کا آغاز کسی مذہبی اشتعال یا کسی قسم کے جوش کے ماتحت نہیں ہوا جو اب تک مختلف فرقہ وار ہنگاموں کے سلسلہ میں ظاہر ہوتا ہے۔ فی الحقیقت اس کی تہہ میں مسلمانوں کو مغلوب و منتشر اور تباہ کرنے کا جذبہ تھا جو ایک عرصہ سے برادران وطن کے دلوں میں کام کر رہا تھا۔ اور یہی وجہ ہے کہ انتہائی عبرت ناک اور دلگداز واقعات جن کی کسی قدر تفصیل اس مختصر رسالہ میں درج ہے سرزد ہوئے۔ سرکاری کمیشن نے اس بلوہ کے فوری اسباب معلوم کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر ہم عینی شہادتوں کی بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ کانپور میں ۲۴ مارچ کی صبح سے لیکر سہ پہر تک بلوہ کی حیثیت نہیں تھی بلکہ ہندوؤں کی طرف سے مسلمانوں پر ناقابل برداشت مظالم اس بہانہ سے کئے گئے کہ مسلمان بھگت سنگھ کے ماتم میں شریک ہوں اور ہڑتال کر کے ننگے پیر اور ننگے سر چل کر ہندوؤں کے ساتھ حکومت سے اظہار نفرت میں تعاون کریں۔ تشدد کی ابتدا صبح ہی سے اس وقت ہوگئی تھی جب ہندو طلبا اور نوجوانوں کی ایک بڑی جماعت (والنٹیرز) نے مختلف مقامات پر جس میں مال روڈ بھی شامل ہے دوکانوں پر حملے اور انگریزوں کو پریشان کرنا اور مکانوں نیز سرکاری دفاتر کو نقصان پہنچانا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد انہیں مقامات پر اور بادشاہی ناکہ وغیرہ میں جہاں کثرت آبادی کے باعث ہندوؤں کی ہمت اور مطلق العنانی بڑھی ہوئی تھی۔ اس درجہ تشدد برتا جانے لگا کہ مسلم راہگیر اور دکاندار مجروح و مقتول ہونے لگے اور ان کا مال اسباب لٹنے لگا۔

ان صفحات کو پڑھنے کے بعد اگر مسلمانوں میں اپنی حفاظت کا صحیح جذبہ پیدا ہو جائے۔ اور خون شہدا جس سے کہ کانپور کی زمین لالہ زار بن چکی ہے آپس کی خانہ جنگیوں اور کدورتوں کے رفع کرنے کا باعث ہو جائے تو اس خون کا ہر چھینٹا رحمت الٰہی ہے۔

جان و مال کا شدید نقصان جو کچھ ہونا تھا وہ ہو گیا۔ اب مسلم ریلیف کمیٹی کانپور پر جو ذمہ داری شہدا کی یتیم اولاد و بیکس بیواؤں کی امداد، مساجد کی درستگی اور بے گناہ گرفتار شدہ مسلمانوں کے مقدمات کی پیروی کرنے کی عائد ہوتی ہے اس کے واسطے دردمندانہ اور عاجزانہ اپیل کی جاتی ہے۔

(مسٹر ہدایت حسین (بیرسٹر ایٹ لا)
پریسیڈنٹ مسلم ریلیف کمیٹی کانپور

کی بنا پر کانپور کو ایک طرح کی سیاسی مرکزیت حاصل ہو گئی

یہ امر واقعہ خاص طور پر قابلِ توجہ ہے کہ یہاں دیگر مقامات کی بہ نسبت سیاسی معاملات میں مسلمانوں کا رویہ ہندوؤں سے زیادہ نمایاں طور پر اختلافی رہا۔ لیناارم اسکیم کے نفاذ کے بعد سے جیسے جیسے اکثریت کی طاقت کا مظاہرہ ہوتا گیا اور مسلم اقلیت تجارتی کساد بازاری اور اپنے سیاسی جمود کی وجہ سے کمزور ہوتی گئی ویسے بعض ہندوؤں کا مذکورہ بالا جذبہ اور ارادہ زیادہ عملی شکل اختیار کرتا گیا اور آخر کار وہ زمانہ آگیا جب ہندو قانون شکنی کے باعث اپنے کو حکومت کے مقابلہ میں کامیاب سمجھنے لگے جس نے ایک جماعت کے دل سے حکومت کا خوف نکال دیا اور اس کی ہمت اتنی بڑھا دی کہ وہ اپنے اس دیرینہ جذبہ کو ایک بڑی حد تک عملی حیثیت دینے پر آمادہ ہو گئی

مسلمانوں نے اپنی شہادتوں میں جو سرکاری کمیشن اور کانگریس کی جانچ کمیٹی کے روبرو پیش کیں، صاف طور پر ظاہر کر دیا ہے کہ کس طرح ہندوؤں نے اپنی اکثریت کے زعم و اختیارات سے مسلمانوں کو کمزور، منتشر اور تباہ کیا اور کس طرح کانپور کی پولیس نے گذشتہ سالوں اپنے طریق عمل سے اپنے اثر و رعب کو زائل کر دیا اور سول نافرمانی کرنے والوں کی ہمت افزائی کی جس کے باعث وہ اکثریت کے خلاف قانونی پیش دستیوں سے اقلیت کو محفوظ نہ رکھ سکی۔ اس سلسلہ میں میونسپلٹی کے معاملہ کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جس کے ذریعے اکثریت کو اپنے جوہر دکھانے کا موقع مل رہا ہے اور جس میں اس نے بیدھڑک ہو کر اپنی اکثریت کے اکثر مظاہرے کئے ہیں۔

کانپور میں ایک عرصہ سے مسلمانوں کے ہاتھوں میں چمڑہ۔ عمارتی چوب۔ بساط خانہ اور میوہ فروشی کا کام خاص طور پر چلا آتا ہے۔ ان اشیاء کے مسلم تاجر شہر کے کئی مختلف محلوں میں نمایاں حیثیت و آبادی رکھتے ہیں۔ ہندو اکثریت نے چمڑے کی تجارت کے گوداموں پر لائسنس کی قید عائد کر کے اور محصول چنگی میں اضافہ کر کے نقصان پہنچایا مگر جب یہ حربہ تاجران چرم کی جماعتی قوت کی موجودگی میں زیادہ موثر ثابت نہ ہو سکا تو کچھ عرصہ انہیں منتشر کرنے کی فکر کی گئی۔ چنانچہ تاجران رقبہ میں اچھی سڑکوں اور اچھے مکانات ہونے کے باوجود امپرومنٹ ٹرسٹ کی توجہ اس طرف مبذول ہوئی اور بالآخر محلہ جات پیچ باغ اور بیراسن کو پور میں سڑکیں نکالی گئیں۔ جدید

دوپہر کے بعد جب مجروح اور شہید مسلمان اسپتال اور مسلم محلوں میں پہنچنے لگے اور چوک صرافہ دبرتازہ اور جنرل گنج کی مساجد کے شہید ہونے اور حاجی محمد فاضل مالک محلہ فضل گنج ایسی مشہور اور معروف ہستی کے قتل ہونے کی خبریں پھیلیں اور فسادیوں کے غول کے غول مختلف مقامات پر مسلم محلوں کی طرف بڑھنے لگے، تب مسلمان مقابلہ پر آئے اور یہی وقت تھا جب واقعات نے صحیح معنوں میں بلوہ کی شکل اختیار کی۔

ہمارے اس بیان کی تحقیق شفاخانہ کے اندراج سے ہوتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سہ پہر تک سوائے مسلمان شہدا اور زخمیوں کے کوئی ہندو وہاں نہیں لایا گیا۔ علاوہ بریں خود سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس نے بھی لکھا ہے کہ ان کو سہ بجے چار مسلمانوں کی نعشیں کوتوالی کی جانب سے آتی ہوئی دکھائی پڑیں۔

شائد یہاں یہ سوال کیا جائے کہ ہندوؤں نے اس قسم کے ظالمانہ تشدد کو کیوں روا رکھا اور انہیں اس حد تک ظلم کرنے کی ہمت کیونکر ہوئی۔ جو اصحاب غدر ۱۸۵۷ء اور اس کے بعد کی تاریخ کانپور سے اچھی طرح واقف ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ کانپور کی موجودہ اہمیت قدیم اور دیرینہ نہیں ہے بلکہ اس کی موجودہ تجارتی اور صنعتی حیثیت زمانہ حال کی جدوجہد کی مرہونِ منت ہے جبکہ بغرضِ تجارت بیرونی اشخاص مستقل یا عارضی طور پر آکر آباد ہونے لگے۔ قریب قریب ہر حصہ ملک کے تاجر یہاں قسمت آزمائی کے لئے آئے۔ کچھ مسلمان تاجروں نے بھی یہاں کی تجارت میں کافی دلچسپی ظاہر کی اور یہ امر واقعہ ہے کہ انہوں نے کاروبار کے فروغ سے ایک نمایاں حیثیت اختیار کی۔ اگرچہ کانپور میں مسلمانوں کی تعداد ہمیشہ بہت کم رہی لیکن عام طور پر تجارتی اثر و اقتدار اور معاشرتی معاملات میں وہ کسی طرح مقامی ہندوؤں سے پیچھے نہیں رہے اور انہیں اپنے کو مرعوب و مغلوب نہیں ہونے دیا۔ مقامی ہندو برابر اپنی تجارتی دوڑ دھوپ کی سرگرمیوں میں اضافہ کرتے رہے۔ ہندو تحریکیں دیگر مقامات کے مقابلہ میں یہاں خاص طور پر نمایاں رہیں۔ ان کی کامیاب تجارت اور روز افزوں دولت کے باعث ہر ایک ہندو تحریک تقویت پاتی تھی اور نہ صرف ملک کے مشہور تاجر بلکہ سیاسی و مذہبی ہندو لیڈر بھی یہاں اکثر آتے اور جمع ہوتے رہے اور اپنے مشوروں اور تقریروں سے حسب اقتضائے وقت ان کے خیالات کو ابھارتے رہے۔ موجود

آئے لیکن ۱۹۲۷ء کے فساد اور اس تازہ ہنگامہ میں ان پر شدید حملہ رہا اور ان میں سے اکثر جو چوک اور نیا گنج میں کاروبار کرتے تھے بالکل تباہ کر دیئے گئے۔ دیگر معمولی کاروبار کرنے والوں میں گوشت کے دوکانداروں پر خاص طور سے سختیاں کی گئیں ان کی دکانوں پر سخت سے سخت پابندیاں عائد کر کے بہت سی بند کر دی گئیں اور کچھ عرصہ سے جھٹکے دکیل گھر کھول کر ان پیشہ وروں کو نقصان پہنچایا گیا۔

اس سلسلہ میں شدھی سنگھٹن کی تحریکوں کا ذکر بیجا نہ ہوگا جنہوں نے اس تحریک کے حقیقی جذبات وخیالات کو عریاں کر دیا اور جن کے ماتحت غریب مسلمانوں اور خصوصاً ان مسلمانوں کو جو اس ضلع کے اکثر دیہاتی مقامات پر آباد ہیں۔ انتہائی مظالم ڈھائے۔ چنانچہ ان دیہاتوں میں مسلمانوں کو مغلوب کرنے اور دیرینہ عزائم وارادوں کو عملی جامہ پہنانے کی نہایت سرگرمی کے ساتھ کوشش کی گئی دیہات کے واقعات جو ہنگامہ کے بعد ہی ظہور میں آئے تھے انہیں معلوم کرنے سے پتہ چلے گا کہ وہاں کے ہندوؤں نے کس بے رحمی سے مسلمان مرد عورتوں اور بچوں کو قتل کر کے ان مقامات سے مسلمانوں کی ہستی بالکل مٹادی۔

خود ہنگامہ کے واقعات فریقین کے جذبات پر کہاں تک روشنی ڈالتے ہیں؟

ہم آگے چل کر جہاں تک ممکن ہوگا مستند واقعات تفصیل کے ساتھ درج کریں گے جن کے مطالعہ سے ہر اس شخص کو جو کانپور کی تاریخ اور جغرافیہ سے واقف ہے۔ بخوبی ظاہر ہو جائے گا کہ ابتدا ہی سے ہندوؤں نے جہاں تک ان کے امکان میں تھا مسلمانوں کو فنا کرنے کی کوشش میں کچھ اٹھا نہیں رکھا۔ ان کا وہ دیرینہ جذبہ وارادہ جس کا ذکر اوپر آچکا ہے رفتہ رفتہ اس نتیجہ پر منتج ہوا کہ منظم طریقہ سے مسلمانوں کی ہستی کو بلا امتیاز جنس وعمر ہر اس جگہ پر جہاں ان کی قوت موثر وکارگر ہو سکتی تھی اور جہاں مسلمان بہت ہی کمی اور بے کسی کی حالت میں تھے فنا کر دیا جائے اگر کوئی مسلمان ان مقامات پر بچا تو یہ ہندوؤں کی بے پناہ قوت اور گہرے جذبۂ مسلم کشی کا قصور نہ تھا؟ بلکہ اس کو اس فرد کی خوش نصیبی یا امداد غیبی کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا

عمارتوں کے لئے جگہ فراہم کرنے کی اسکیم پیش کی گئی۔ میونسپل بورڈ نے پہلے اس کی مخالفت کر کے واپس کر دیا مگر اب اس ہنگامہ کے بعد یہ اسکیم معمولی ترمیم کے ساتھ پیش کی گئی اور ہندو ممبروں نے بلا کسی اختلافات کے نہ صرف اسے منظور کیا بلکہ اس میں وہ مقامات بھی شامل کر دیئے جہاں سے یہ کہا جاتا ہے کہ ہنگامہ میں مسلمان ہندوؤں کے حملوں کی مدافعت کرنے کے لئے سب سے پہلے مقابلہ پر آئے۔

بالس منڈی کے مسلمان تاجروں کو کمزور اور ان کے کاروبار کو خراب کرنے کی کوشش ۶ سال سے ہو رہی ہے یہ لوگ ہندو منڈیوں کے قریب عرصہ سے کاروبار کرتے اور دیہات کے آنے والوں کے ہاتھ سامان فروخت کرتے تھے۔ چنانچہ بلا ضرورت اور بلا کسی خاص سبب کے ایک ریزولیوشن پاس کیا گیا کہ یہ لوگ کو پرگنج سے ہٹا دیئے جائیں۔ اس ریزولیوشن کی تعمیل کارکنانِ بورڈ نے اس زود شور سے کی کہ اس کی مثال کانپور میونسپلٹی کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس طے شدہ تجویز کی تعمیل سے ان لوگوں کی تجارت پر نہایت خراب اثر پڑا۔

کچھ عرصہ بعد اس جگہ بھی نظرِ عنایت کی گئی جہاں یہ تاجرانِ چوب منتقل ہو کر آگئے اور کچھ نہ کچھ کاروبار کرنے لگے تھے یعنی بلا کسی خاص وجہ کے میونسپل بورڈ نے اس تمام اراضی کے خریدنے کی تجویز منظور کی اور اب ہنگامہ کے بعد جو کچھ حصہ اراضی باقی تھا اسے بھی ایک دوسرے ریزولیوشن کے ذریعہ خرید لینا منظور کر لیا۔

میوہ فروشی کی تجارت نہ محض ٹھیکہ جات منڈی کے ذریعہ مسلمانوں سے نکال کر ہندوؤں کے ہاتھ میں دے دی گئی بلکہ مسلمان میوہ فروشوں کو شہر کے کسی اور مقام پر بازار کھولنے کا لائسنس نہ دے کر ہمیشہ کے لئے اس کاروبار سے ان کو محروم کر دیا گیا اس جماعت کے بہت سے افراد اندرون شہر سبزی منڈی میں رہتے تھے اور بیرون شہر جوگنگا کے قریب باغات وغیرہ پر قابض ہونے کے سلسلے میں آباد تھے قتل کر دیئے گئے ——— جس کی تفصیل واقعات کے سلسلہ میں آگے درج کی جائے گی۔ اس قتل و غارت گری کے بعد اب کسی مسلمان کی ہمت اس بازار (سبزی منڈی) میں خرید و فروخت کرنے کی نہیں رہی۔ گویا اس کاروبار سے مسلمان ہمیشہ کے لئے ہاتھ دھونے پر مجبور ہو گئے۔

بساط خانہ کے مسلمان تاجر باوجود مسلسل حملوں کے ابھی تک کسی خاص ذد میں نہیں

مار کے ذریعے پوری طاقت سے عمل میں آچکی تھی۔

دو یادگاریں تھی جو قتل جس کا ہر مسلمان کو افسوس ہے بجائے خود مسلمانوں میں اس قسم کے جذبہ کی نفی ثابت کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں سوائے اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ مسلم حملہ آور ۲۹ اور ۳۰ مارچ کے واقعات سے مشتعل ہو جانے کے باعث ایک مخلص اور ایک حریف کھدر پوش میں امتیاز نہ کر سکے۔

بعض اصحاب یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ مسٹر جوگ کے قتل کی مجوزہ خبر سے ہندو مشتعل ہوئے مگر کوتوال شہر کے اس مندرجہ ذیل بیان سے یہ صاف معلوم ہو رہا ہے کہ انہوں نے مسٹر جوگ کی خیریت معلوم کر کے ہندوؤں کو تسلی دینے کے بجائے ان کو انتہائی سرگرمی سے ورغلایا۔

"جب میں بادشاہی ناکہ پہنچا تو مجھے معلوم ہوا مسٹر جوگ قتل کر دیئے گئے ہیں مول گنج کی طرف گیا اور وہاں معلوم ہوا کہ مسٹر جوگ زخمی ہوئے ہیں اور وہ قریب ہیں ایک وکیل صاحب کے مکان پر موجود ہیں۔ میں نے ایک سب انسپکٹر اور گارد کو مجمع کے روکنے کے لئے تعینات کیا اور میں جوگ سے ملنے گیا جو بابو منگل پرشاد کے برآمدہ میں کرسی پر بیٹھے تھے۔ جوگ کے ایک خفیف چوٹ کان کے قریب لگی تھی۔ میں نے واپس آکر مجمع کو اطلاع دی کہ جوگ کے قتل کی خبر غلط ہے اور ان سے کہا کہ ایسی جھوٹی خبروں پر یقین نہ کرنا چاہئے اس موقعہ پر گنیش شنکر ودیارتھی جن کی یاد انتہائی غم کا باعث ہے نکلے۔ میں نے ان سے یہی کہا کہ جوگ سے جا کر ملیں اور واپس آکر اس خبر کی تردید کریں۔ میرے کہنے پر عمل کیا گیا اور میں مسلمانوں کے بھگانے میں مصروف ہو گیا۔"

اکثر لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ مسلمانوں پر یہ زیادتیاں صرف بدمعاشوں نے لوٹ مار کی غرض سے کیں لیکن واقعات کے دیکھنے سے اور جن غریبوں کا قتل عمل میں آیا ہے ان کی اصلی حالت پر نظر ڈالنے سے یہ صاف ظاہر ہو جائے گا کہ بدمعاشوں کو ان سے سروکار نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں یہ ہرگز یقین نہیں کیا جاسکتا کہ اتنے عرصہ تک قتل اور غارت گری کا بازار بلا خاص تنظیم اور جماعت کے جاری رہے۔

اس ہنگامہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اکثر سنگین اور دردناک واقعات ہندو معززین اور خاص طور پر مالدار لوگوں کے مکانوں کے قریب ظہور میں آئے ہیں مسجد

اگر انہیں کسی مسلمان کی جان بخشی کی گئی تو اس شرط پر کہ وہ داڑھی منڈوا کر چوٹی رکھے اور ہندو ہو جائے۔

واقعات یہ بھی ظاہر کریں گے کہ جہاں اس حد تک فنا کرنے کی قابلیت کے اظہار کا موقعہ نہ ملا — جہاں مسلمان پہلے سے یا کسی طرح جان بچا کر بھاگ گئے۔ وہاں کم از کم ان کے مکان جلا دیئے گئے ان کا مال و متاع اور ذریعہ معاش تباہ و برباد کر کے ان کا دوبارہ اس جگہ آباد ہونا محال بنا دیا گیا۔ اس جگہ شاید یہ کہا جائے کہ ہندو مسلمانوں کے مظالم دیکھ کر یا سن کر اس درجہ مشتعل ہو گئے کہ ایسے وحشیانہ افعال کرنے لگے، لیکن یہ صریح دیدہ دلیری کی بات ہو گی — کوئی صاحب اس امر کا ثبوت نہیں دے سکتے کہ کسی مسلم آبادی میں جہاں ہندو کمزوری اور بے کسی کی حالت میں بھتے وہاں مسلمانوں نے وہ طریقہ اختیار کیا تھا جو ہندوؤں نے بنگالی محال پرمٹ، سبزی منڈی، بولا گنج اور بعض دیہاتوں کی قلیل مسلم آبادی کے ساتھ اختیار کیا۔ اسی طرح یہ خیال کرنا بھی غلط ہو گا کہ فسادی ہندوؤں کے بڑے بڑے غول یہ افواہ سن کر کہ فلاں مقام پر ان کے ہم مذہب ہلاک کئے جا رہے ہیں اس درجہ مشتعل ہو جائیں گے اور قانون کا خوف اور فطرت کا دباؤ یکایک اتنا بے اثر ہو جائے گا کہ وہ عورتوں اور بچوں تک کو طرح طرح کی اذیت دے کر ہلاک کر دیں گے۔ علاوہ ازیں یہ فطرت سے بعید ہے کہ اس قسم کا اور اس درجہ کا اشتعال جس کے سامنے کوئی سوچا سمجھا ہوا دیرینہ ارادہ نہ ہو ۲۴ر مارچ سے مسلسل ۳۰ مارچ تک قائم رہے اور اتنے وقت میں بھی قانون اور خدا کا خوف بھی واپس نہ آئے۔ اور قتل و غارت گری کا جوش ٹھنڈا نہ ہو۔

ممکن ہے یہ کہا جائے کہ مسلمانوں نے ایک ممتاز ہندو ہستی یعنی دویارتھی جی کو قتل کر دیا جس سے ہندوؤں کا اشتعال اس درجہ بڑھا۔ لیکن یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ دویارتھی جی کا قتل ۲۵ مارچ کی شب میں واقع ہوا اور اس ہنگامہ کا سب سے بڑا سنگین واقعہ جس کے مظالم و بربریت کی مثال نہیں ملتی ۲۵ر مارچ کی صبح ہی کو بنگالی محلہ میں ظہور پذیر ہو چکا تھا اور اس محلہ کی بے کس مسلم آبادی بلا امتیاز جنس و عمر فنا کے گھاٹ اتاری جا چکی تھی۔ علاوہ ازیں دویارتھی جی کے قتل سے بہت پہلے سبزی منڈی، پرمٹ وغیرہ محلوں میں ایسے الم انگیز حادثے رونما ہو چکے تھے اور مسلمانوں کو فنا کرنے کی کارروائی قتل و آتش زدگی اور لوٹ

مجروح و مقتول ہوئے اور دونوں کے مال و اسباب لٹے اور مکانات جلے البتہ ان محلوں میں بھی کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں کیا جا سکتا کہ کسی حصہ میں مسلمانوں نے کسی ہندو آبادی کو فنا کرنے کے جذبہ کا اظہار کیا ہو۔ علاوہ بریں ان محلہ جات میں متعدد ایسے واقعات ظاہر ہو چکے ہیں جس میں بااثر مسلمانوں نے سینکڑوں کی تعداد میں ہندوؤں کو پناہ دے کر محافظت کے ساتھ ایام غدر اور اس کے بعد رکھا اور متعدد خاندان اپنے مکانوں میں بدستور آباد رہے۔ یہی صورت میڈا اور منا پورہ کی رہی جہاں ہندو مسلمانوں کی زیادتیاں بیان کرتے ہیں۔ یہاں بھی اگر کچھ ہندوؤں کے قتل کی اطلاع ملی ہے تو تکیہ اکبر شاہ میں اور خود سیسہ میو کے اندر ۳ مسلمان مرد اور ایک نابینا عورت کا قتل انتہائی بے کسی کی حالت میں جب وہ پناہ گزین کی حیثیت سے عمل میں آیا۔

ہنگامہ کے دوران میں بلا تخصیص امیر و غریب عام طور پر مسلمانوں کو آٹا وغیرہ تک مہیا ہونا دشوار ہو گیا خوش حال لوگوں کو مشکل سے سوکھی روٹیاں نصیب ہوئیں اور بے شمار غریب مسلمانوں کو کئی کئی وقتوں کے فاقے کے بعد دانہ پانی میسر ہوا۔ ہنگامہ کے بعد بھی تھوک فروش ہندو تاجروں نے سامان خورد و نوش مسلمانوں کے ہاتھوں فروخت کرنا بند کر دیا تھا لیکن ہندوؤں کی حالت اس سے بالکل مختلف تھی اول تو ان کے یہاں کانگریسی منظم جماعت، دوسرے ہندو مہاسبھا تیسرے سناتن دھرم سبھا چوتھے سماج سوسائٹیاں، پانچویں سیوا سمیتیاں موجود ہیں۔ کانگریس کے رویہ پر نظر ڈالتے ہوئے کشادہ دلی کے ساتھ یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ اس کے بعض خاص کارکن اس ہنگامہ کو روکنے اور ہندو مسلمانوں کو بلا امتیاز مدد دینے میں کوشاں رہے

اکثر ہندوؤں نے ہنگامہ شروع ہوتے ہی متحد ہو کر کام بند ہونے کا انتظام کیا تھا کہ بیرون شہر کے ہزاروں چماروں کو جن کا زیادہ تر کاروباری تعلق مسلمان تاجروں سے تھا ہم خیال بنا لیا گیا۔ چنانچہ ۲۵ مارچ سے وہ بھی تیار ہو کر برسر پیکار نظر آنے لگے، بہتر جو ۲۴ مارچ کو مسلمانوں کے یہاں پناہ گزین تھے ۲۶ مارچ کی صبح ہی سے میونسپلٹی کے کیپٹن پارک میں جمع ہو کر نعرہ ہائے جنگ پکارنے لگے اور ہمارے پاس شہادتیں موجود ہیں کہ ان لوگوں نے مسلمانوں پر خشت باری کی لوٹ مار میں زیادہ تر کولوں میں ملازم تھے وہ بھی آمادۂ فساد ہو گئے جتنی کہ ان لوگوں

سانگیں جہاں مسلمان قتل ہوئے اور جلا دیئے گئے شہر کے نامی اور مالدار تاجروں کے مکان سے ملی ہوئی واقع ہے سبزی منڈی میں جہاں روزِ روشن میں کئی قتل ہوئے کچھ قدم پر ایک معزز اور نامور تاجر اور بااثر آنریری مجسٹریٹ اور میونسپل کمشنر صاحب معہ اپنے متعلقین اور ملازمین کے رہتے تھے۔ خود بنگالی محلہ کے مسلمانوں کے مکانات بڑے بڑے ذی حیثیت ہندوؤں کے مکان سے بہت ہی قریب واقع ۔ چٹائی محلہ کا واقعہ شہر کے ملک التجار کے دولت کدہ کے سامنے وقوع میں آیا ہے۔

ہنگامہ کانپور میں مسلمانوں کے طرز عمل پر بے لاگ روشنی ڈالنے کی مہم ہمدرد... ہے ہندو محلوں کے برعکس ۔ بانس منڈی پینچ باغ، پردہ ہرامن وغیرہ ایسے محلوں میں جہاں مسلمانوں کی آبادی کثیر ہے ہندو بیکسوں کو پناہ دی گئی اور امن و امان میں رکھا گیا — کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان محلوں میں ہندوؤں کی وہی حالت نہ تھی جو مسلمانوں کی بنگالی محلہ وغیرہ میں تھی ۔ اگر یہاں ایک بھی ایسا واقعہ نہیں ہوا ہو کسی ادنیٰ حیثیت سے بھی مثال میں پیش کیا جائے۔ اب رہا سوال کرنیل گنج و بکن گنج کا جسے ہندوؤں نے مسلمانوں کے مظالم کا مرکز ظاہر کرکے زیارت گاہ عالم بنا رکھا ہے یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ ان محلوں میں ہندو آبادی مسلمانوں سے بہت کم تھی یا یہاں ہندوؤں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا ہو۔ دراصل ان محلہ جات کے کاروباری حصہ میں ہندو دکانداروں نے اپنا مال و اسباب احتیاطاً شروع ہی سے ہٹا دیا تھا۔ یہ کہنے کے بجائے کہ ۲۴/۲۵ مارچ کی درمیانی شب میں بلوہ عام اور حکومت کے مفلوج ہو جانے سے وہ محفوظ نہ رہ سکیں ۔ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ خانہ خالی را دیو میگیرد کا مضمون ہوا ۔ ان محلوں میں دو بڑے مکان جن کے مالک رام بابو ... اور سوکھئی لال صراف تھا جلائے گئے ۔ مگر ان کے مقابلہ ... اصغر حسین کی آٹا چکی معہ ہزاروں من غلہ کے پھونک دی گئی اور دوست محمد خاں ... کے احاطہ جس میں بیسیوں مکان تھے جلا دیئے گئے اور مسلمانوں کا مال و اسباب لوٹ لیا گیا ۔ رام بالک اور سکھ لال کے متعلقین میں سے کوئی ہلاک یا مجروح نہیں ہوا بلکہ وہ سب اور دیگر ہندو ... والے مسلمانوں کی حفاظت اور ایک مسلمان سب انسپکٹر کی نگرانی میں دوسری زیادہ محفوظ جگہ پر منتقل ہو گئے۔ اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ ان محلہ جات میں مسلمان اور ہندو دونوں

سے پولیس و فوج وحکام کی آمد کی اطلاع دی جاتی تھی۔

۲۴ مارچ کو کانپور میں ۷۵۵ پولیس افسران و ملازم (۳۲) افسر اور ۲۵۸۵ فوجی گورے اور ۱۲ افسر اور ۱۴۳ اگزلری فورس کے گورے موجود تھے۔ لیکن باوجود اس قوت اور انگریز ہندوستانی مجسٹریٹوں کی نگرانی کے حکومت فساد کو نہ روک سکی اور باوجود اس کے کہ کثیر تعداد میں پولیس اور فوج باہر سے بلا لی گئی پورے تین دن تک ہولناک واقعات شہر میں ہوتے رہے۔ ڈپٹی انسپکٹر جنرل اور سپرنٹنڈنٹ پولیس وغیرہ نے اپنے بیانات میں صاف ظاہر کیا ہے کہ جس قدر قدرت ان کی تھی اس سے زیادہ وہ کام نہ کر سکتے تھے۔ یعنی جس قدر قتل و غارت گری اور آتش زدگی کے واقعات ہوئے وہ ان کے قابو سے باہر تھے۔

ہنگامہ کے واقعات کی بنا پر ایک اہم سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ جہاں پولیس نسبتاً کافی تھی وہاں مسلمانوں کی حفاظت کس قدر کی گئی۔ کانپور ایسے مشہور شہر کی کوتوالی کے کارنامے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ کوتوالی کی پشت کی دیوار کے نیچے جو مسلمان دوکاندار تھے۔ وہ روز روشن میں قتل کر دیئے گئے کوتوالی کے عین سامنے راہ گیروں پر قاتلانہ حملے ہوئے اور بعض کوتوالی کے برآمدہ میں گر کر جان بحق ہوئے۔ کوتوالی سے پچاس قدم دور ایک پولیس چوکی سے دس قدم پر کانپور کے مشہور و معروف مسلمان تمباکو فروش کے مکان پر مسلسل ۱۴ گھنٹہ تک حملہ ہوا اور بالآخر اس کا مال و اسباب سب جلا کر خاک سیاہ کر دیا گیا۔ کوتوالی سے سو گز کے فاصلہ پر شتر خانہ کے غریب مسلمانوں پر بندوق، لاٹھی، بلم سے ہزاروں آدمیوں نے حملہ کیا اور کئی مسلمان قتل ہوئے۔ کوتوالی کی جانب پشت کے قریب جس قدر شہر کے سوداگران بساط خانہ کی دکانیں تھیں چن چن کر لوٹ لی گئیں۔

کوتوالی کے قریب بادشاہی ناکہ پر جہاں سے ہندوؤں کے مظالم کی ابتدا ہوئی تھی متواتر تین روز تک راہ گیروں اور دکانداروں پر قاتلانہ حملے ہوتے رہے اور سبزی منڈی اور رنجیت پورہ کے مسلمانوں کے خاندان کے خاندان مع عورت و بچوں کے قتل کر دیئے گئے۔ صدر کوتوالی کے کارناموں کا اندازہ کپتان فلیگیٹ، (ایک فوجی افسر) کے بیان سے ہو سکتا ہے جنہوں نے کہا ہے کہ

نے مسلح ہو کر حملے کئے اور ان میں سے کئی ایک گرفتار ہوئے۔ ملوں کے ہندو مزدور جو کثیر تعداد میں ملوں کے مکانات میں رہتے ہیں۔ مسلح ہو کر ۲۵ مارچ سے علی الاعلان نکلنے لگے اور مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔

حتیٰ کہ انہوں نے ایک انگریز کو بھی زدوکوب کیا۔ جس نے اپنا بیان سرکاری کمیشن کے سامنے دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے بیان سے بھی اس مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے۔ دیہاتی رقبہ سے ۲۵ کی صبح ہی سے ہزاروں کی تعداد میں مسلح ہندو آنے لگے۔ اور ہنگامہ میں شریک ہوئے۔ ۔ ۔ اس سلسلہ میں ہم ڈی گون جونس صاحب کے بیان سے ایک اقتباس ذیل میں درج کرتے ہیں۔

"میں ۱۰ اور ۱۱ بجے صبح (۲۵ مارچ کو) اپنی فیکٹری جا رہا تھا میں نے راستہ میں پچاس پچاس آدمیوں کے گروہ دیکھے جو یکے بعد دیگرے گرانڈ ٹرنک روڈ پر جمع ہو کر شہر کی جانب جاتے تھے اور جو بظاہر دیہات سے آرہے تھے۔ یہ لوگ کانتے، بلم اور لاٹھیاں لئے ہوئے تھے اور انقلاب زندہ باد۔ مہاتما گاندھی کی جے کے جیکارے لگاتے تھے۔"

دوسرے عینی شاہد نے بیان کیا۔

"۲۵ مارچ کو قتل عام ہو گیا کیونکہ شہر کے باہر سے بہت سے غول مسلح دیہاتیوں کے آگئے تھے۔"

اس بیان کی تائید تھانہ کرنیل گنج کی رپورٹوں سے بھی ہوتی ہے ایک سب انسپکٹر نے ایک لاری گرفتار کی جس میں مسلح ہندو بھرے تھے اور جن کے پاس سرخ مرچوں سے بنایا ہوا پانی تھیلوں میں بھرا تھا۔ گنگا کے اس پار سے بہت سے مسلح ہندو کشتیوں کے ذریعہ شہر میں آرہے تھے۔ تھانہ کرنیل گنج کی رپورٹوں سے ثابت ہوگا کہ کئی بار پولیس نے ان کا تعاقب کیا اور فائر ہونے کے بعد بالآخر وہ واپس گئے۔

غرض کہ شہر کے ہندو حصوں میں ایک جانب سے دوسری جانب کے لوگوں میں باقاعدہ انضباط و تعلق رکھا گیا تھا۔ اور ایک آواز پر سب نعرہ ہائے جنگ یعنی مہاتما گاندھی کی جے۔ بجرنگ بلی کی جے پکارنے لگتے تھے۔ باقاعدہ ٹین بجا کر ایک دوسرے کو اشارہ جنگ کیا جاتا تھا اور مختلف مقررہ آوازوں

وقت سوائے ان دو مسلمانوں کے اور کوئی موجود نہ تھا اور اس واقعہ کی باضابطہ رپورٹ کر دی گئی ہے۔

۴۔ خفیہ پولیس کے انسپکٹر ٹیکہ رام نے طلاق محل میں اپنے مکان سے مسلمانوں پر بے ضابطہ فائر کیے۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ بلوہ کے زمانہ میں ہزاروں کارتوس فروخت کیے گئے جو تقریباً سب صرف ہندوؤں کے ہاتھ بیچے گئے تھے۔ جن میں مان سنگھ تھرجو وغیرہ شامل ہیں جن کے خلاف بیجا اور بے قاعدہ طور پر فائر کرنے کے متعلق بہت سی رپورٹیں کی گئی ہیں۔

مسلمانوں کا اقتصادی مقاطعہ ہنگامہ کے بعد ہی شروع کر دیا گیا اور ایک عرصہ تک غلہ کی منڈیوں اور ہندو فلور ملوں میں مسلمانوں کے ہاتھ کوئی چیز خورد و نوش کی فروخت نہیں کی گئی جس کی وجہ سے مسلمانوں کو اپنی ضروریات پوری کرنے میں جو جو دقتیں پیش آئیں وہ بیان سے باہر ہیں۔ رفتہ رفتہ یہ بندش دور ہوئی تاہم اب بھی شہر کی کوئی مشہور منڈی و بازار ایسی نہیں ہے جہاں مسلمان بلا خوف و اندیشہ کسی کاروبار میں حصہ لے سکتا ہو۔

بعض مقامات مثلاً سبزی میوہ وغیرہ میں ہندوؤں کی علیحدہ بازاریں قائم کی گئی ہیں۔ جہاں مسلمانوں کا گزر نہیں ہوتا۔ مسلمان تمباکو سبزی و چوڑی فروشوں کا باقاعدہ مقاطعہ کر کے مسلمانوں کے باقی ماندہ کاروبار بھی چھین لیے گئے جس کی وجہ سے ہنگامہ کی زد سے جو لوگ بچے تھے وہ اس طرح بے روزگار ہو کر تلاشِ معاش کی فکر میں مبتلا ہیں۔

شہر میں اب تک بہت سی ایسی شاہراہیں ہیں جن پر مسلمانوں کی آمد و رفت بوجہ خوف و خطر کے بند ہیں۔ بنگالی محال وغیرہ میں اب تک مسلمان جانے سے گریز کرتے ہیں کیونکہ ہنگامہ کے بعد بھی اکثر اس قسم کے واقعات ہوتے رہتے ہیں کہ تنہا مسلمان پر بعض بعض ہندو محلوں میں حملہ کیا گیا۔ واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ اب تک کوئی مسلمان ان محلہ جات میں سے جہاں مسلم بستی کو نیست و نابود کر دینے کی دیرینہ خواہش کو پورا کیا گیا ہے قیام کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔ اکثر مسلمان اپنی موروثی جائیداد کو خیرباد کرنے پر مجبور ہو کر آمدنی سے محروم ہو گئے ہیں۔ ہنگامہ کے بعد بھی

"۲۴ مارچ کو ۱۰ بجے جب میں کوتوالی کے قریب سے گزرا تو میں نے دیکھا کہ کوتوالی کا پھاٹک بند ہے اور اس میں قفل پڑا ہے۔ لوگ باہر سے جھانک رہے ہیں اور کوتوالی پر ڈھیلے بازی کر رہے ہیں۔"

رہا سوال حکومت کے جدید مرکز کا جو مٹن روڈ پر قائم کیا گیا تھا اس کے بالکل قریب بنگالی محال اور چاول منڈی کے انتہائی دردناک واقعات ظہور میں آئے مگر نہ افسران پولیس نہ مجسٹریٹ صاحبان کو جو شب و روز یہاں تعینات رہتے تھے کوئی خبر ملی۔ ان مقامات کے قتل و غارت کی خبر دوسرے متصل مسلم محلہ جات تک پہنچ گئی۔ بساط خانہ اور ٹیکا پور وغیرہ کے مسلمان وہاں گئے اور جو کچھ مسلمان قتل سے بچے تھے ان کو نکال کر لے گئے مگر حکومت کو خبر تک نہ ہوئی جیسا کہ خود شہر کے کوتوال صاحب نے اپنے بیان میں تسلیم کیا ہے۔

پرمٹ کی مسجد جہاں مسلمان قتل ہوئے پولیس چوکی سے جس میں ایک ہیڈ کانسٹیبل اور چھ کانسٹیبل رہتے ہیں۔ صرف چند قدم کے فاصلہ پر تھی علاوہ ازیں اس جگہ مسلح پولیس کا پہرہ بھی تھا مگر مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا۔

اسی طرح سیسہ مئو میں ۲۰ مارچ کو پکیٹ کے تعیناتی کے باوجود دو مسلمان مرد اور ایک ضعیف العمر عورت کا قتل عمل میں آیا۔

اس مسئلہ پر خان بہادر (بعد میں سر) حافظ ہدایت حسین صاحب ایم ایل سی ممبر راؤنڈ ٹیبل کانفرنس نے ایک واقعہ کے ماتحت روشنی ڈالی ہے۔ خان بہادر صاحب موصوف کے بیان کے اس حصہ کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں — "خود پولیس کے افسروں میں فرقہ وارانہ خیالات نمایاں نظر آتے ہیں میں نے ۱۲ اپریل مسٹر ڈاڈ کو لکھا تھا۔ اس قسم کے دیگر واقعات جو مجھے بتائے گئے ہیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ بابو رام سب انسپکٹر کو بلوہ کے زمانہ میں مسلمانوں پر فائر کرتے اور ان کو زخمی کرتے ہوئے دیکھا گیا۔ خود تحصیلدار کانپور نے بابو رام کے ناجائز فائر کرنے کی حکام کو رپورٹ کی۔

۲۔ گنگا سنگھ سب انسپکٹر کے متعلق رپورٹ کی گئی ہے کہ اس نے رام نرائن بازار میں حلوہ سوہن مسجد کے سامنے چار بے گناہ مسلمانوں کو بندوق کا نشانہ بنایا۔

۳۔ ایک ہندو کانسٹیبل نے کرنیل گنج بازار میں دو مسلمانوں کو بندوق سے مارا اس

مسجد چو ساخت خانم خاں از روئے نیاز
مال حلال صرف براہ خدا شدہ

پرسیدم از سروش چو سال بنائے آں
شال مسجد اقصٰے بنا شدہ!

زمانہ کی گردش سے رفتہ رفتہ مسلمانوں کی جائدادیں فروخت ہونے لگیں - بڑے بڑے امام باڑے آج شاردھانند پارک اور مندروں کے نام سے پکارے جاتے ہیں اور ہر طرف ہندو آبادی دکھائی پڑتی ہے ۔

بنگالی محال میں اس ہنگامہ کے زمانہ میں مسلمانوں کے چند مکانات اور ایک مسجد تھی اور قریب سو مسلمان مرد عورت اور بچے رہتے تھے ۔ ہنگامہ میں مسلمانوں کے تمام مکانات جلا دیئے گئے اور مسجد جلا کر اس طرح مسمار کی گئی ہے کہ اس کا درست ہونا محال ہے ۔ اب تک ۱۹ قتل کی اطلاع ملی ہے اور ایک سولہ سالہ لڑکی کا جس کہا جاتا ہے کہ بلوائی پکڑ کر لے گئے حال معلوم نہیں ہوا ہے مقتولین میں ۸ مرد ۵ عورتیں ۵ لڑکے اور ایک لڑکی شامل ہے، ہنگامہ کے بعد سے یہ محلہ بالکل مسلمانوں سے خالی ہو گیا ہے اور کسی مسلمان کی ہمت اس جانب جانے کی نہیں پڑتی اس طرح سے اس مسلم آبادی کا جو قریب سو سال سے چلی آ رہی تھی بالکل خاتمہ ہو گیا -

اس مقام کے واقعات کا سلسلہ اس طرح ہے کہ ۲۴ مارچ کو یہاں ایک شخص مسمی عبدالحکیم دوسرے مقام سے زخمی ہو کر آیا ۔ ہنگامہ کی خبریں سن کر لوگ بہت پریشان تھے ۔ اور اکثر ادھر ادھر چلے گئے چونکہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات دیرینہ تھے اس لئے اکثر ان کے اطمینان دلانے پر نہیں بھاگے ۔

۲۷ مارچ کی صبح سے ہندو مسلح دکھائی دینے پڑنے لگے ۔ پھر بھی مسلمانوں کو یقین دلایا گیا کہ وہ نا ٹھہرائیں اور یہ کہا گیا کہ سب لوگ محلہ کی نگرانی کریں گے ۔ اس وقت کچھ مستورات نے یکہ اور تانگہ منگا کر جانا چاہا مگر محلہ والوں نے سواریوں کو واپس کر دیا اور اطمینان دلا کر روک لیا ۔ ۹ بجے صبح سے ادھر ادھر سے ہندوؤں کے غول آنے لگے اور حملہ کی تیاریاں معلوم ہونے لگیں ۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ پہلے ٹین بجایا گیا جس کی آواز پر ادھر ادھر سے مسلح بلوائی جمع ہوئے پہلا حملہ

اکثر مقامات مثلاً خلاصی لین وغیرہ سے مسلمان اپنے مکانات چھوڑ کر مجبوراً دوسرے مقام پر آباد ہو گئے۔

معرکہ کانپور کے خونی حادثات

ہم ذیل میں خاص خاص مقامات کے واقعات پوری تحقیقات کر کے درج کرتے ہیں جس سے ہمارے ان خیالات کی جو ہم ظاہر کر چکے ہیں تائید ہو گی — ہم کو افسوس ہے کہ باوجود ہماری کوشش کے یہ معلوم کرنا کہ کل کتنی مسلم جانیں تلف ہوئیں اور کس قدر مال و اسباب ضائع ہوا قطعی ناممکن ہے۔

تاہم ہم ناظرین کی اطلاع کے لئے محلہ وار تعداد شہدا و مساجد جن کو نقصان پہنچا ہے۔ مع محلہ وار تعداد مکانات جن میں مسلمان رہتے تھے اور جو جلائے اور لوٹے گئے مرتب کر کے منسلک رسالہ ہذا کرتے ہیں۔

بنگالی محال

اس محلہ کے نام سے پتہ چلتا ہے۔ کہ یہاں بنگالی آباد تھے مگر اصلیت یہ ہے کہ یہاں غدر سے پہلے مسلمان کثرت سے آباد تھے۔ اور اس کا سلسلہ کانپور کی اس زبردست مسلم آبادی سے ملا ہوا تھا جو کرنیل گنج سے لیکر پریڈ ہوتی ہوئی ٹپکاپور تک گئی ہے جس میں مسلمانوں کی اکثر معزز اور بڑی بستیاں تھیں اور ہزاروں پیشہ ور آباد تھے خود بنگالی محال میں مسلمانوں کی بہت بڑی آبادی تھی جس کا سلسلہ اٹاوہ بازار وغیرہ سے تھا۔ بنگالی محال کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ غدر کے پہلے بریلی سے چند معزز مسلمان آئے۔ ان میں سے ایک صاحب باقر علی خاں سرکار کی طرف سے گھاٹم پور کے تحصیلدار ہوئے۔ ان لوگوں نے یہاں بہت سے مکانات بنائے عرصہ دراز تک مسلمان یہاں بہت خوشحال رہے۔ اس محلہ کی مسجد مٹرو بی بی نے جو ایک خوشحال مسلم خاتون تھیں بنوائی تھی۔ مسجد کے مندرجہ ذیل کتبہ سے اس کے تعمیر کا سال معلوم ہوگا۔

سے چھیدی کے مکان میں پہنچا دیا۔ اپنے کرایہ داروں کی کل عورت اور بچوں کو بھی چھیدی کے مکان میں لے گیا اس کے بعد شیو دیال نے چھیدی کی نٹیا سے سیڑھی کھینچ لی سیڑھی کھینچنے کے بعد فوراً ہی پارک کی طرف سے ایک غول جن کی تعداد ۱۰۰ سے کم نہ تھی باجا بجاتا ہوا اور یہ کہتا ہوا کہ "مارو - کاٹو - آگ لگا دو۔ مسلمانوں کے گھروں پر ٹوٹ پڑا۔ پہلے یہ گروہ یار محمد درزی کے مکان میں گھسا اور مکان کو لوٹتا ہوا کوٹھے تک چڑھ گیا۔ ہم نے یہ حالت دیکھ کر شیو دیال اور چھیدی سے کہا بھیا تم لوگوں نے ہماری حفاظت کا وعدہ کیا تھا بتاؤ ہم لوگ کیسے بچیں؟ شیو دیال نے جواب میں کہا کہ تم سب لوگ محمد لیسین کے مکان پر چلی جاؤ - اور فقیر محمد کے آدمیوں کو بھی وہاں ایک جگہ جمع کر لو۔ ہم اپنے گھر کی کل عورتوں بچوں محمد کے کوٹھے سے ہو کر لیسین کے مکان میں چلی گئی اور فقیر محمد کے یہاں کے بھی بچے لیسین کے مکان میں اتر رہے تھے۔ تو ہم نے دیکھا کہ چاروں طرف ہندو پڑوسی ہیں اینٹیں اور لاٹھیاں لئے بڑی کثرت سے کھڑے ہیں۔ ہم نے شیو دیال سے کہا بھیا یہ کیا ہو رہا ہے تو چھیدی نے کہا کہ تم لوگ دھیرے سے لیسین کے مکان میں اتر جاؤ۔ تمہارا کچھ نہ ہوگا جس وقت تک ہم سب لوگ اتر کر لیسین کے مکان میں نہ پہنچے اس وقت تک کسی نے کوئی اینٹ ہم پر نہ چلائی جیسے ہی ہم لوگ لیسین کے مکان کے نچلے حصہ میں اترے تو چاروں طرف کے اونچے اونچے ہندو مکانوں سے ہم پر اینٹیں پڑنا شروع ہو گئیں۔ اب لیسین کے دروازے کے سامنے آن کر ہندوؤں کے غول نے دروازہ توڑنا شروع کیا۔ اس پر لیسین کی بیوہ بھاوج نے شور مچایا کہ شیو دیال چھیدی لمبر، تم کیا کر رہے ہو؟ دیکھو ہم تو تمہارے ہی سہارے پڑے ہوئے تھے۔ اور تم بجائے ہماری مدد کرنے کے خود ہی ہمارے کواڑ توڑ رہے ہو کسی نے کوئی جواب نہ دیا اور اتنی دیر میں دروازے کے کواڑ ٹوٹ گئے۔ بلوائی مکان میں اندر گھس آئے اور کہنے لگے کہ باہر تو پولیس آئی کھڑی ہے تم سب لوگ ایک جگہ جمع ہو کر مکان سے پولیس کے ساتھ چلے جاؤ ہم سب عورتیں بچے جو مکان میں ادھر ادھر تھے۔ جب یکجا جمع ہوئے اور بلوائیوں کے کانتے، بلم تلواریں دیکھیں جن سے وہ ہم لوگوں کو ڈرا رہے تھے۔ تو ہم لوگ ڈر کے مارے جنو کی ماں والی کوٹھڑی میں گھس پڑے۔ صرف عبدالرحیم نامی ایک لڑکا جس پر بلوائیوں کی

فخرالدین کے مکان پر ہوا جس میں اوپر کے حصہ میں دو عورتیں دو لڑکے ایک بچہ تھا اور نیچے ایک مرد اور دو عورتیں اور دو بچے تھے۔ پہلے مکان پر ڈھیلے چلائے گئے۔ جس کی وجہ سے سب مسلمان ادھر ادھر چھپ گئے۔ مگر تین آدمی جو باہر نکل کر بھاگنے لگے قتل کر دئے گئے۔ حملہ آور دو حصوں میں تقسیم ہو گئے ایک نے محمد لیسین کے مکان پر حملہ کر دیا۔ دوسرے نے عبدالغفور کے مکان پر۔ محمد لیسین کے مکان میں جتنے مرد اور بچے تھے۔ سب کے سب قتل ہو کر نذر آتش کر دیئے گئے نعشوں کے انبار میں ۴ عورتیں زندہ ملیں نگران میں سے ایک نے ہسپتال پہنچ کر انتقال کیا۔ ان میں ایک عورت کا بیان جو سرکاری کمیشن کے سامنے ہوا ہے ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ جس سے معلوم ہوگا کہ کس طرح ان بے کس عورتوں اور بچوں کی جانیں لی گئیں۔ عبدالغفور کے مکان میں پانچ آدمی قتل ہوئے بقیہ مدد آنے پر نکال لئے گئے۔ بنگالی محال کے حملہ کی خبر ٹپکا پور کے مسلمانوں کو ہوئی اور یہ لوگ موقعہ پر جلد سے جلد پہنچ کر بقیہ مکانات سے جہاں اس وقت تک حملہ آور نہیں پہنچے تھے۔ مسلمانوں کو نکال لے گئے۔ اس موقع پر پنڈت گنیش شنکر ودیارتھی بھی تھے۔ جنہوں نے مسلمانوں کو پناہ دینے میں مدد دی مسلمانوں کے چلے جانے کے بعد بلوائیوں نے مکانات لوٹ لئے۔ مسجد شہید کی اور جلادی۔

یہ مقام ابھی تک ایک انتہائی عبرت ناک منظر پیش کر رہا ہے۔ اور اب تک اینٹوں کے نیچے مقتولین کے جلے ہوئے اعضا دکھائی دیتے ہیں۔

بیان مسماۃ ببّو

بدھ کے دن (۲۵ مارچ) ۹ بجے صبح کو شیو دیال کا کرایہ دار لال موہن اپنے ساتھ ۲۰ - ۲۵ آدمی لئے ہوئے جن کے ہاتھوں میں لاٹھیاں وغیرہ تھیں اور لال موہن کے ہاتھوں میں اینٹیں وغیرہ تھیں شیو دیال کی ڈیوڑھی میں آیا اور شیو دیال سے کچھ باتیں کیں جن کو میں نہ سن سکی اس کے بعد لال موہن ڈیوڑھی سے باہر نکلا اور اپنے ساتھیوں کو ہمارے مکانوں کے متعلق اشاروں میں کچھ بتاتا ہوا پارک کی طرف چلا گیا اس کے بعد شیو دیال نے اپنے دروازے کی کنڈی بند کر لی اور کوٹھے پر چڑھا (جو ہمارے مکان سے ملا ہوا ہے) اپنا اور اپنے کرایہ داروں کا کل [illegible] پشت پر

سے۔ آگ لگانے کے بعد بلوائی یہ کہتے ہوئے مکان سے نکل گئے کہ چلو اب مسجد والوں کی خبر لیں۔ اس کے کچھ دیر بعد ڈیوڑھی سے یہ آوازیں آنا شروع ہوئیں کہ جو بچا ہو۔ وہ نکل آئے ان آوازوں میں میں نے اپنے شوہر منے خاں کی آواز بھی سنی۔ جب ان کی نظر میرے اوپر پڑی تو میں نے اشارے سے کہا کہ میں زندہ ہوں۔ یہ دیکھ کر وہ رونے لگے اور سب مسلمانوں نے مل کر ہم تینوں عورتوں کو جن کے پیر جل رہے تھے گھسیٹ کر باہر نکالا پہلے ہم لوگوں کو ٹپکا پور لے گئے جہاں سے تیسرے دن ڈپٹی صاحب نے ہمیں ہسپتال پہنچا دیا۔

سبزی منڈی رنجیت پوروہ

یہ مقام شہر کے وسط میں واقع ہے اور دور تک ہندو ہر قماش اور ہر حیثیت کے آباد ہیں ۱۹۰۰ء میں چودھری امجد حسین کے مورث سرکار انگلشیہ کی طرف سے بحیثیت ٹھیکہ دار منڈی کانپور آئے اور چوک کے قریب ایک بازار قائم کر کے آباد ہوئے ۱۸۶۸ء سے میونسپلٹی نے ایک بازار قائم کیا جو سبزی منڈی کے نام سے مشہور ہے اور جس کا ٹھیکہ ان کے والد اور خود ان کے پاس پچھلے سال تک رہا۔

اس موقع پر ہم چودھری امجد حسین صاحب کا تحریری بیان جو انہوں نے سرکاری کمیشن کے روبرو پیش کیا تھا ذیل میں درج کر کے امید کرتے ہیں کہ اس مقام کی عبرت ناک حالات بخوبی روشن ہو جائیں گے۔

۲۴ مارچ ۱۹۳۱ء کو ۱۱ بجے مسٹن روڈ سے میں اپنے مکان سبزی منڈی آ رہا تھا جس وقت مول گنج کے چوراہے پر پہنچا دیکھا کہ رضاکار کانگریس ٹریم کار کی سڑک پر لالٹینیں رکھ کر روکتے ہیں اور سواریوں کو اتارتے ہیں۔ میں ہالسی روڈ سے ہوتا ہوا اپنے مکان کی طرف چلا تو مجھ کو دس بارہ کانگرسی رضاکار ملے۔ انہوں نے مجھ کو ٹوپی اتارنے کو کہا۔ میں نے تامل کیا تو میرے ساتھ درشت لہجہ میں گفتگو کرنے لگے ... میں نے دیکھا بادشاہی ناکہ پر کئی سو آدمیوں کا مجمع ہے اس لئے میں گلی سے اپنے مکان پر پہنچا لوگوں سے سنا کہ بادشاہی ناکہ پر ابھی ابھی ایک تانگہ والا اور ایک کو ہندوؤں نے مارا ہے۔ قریب ایک بجے دن کے سبزی منڈی میں جب شور و غل ہوا تو میں نے مکان کے چھجہ پر آ کر دیکھا کہ بادشاہی ناکہ سے ہندو جوتے لوٹ کر لا رہے ہیں اور

لاٹھیاں پڑنے لگی تھیں گھر سے نکل کر بھاگ گیا۔ بلوائیوں نے اول ہم سب عورتوں سے کہا کہ اپنا سب زیور اتار کر ہم کو دے دو۔ میں نے اس غول میں شیو دیال کے کرایہ دار رام کرشن برہمن کو دیکھا تو میں اس کے پیروں سے لپٹ گئی کہ بھیا تم ہم کو اس گھر سے نکال لے چلو۔ اس پر رام کرشن نے کوئی جواب نہ دیا سب بلوائی زیور اتارنے کے لئے ہم پر ٹوٹ پڑے۔ اس پر میں نے چلا کر کہا کہ خبردار تم لوگ ہاتھ نہ لگانا ہم خود اپنا زیور اتار کر دیئے دیتے ہیں اور ہم سب نے جو زیور پہنے ہوئے تھے۔ وہ اور جو ہمارے پاس تھا وہ رام کشن کے ہاتھ میں اتار کر دینا شروع کیا رام کشن زیور ہمارے ہاتھوں سے لیکر دوسرے بلوائیوں کو دیتا جا رہا تھا جب ہم لوگوں نے سب زیور بلوائیوں کو اتار کر حوالہ کر دیا جس میں تقریباً ۴۸ تولہ طلائی زیور تھا تو بلوائیوں نے پھر ہم کو چینوں کی ماں والی کوٹھری میں چلے جانے کو کہا اس پر ہم سب عورتیں بچے اس کوٹھری میں گھس گئے اس کے بعد بلوائیوں نے مکان کے دوسرے حصوں میں سے کل استعمالی کپڑے اور دری توشک اور لحاف وغیرہ اسی کوٹھری میں بھر دیئے جس میں ہم لوگ تھے اور کپڑوں میں آگ لگا دی۔ آگ لگنے پر کوٹھری میں جب دھواں گھٹنا شروع ہوا تو ہم لوگ سخت پریشان ہوئے اور عورتیں بچے کوٹھری سے باہر نکلنے پر مجبور ہو گئے۔ سب سے اول لیسین کی بھاوج نکلی جس کے نکلتے ہی بلوائیوں نے بلم کانٹے سے اُسے قتل کر دیا اس کے بعد محمد علی ظہور اور چینو کو بھی جو گھبرا کر کوٹھری سے نکل پڑے تھے صحن مکان میں قتل کر دیا فقیر محمد کی عورت اور بڑی لڑکی اور نواسی اور شاکر کی ایک چھ سالہ لڑکی و فقیر محمد کی بھتیج بہو کو قتل کیا اور ان سب کو ایک ہی جگہ نیچے اوپر ڈال دیا۔ فقیر محمد کی ایک سولہ سالہ لڑکی کی اسی وقت عصمت دری کی گئی اور اس کو گھسیٹتے ہوئے مکان سے باہر لے گئے جب بلوائی مکان سے باہر ہوئے تو میں اور میری بہو جواب تک کوٹھری کے اندر تھے فوراً کوٹھری سے نکل کر لاشوں میں مل جل کر لیٹ گئے۔ لڑکی کو گھسیٹ کر باہر لے جانے کے بعد چند بلوائی پھر واپس آئے اور لاشوں کے پیروں کی طرف رضائیاں اور چارپائیاں ڈال کر آگ لگا دی جس سے میرے پیر پنڈلیوں تک اور میری بہو کے پیر ران تک جل گئے جس وقت یہ قتل عام جاری تھا تو شیو دیال اور چھیدی کہتے جاتے تھے کہ کوئی ایک نہ زندہ بچنے پاوے ورنہ یہی سب لوگ آئیں کے سانپ ثابت ہوں

ساکن منڈی اعظم گڑھ تھا۔ دو لاشوں میں ایک لاش مجھے ملی جو ۲۴ مارچ کو ڈپٹی صاحب اسلام نبی نے اعزحسین صاحب سب انسپکٹر کے سپرد کر دی۔ ۹ بجے رات کو سبزی منڈی کی مسجد میں دو مسلمان پناہ گزین تھے ان کو جان سے مار ڈالا یہ لاشیں سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس نے ۲۴ مارچ کو دیکھی تھیں اور بلوائیوں نے سبزی منڈی کے مسلمان سبزی فروشوں کی کل دکانیں لوٹ لیں اور ان کے تخت، چارپائیاں، ٹھیلے، دیگر سامان دکانداری اور جمن پہلوان کا تانگہ سب چیزیں یکجا کر کے آگ لگا دی اور رات بھر بلوائی جیکاروں کا شور کرتے رہتے کبھی مہاتما گاندھی کی جے ہوتی تھی اور کبھی بجرنگ بلی کی جے اور کبھی بھگت سنگھ کی جے کی آواز آتی تھی ۲۵ مارچ کی صبح کو جب کوئی انتظام بلوائی غنڈوں نے پولیس کا نہیں دیکھا تو زیادہ زور پکڑا اور چاروں طرف سے سبزی منڈی کے مسلمانوں کے مکانات کا محاصرہ کر لیا سب سے بیشتر بلوائیوں نے مسجد خلیلین میں جو میرے مکان سے نظر آتی ہے۔ آگ لگائی اور اس کے کرایہ داروں کو مارا اور لوٹا اور دکانوں میں آگ بھی لگا دی اور مسجد کا سامان جلا دیا۔

سیسہ مئو

سیسہ مئو کی آبادی شہر کے بیرونی حصہ میں واقع ہے یہ مقام میونسپلٹی میں ہوتے ہوئے زمینداروں کے قبضہ میں ہے اس کے قریب امپروومنٹ ٹرسٹ نے اراضیات لیکر ایک نئی بستی قائم کی ہے۔ سیسہ مئو کے اندر ۳ گھر مسلمانوں کے اور ایک احاطہ اور چند مکانات میں مسلمان بطور کرایہ دار اس مقام پر آباد تھے۔ احاطہ کے اندر جو ایک ہندو صاحب کا ہے تین کوٹھریوں میں دو جولاہوں کے خاندان کرایہ پر رہتے تھے۔

۲۴ مارچ کو یہاں دو مرد ایک نابینا عورت قتل ہوئی اور ان کا مال اسباب لوٹ لیا گیا۔ پہلے ان کی لاشیں ایک چبوترہ پر رکھی گئی تھیں بعدہٗ اٹھا کر سڑک کے قریب اینٹوں کی آڑ میں ڈال دی گئیں۔ جہاں وہ کئی روز تک پڑی رہیں اور ایک عرصہ بعد جلا دان کو قبرستان لے گئے۔ اس واقعہ کے مفصل حالات مقتول کی نابالغ لڑکیوں کے بیان سے معلوم ہوں گے جو ذیل میں درج ہے۔

بقیہ مسلمان کئی روز تک بے آب و دانہ چھپے رہے مگر موقع ملنے پر بشیر گنج

لوگوں سے کہہ رہے ہیں کہ مسلمان دکانداروں کی لوٹ ہو رہی ہے چلو تم بھی لوٹ میں
شریک ہو۔ پھر تھوڑی دیر بعد چھتریاں لالٹینیں اور دیگر سامان لیساد اخانہ دوائیں کپڑا
لوٹ کر رنجیت پُروہ کی طرف جانے لگے۔ بعض ہندو تماشائیوں کے پوچھنے پر
بلوائیوں نے کہا کہ یہ مال کرنیل گنج وسرائے لاٹھی محال وگدڑی بازار کے دکانداروں
کا ہے۔ اسی اثنا میں پرولیسی روڈ کے مسلم لاٹھی فروشوں کی دکانیں بھی لوٹنا شروع
ہوئیں ۴، ۵ بجے کے قریب ہندو بلوائیوں کے غول جو کانتے بلم، تلوار وغیرہ سے
مسلح تھے۔ رنجیت پوروہ، سبزی منڈی، بادشاہی ناکہ وکلیانہ کی طرف سے زیادہ
تعداد میں آنا شروع ہوئے اور سبزی منڈی، کا محاصرہ کر لیا۔ ایک سولہ
سالہ لڑکے مسمی عبدالرشید کو ۴ بجے شام کے میرے مکان کے قریب مارنا شروع
کیا جو بھاگ کر میرے دروازہ پر گر پڑا۔ میں نے اس کو پناہ دی اس واقعہ کے
دیکھنے کے بعد میں نے اپنے ۶ عزیزوں کو جو صرف تین مکانوں میں میرے پاس رہتے
تھے۔ اپنے مکان میں بلا لیا چونکہ میرا مکان لب سڑک واقع ہے خیال تھا کہ یہاں
پولیس آ جاوے گی تو امن رہے گا مسمی پچکوڑی مسماۃ جو کہ [illegible] اسٹیشن سے آ رہا
تھا قریب ۵ بجے شام کے میدان [illegible] منڈی میں [illegible] گیا وہ [illegible] کر میرے مکان پر آیا
اس نے کہا جو بڑھیا منڈی میں سوئی بیچتی [illegible] [illegible] مار ڈالا گیا [illegible]
نامی بادشاہی ناکہ کی طرف سے سخت مجروح اور خون آلود میرے مکان پر بھاگ آیا
اور دو آدمی دو بچوں کو جو بلوائیوں سے اپنے کو محفوظ رکھنا چاہتے تھے اور خوف زدہ
بھاگتے آئے میں نے ان کو پناہ دی اور دو شخص رنجیت پوروہ کی طرف سے زخمی ہو کر
میرے مکان کی طرف آئے میں نے ان کو بھی پناہ دی اور دو ہندو جو باشندے
لکھنؤ کے ہیں ایک کا نام جواہر اور ایک اس کا ہمراہی ان کو بھی اپنے مکان میں پناہ
دی جو ۱۰ مارچ کو صبح ۱۰ بجے کی ٹرین سے لکھنؤ واپس گئے قریب ۸ بجے شام کے
[illegible] بادشاہی ناکہ کی طرف سے آئے اور میرے مکان کی طرف سے گزرے
میں نے آگے جانے سے روکا لیکن ہندو آڑھتی کے یہاں کاروبار کرنے کی وجہ سے
یہ سمجھے کہ ہندو ہم پر حملہ نہیں کریں گے یہ لوگ جس وقت رائے صاحب [illegible] اس
آنریری مجسٹریٹ کے مکان کے قریب پہنچے ہندو بلوائیوں نے ان پر حملہ کر دیا دو
جان سے مار دیئے گئے اور ایک بھاگ کر جان بچا سکا مقتولین میں ایک کا نام محمد اکبر

قائم کی تھی جو کچھ عرصہ بعد لوٹ کر بادشاہی نالہ کے قریب چلی گئی۔

اس زمانہ کی یادگار میں اب تک ایک بہت عالی شان مسجد یہاں چلی آتی ہے۔ اور دو ایک مکان بھی مسلمانوں کے تھے۔ اسی کے قریب ایک مشہور مسلمان تاجر سنگ مرمر کی دکان اور گودام تھا۔ محلہ کی موجودہ حالت دیکھنے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یقینی طور پر سینکڑوں آدمیوں نے کئی دن تک متواتر باقاعدہ کام کیا ورنہ مینار کے اتنے بڑے بڑے ٹکڑے سڑک پر گھسیٹ کر نہ لے جا سکتے سنگ مرمر کے گودام میں پتھر کے بہت چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر دیئے گئے جس میں یقینی بہت سے آدمیوں کو کئی دن تک مشغول رہنا پڑا ہوگا۔

مسلمان مکان چھوڑ کر بھاگ گئے ان کا اب تک پتہ نہیں ملتا۔ مکان میں ایک کنواں ہے جس میں کچھ عرصہ تک بو آئی جس سے خیال ہوتا ہے کہ اس میں مسلمانوں کی لاشیں ضرور ڈالی گئی ہیں۔

پرمٹ

یہ آبادی دریائے گنگ کے گھاٹ کے سلسلہ میں بہت عرصہ سے قائم ہے اور سول لائن کے اندر شمار کی جاتی ہے۔ قریب قریب ہر پیشہ کے ہندو لوگ دریا کی قربت کی وجہ سے آباد ہیں کارخانوں اور انگریزوں کے بنگلے قریب ہونے کی وجہ سے اکثر مسلمان مزدور اور خانساماں وغیرہ بھی آباد ہو گئے تھے اور کچھ لوگوں نے چند مکانات بنا کر ایک مسجد بھی بنائی تھی۔ مسلمان اس محلہ میں دو جگہ آباد تھے۔ کچھ نالے پر اور کچھ مسجد کے قریب۔

۲۵۔ رات دس بجے سے ہندوؤں نے مکانوں کو جلانا لوٹنا اور بے بس مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کر دیا اور مہاتما گاندھی کی جے، بھارت ماتا کی جے اور مہابیر بجرنگ بلی کی جے کے نعرے لگانے شروع کر دیئے تاکہ مسلمانوں کے شور و غل کی آوازان کے نعروں میں دب جائے ہیں۔ نے اپنے مکان کی چھت سے مکانات کو جلتا دیکھ کر انگزیلری فورس کے ہیڈ کوارٹر کو ٹیلی فون کیا لیکن کمانڈنگ آفیسر نے یہ جواب دیا کہ پرمٹ ہمارے حلقہ سے باہر ہے۔ میں نے پولیس کو ٹیلی فون کیا تو کوئی جواب نہیں ملا۔ پھر پولیس لائن کو ٹیلی فون کیا لیکن وہاں سے جواب ملا کہ ہمارے لئے مستقل احکامات ہیں کہ

میں ان کو پناہ ملی۔ اب سیسہ مئو میں کوئی مسلمان نہیں ہے اور نہ کسی مسلمان کی ہمت جانے کی ہوتی ہے۔ اس آبادی سے تھوڑے سے فاصلے پر جانب مغرب ایک چھوٹی سی پسی مسجد تھی جو ہندوؤں نے شہید کر دی۔

بیان مسماۃ کلثوم

میرا نام کلثوم ہے اور میری عمر ۹ سال کی ہے۔ میرا باپ جس کا نام محمد دین تھا۔ بلوت سے ایک ماہ قبل برج بھوکن کے احاطے میں آکر۔ رہتا تھا۔ ۲۴ مارچ کو ہندوؤں نے احاطہ کا پھاٹک اینٹوں سے چن دیا اور کہا کہ بلاخوف تم لوگ رہو مگر باہر نہ نکلو۔ جمعرات کے دن ہندو زبردستی گھس آئے اور لکڑیاں سب سے چھین کر لے گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر آئے اور میرے باپ کو مار ڈالا حالانکہ اس نے بہت منت کی۔ کلو نے میرے باپ کو بلم سے چھید لیا اور شیو رام نے کاتتے سے کاٹ ڈالا تھا میری ماں اندھی تھی دوڑی مگر اس کو بھی ہندوؤں نے مار ڈالا۔ رحیم بخش بھی جو اسی احاطہ میں تھا مار ڈالا گیا۔ اس کے بعد ہندو اسباب لوٹ لے گئے اور اس کوٹھری پر جس میں میں اور میری دو چھوٹی بہنیں چھپی ہوئی تھیں آگ لگا دی۔

چٹائی محال

یہ محلہ بھی قریب قریب ہندوؤں سے آباد ہو گیا ہے اور پرانی مسلم آبادی کی یادگار میں ایک مسجد اور ایک بہشتی کا مکان باقی رہ گیا تھا۔ مسجد میں ایک امام صاحب اور بہشتی کے یہاں ۵ مرد اور عورتیں تھیں۔ ان میں سے ۲۴ مارچ کو مسجد پر حملہ کیا گیا۔ حجرہ کو توڑ کر کلام پاک اور دیگر مذہبی کتابوں کو جلا دیا گیا۔ بہشتی کے مکان کے مرد و عورت جو تھے مار ڈالے گئے۔ ان میں سے ایک مرد مسجد میں جا چھپا تھا مگر اس کو بھی ڈھونڈھ کر مار ڈالا اور مسجد ہی میں پھونک دیا بعد کو جلی ہوئی ہڈیاں ملیں مسجد کے قریب دو مسلمان مارے گئے جن میں سید نثار حسین صاحب کی لاش ایک ہفتہ کے بعد نالہ سے ہو کر دوسری جانب نکلی۔ دوسری لاش کا اب تک پتہ نہیں چلا۔

پرانی سبزی منڈی

سبزی منڈی کے واقعات کے سلسلہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ میاں امجد حسین کے بزرگوں نے چوک میں سرکار انگلشیہ کی طرف سے میوہ اور سبزی کی منڈی

آسئے۔ ۴۰ مرد اور ۳ عورتوں کو جو وہاں مقیم تھے قتل کرکے جلتے ہوئے مکانات میں ڈال دیا۔ ان مقتولین میں مسجد کے امام صاحب اور ان کی اہلیہ بھی شامل ہیں۔ مسجد کو بہت نقصان پہنچا اور کوئی مکان باقی نہیں رہا۔ کئی روز کے بعد شہیدوں کی ہڈیاں جلے ہوئے ڈھیروں سے نکالی گئیں۔

بہر باپر یعنی صدر بازار

یہ حصہ علاقہ چھاؤنی سے ملا ہوا ہے۔ پہلے یہ حصہ چھاؤنی میں شامل تھا مگر عرصہ سے میونسپلٹی میں شامل کر لیا گیا۔ یہاں سب سے دردناک واقعہ بولا گنج میں ہوا جو ایک مشہور بازار ہے۔ میاں اللہ رکھو کے والد اس بازار میں تمباکو کی تجارت کے سلسلہ سے آئے اور رفتہ رفتہ بازار کا ٹھیکہ لیا۔ اس بازار کا ٹھیکہ قریب ۴۰ برس تک ان کے پاس رہا اور انہوں نے اس بازار میں دو مکان بنوائے جن سے کافی آمدنی ہوتی تھی۔ عرصہ چار سال کا ہوا کہ ہندوؤں نے اتفاق کرکے بازار کا ٹھیکہ بہت قیمت بڑھا کر ان سے نکال لیا۔ اس بازار میں مسلمانوں کے مکان اور ایک مسجد تھی۔ مکانوں کے نیچے حصہ میں ہندو کرایہ دار تھے — اوپر کے حصہ میں میاں اللہ رکھو کے متعلقین رہتے تھے۔ ہنگامہ کے ایک روز قبل میاں اللہ رکھو اور ان کی بیوی ایک تقریب میں اپنے عزیز کے یہاں چلے گئے اور مکان میں ان کی خوشدامن و ایک بھتیجہ اور ایک ملازم رہ گئے۔

مسجد میں امام صاحب ان کے دو بھائی ان کے والد اور ایک موذن رہتے تھے۔ ۲۴ مارچ سے برابر ہندو آپس میں اتفاق رکھنے کی تلقین کرتے رہے اور مسلمانوں کو ہر طرح اطمینان دلا کر مکانوں میں رہنے کا مشورہ دیتے رہے۔ ۲۵ مارچ کو امام صاحب کے بھائی وغیرہ بھی مکان میں آگئے ۲۶ مارچ کی صبح کو یکایک ہندوؤں نے حملہ کیا اور دروازہ توڑ کر اندر گھس گئے۔ پہلے [illegible] کو قتل کیا اور [illegible] جتنے آدمی تھے سب قتل کئے گئے۔ دو لڑکے جو زخمی تھے اور مرے ہوئے معلوم ہوتے تھے کچھ [illegible]

پولیس لائن سے براہِ راست کہیں کوئی گارڈ نہ بھیجا جائے پولیس کی امداد سے مایوس ہو کر میں نے پھر انگریزی فورس کو ٹیلیفون کیا اور وہاں سے سواروں کا ایک دستہ گشت کے لئے آیا۔ اس محلہ کے ہندوؤں نے اس حملہ کے انتظامات مکمل کر لئے تھے بہ ایں طور کہ انہوں نے بہت سے آدمی چھتوں پر پہرہ دینے کے لئے لگا رکھے تھے اور جس وقت کسی موٹر کی روشنی نظر آتی تھی اطلاع دیتے تھے اور سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں چھپ جاتے تھے انگریزی فورس کا دستہ بازار سے ہوتا ہوا گذر گیا جہاں کوئی مسلمان آباد نہیں تھا جس کی وجہ سے کسی فساد کا نشان نہ ملا۔ اور وہ واپس چلا گیا۔

کرنیل میگو ہیز نے مجھے ٹیلی فون پر بلایا اور کہا کہ انہوں نے ایک دستہ پرمٹ بھیجا تھا بالکل امن تھا۔ میں نے انہیں سمجھایا کہ مسلمان بازار میں آباد نہیں ہیں اور یہ کہ ہندوؤں کے پہرہ داروں نے سواروں کے آنے سے پہلے ہر ایک کو مطلع کر دیا تھا۔ کرنیل میگو ہیز نے کہا وہ صرف گشت کے لئے سواروں کو بھیج سکتے تھے لیکن وہاں گارد متعین کرنے کی معذوری ظاہر کی۔ اس طرح تمام رات پرمٹ میں قتل وغارت کا بازار گرم رہا۔

مسجد سانگین

یہ مسجد قریب سو برس کی ہے۔ اس کا کتبہ اس قدر مٹی میں دبا ہوا ہے کہ صحیح تاریخ کا پتہ نہیں چلتا۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ اسے غدر کے قبل ایک مسلمان خاتون نے تعمیر کرایا تھا اور مسجد سے ملی ہوئی اراضیات پر بہت سے مکانات تعمیر کرا کر مسجد کے اخراجات کے لئے وقف کر دیا تھا۔ غدر کے بعد ایک عرصہ تک اس آبادی کا سلسلہ ناچ گھر وغیرہ کی مسلم آبادی سے تھا مگر قریب ۲۰ سال سے مسجد کے بعض متولیوں کی غفلت سے بہت کچھ آبادی کا حصہ ہندوؤں نے خرید لیا اور اب یہ ہر چہار طرف ہندو آبادی سے گھری ہوئی ہے۔ ہندو یہاں بہت متمول اور مالدار ہیں۔ اور یہاں کپڑا کی سب سے بڑی منڈی ہے۔ ہنگامہ کے دن مسجد کے احاطہ میں قریب ۲۰ مرد عورت رہتے تھے۔ ۲۴ مارچ کو بعض مسلمان خوف سے بھاگ گئے۔ مگر بعض مسجد کے خیال سے وہیں رہے۔ ۲۵ کو محلہ کے ہندو برابر اطمینان دلاتے رہے مگر ۲۶ کو دیکھے یکایک ہندو پھاٹک توڑ کر مسجد میں گ

احاطہ سوائی منگہ	۷	×	×	×	۷	۴
کابو کوٹھی	۱	۱	×	×	۲	۲
گھومنی محال	۱	×	×	×	۱	۴
بادشاہی ناکہ	۵	×	×	×	۵	۳
کلکٹر گنج	۳	×	×	×	۳	۷
مسجد سالکین	۴	۳	×	×	۷	۴
چمن گنج	۱	۱	×	×	۲	۳۲
سیسہ میو	۲	۲	×	×	۳	۱۴
تکیہ اکبر شاہ	۱	×	×	×	۱	۳۲
بہناتا پوردہ	۱	×	×	×	۱	۳۸
کنگھی محال	۲	×	×	×	۲	۴
کرنیل گنج	۱	×	×	×	۱	۲۳
علیکا پور	۲	×	×	×	۲	۱۹
جرنیل گنج	۱	×	۱	×	۲	۶
چھپک	۱	×	۱	×	۲	۵
پومٹ	۱۸	×	۱	×	۱۹	۱۴
مال روڈ	۱	×	×	×	۱	۲
انور گنج اسٹیشن	۲	×	×	×	۲	×
کٹشکانہ تلی بازار	۱	×	×	×	۱	۴
کٹری دریا گنگ	۹	۵	۲	۲	۱۸	۱۴
کلیان پور	۱	×	×	×	۱	×
مسوانپور	۵	×	×	×	۵	×
بربسٹ گھپاد	۵	۱	۱	×	۸	۲۹
گبرہا	×	۴	۱	۴	۹	۴
گبرہا	۷	۲	۱	۱	۱۰	۲
سیوندھا	۴	۱	۲	۱	۸	×

JAF & CO.
Plot # 4 ?/4 Q-2, Block-6,
PECHS. Near Jheel Park
Karachi.

شہدا کی محلہ وار تعداد دوکانات و مکانات جو جلائے یا لوٹے گئے

نوٹ:- واضح رہے کہ تعداد شہدا بالکل صحیح نہ مان لینا چاہیے کیونکہ ابھی تک اکثر مسافروں اور باہر کے رہنے والوں کے شہید ہونے کی خبریں ملتی ہیں مگر ان کا نام و پتہ نہ معلوم ہونے سے وہ شامل فہرست نہیں کئے گئے۔

نام محلہ	مرد	عورت	لڑکا	لڑکی	میزان	تعداد مکانات و دکانات جو جلائے یا لوٹے گئے
نیا گنج	۱	x	x	x	۱	۷
چوڑی محال	۲	x	x	x	۲	۳
اٹاوہ بازار	۱	x	۱	x	۲	۳
چٹائی محال	۴	۱	x	x	۵	۲
سڑک چٹائی محال	۲	x	x	x	۲	x
بنگالی محال	۱۱	۴	۲	۲	۱۹	۲۰
کوالٹولی	۲	۱	x	x	۳	۳۸
مغل سرائے	۵	x	x	x	۵	x
ارائیں محال	۱	x	x	x	۱	x
گاتیری محال	۳	x	x	x	۳	x
گدڑیہ محال	۱	۱	x	x	۲	x
نشتر خانہ	۲		x	x	۲	x
مولا گنج	۱۰	۱	x	x	۱۱	x
رنجیت پورہ سبزی منڈی	۱۴	۱	x	۲	۱۷	۷

مغل سرائے سے لیکر مولا گنج تک اہم مکانات و دوکانات لوٹے اور جلائے گئے۔

۶۔ مسجد پھولباغ		۴ دکانیں حجرہ جلادیں ۔ صحن گر گیا	۵۰۰ ا روپیہ
۷۔ مسجد پرمٹ	سب سامان جلادیا	دروازے کی برجیاں صحن کے اندر کے مینار کھود گئے	
۸۔ مسجد تنیانہ	ایضاً	صحن محراب، چھت وغیرہ	۱۰۰ "
واقع شترخانہ		کھودی ہے	
۹۔ مسجد سید مال	ایضاً	بالکل منہدم کردی	۲۵۰۰ "
۱۰۔ مسجد	ایک بڑا قالین	صدر دروازہ کھودا ہے برجیاں توڑیں	
چوک بزازہ	دو شامیانے	دو حجرے، دو دکانات جلادیں	۳۰۰۰ "
	۶ دریاں ۴ چاندنیاں	صحن کھودا ہے۔ حوض وغیرہ توڑا ہے	
	ایک عدد جھاڑ		
	۴ ا ہانڈیاں		
۱۱۔ مسجد	ہانڈیاں۔ جھاڑ	نیچے کی تین دکانیں جلائیں اور حجرہ	
چوک صرافہ	دریاں ۱۲ شامیانہ	جلا کر خاک کر دیا	۱۲۰۰ "
	جا نمازیں		
۱۲۔ مسجد	سب سامان	صدر دروازہ صحن چبوترہ ۔ چھجہ ۔ مینار	۵۰۰۰ "
چوڑی محال	جلا دیا	حوض کھود کر گرا دیا	
۱۳۔ مسجد		صدر دروازہ کھودا اور	۴۰۰ "
چٹائی محال	ایضاً	جلایا ہے	
۱۴۔ مسجد	فرش اور دوسری	مینار یں، دالان چھجہ وغیرہ	
چٹائی محال	ضروری اشیاء	کھود ڈالا ہے۔	۱۰۰۰ ا روپیہ
۱۵۔ مسجد		میناریں کھو کر گرادیں مسجد کے اندر اور باہر	
خاص بازار	ایضاً	کھود ڈالا۔ مسجد کی چار دکانیں جلادیں	۵۰۰
عقب شوالہ		صحن توڑا ہے۔	
۱۶۔ مسجد	ڈھائی سو کا سامان	دکانوں کے دس جوڑی دروازے جلادیے	
خلیفن عقب	ڈھائی سو نقد	کنگورے کارنس کھودی اور گرائی	۳۰۰۰
لوہار خانہ			
۔ مسجد برہمپاڑی	سب سامان	صدر دروازہ اور دکانوں کے دو جوڑی	
	جلا دیا	کواڑ پردے جلادیے۔ برجیاں مسمار کیں	۵۰۰ روپیہ

گھنشام پور	١	x	x	x	١	٢
میزان	١٤٢	٢٧	١٠	١٣	١٩٢	٣٧٠

نقصان رسیدہ مساجد کی فہرست

نام مسجد معہ محلہ	سامان جو لوٹا گیا	انہدام مسجد یا آتش زدگی	اندازہ نقصان
١۔ مسجد اٹاوہ بازار	دری چاندنی	حجرہ، سائبان جلایا اور کھود کر گرا دیا۔ برجیاں مینار گرا دیں۔ نیچے کی چار دکانیں جلا دیں جس سے مسجد کا صحن گر گیا	٢٠٠٠ روپیہ
٢۔ مسجد خورد بنگالی محال	تارکین اور چٹائی کی جانمازیں	مسجد کی چھت اور احاطہ مسجد جسمیں چار مکان ہیں جلا دیا	١٠٠٠ روپیہ
٣۔ مسجد کلاں بنگالی محال	ہانڈیاں، لیمپ گھڑیاں اور جانمازیں	مسجد کی صحن کی دکانیں دالان وغیرہ جلا دیا جس سے صحن گر گیا اور اندر باہر کھودا ہے۔	٣٠٠٠
٤۔ مسجد باندہ بازار	فرش اور دوسری ضروری اشیا	مینار یں، دالان، چھجہ وغیرہ کھود ڈالا ہے	١٠٠٠ روپیہ
٥۔ مسجد باندہ بازار متصل [illegible]		میناریں کھود کر گرا دیں مسجد کے اندر اور باہر کھود ڈالا صحن کی ٤ دکانیں جلا [illegible]	٤٠٠٠ روپیہ

۱۸. مسجد سرائے لاٹھی محال	تمام سامان لے گئے	چھجے دیواریں صحن وغیرہ کھودا اور گرایا	۴۰۰
۱۹. مسجد سرائے مغل	سب سامان جلادیا	سات دکانیں ایک حجرہ خاکستر ہوگیا	۱۲۰۰۰
۲۰. مسجد سیسہ میو		شرقی دروازہ کھود ڈالا [illegible]	۵۰
۲۱. مسجد سانکین	ایضاً	برجیاں صحن مینار کھودیں اور گرادیں	۱۰۰۰
۲۲. مسجد قلی بازار	ایضاً	چھجہ جلایا مینار [illegible] یا	۵۰
۲۳. مسجد گٹھریا محال	ایضاً	ایک ملحقہ وقف مکان جلایا اور مسجد کو کھودا	۵۰۰[?]
۲۴. مسجد گوالٹولی		تین دکانیں ایک حجرہ جلایا	۳۰۰۰
۲۵. مسجد گھسیاران منڈی	ایضاً	ایک مینار، گنبد، برجیاں، پیشاب خانہ دیواریں کھودیں اور گرائیں	۷۰۰
۲۶. مسجد مسلم اسکول			۵۰۰
۲۷. مسجد ناریل بازار	سامان جلایا	صدر دروازہ کتبہ، صحن کھودا جلایا	۵۰۰
۲۸. مسجد برہنس محال متصل [illegible]	ایضاً	برجیاں، دیواریں میناریں کھودیں اور گرادیں اور آگ لگائی	۵۰۰
۲۹. مسجد مولا گنج	مدرسہ کی کتابیں اور دیگر سامان		۱۰۰۰
۳۰. مسجد سبزی منڈی کہنہ	سب سامان لے گئے	میناریں، صحن، سائبان، دیواریں کھود کر گرادیں	۱۰۰۰
۳۱. مسجد انور گنج		برجیاں و مینارے وغیرہ توڑ دیے گئے	۱۰۰
۳۲. مسجد سیسہ میو		دروازہ نکال لیا سائبان توڑ دیا	۱۰۰

ختم شد

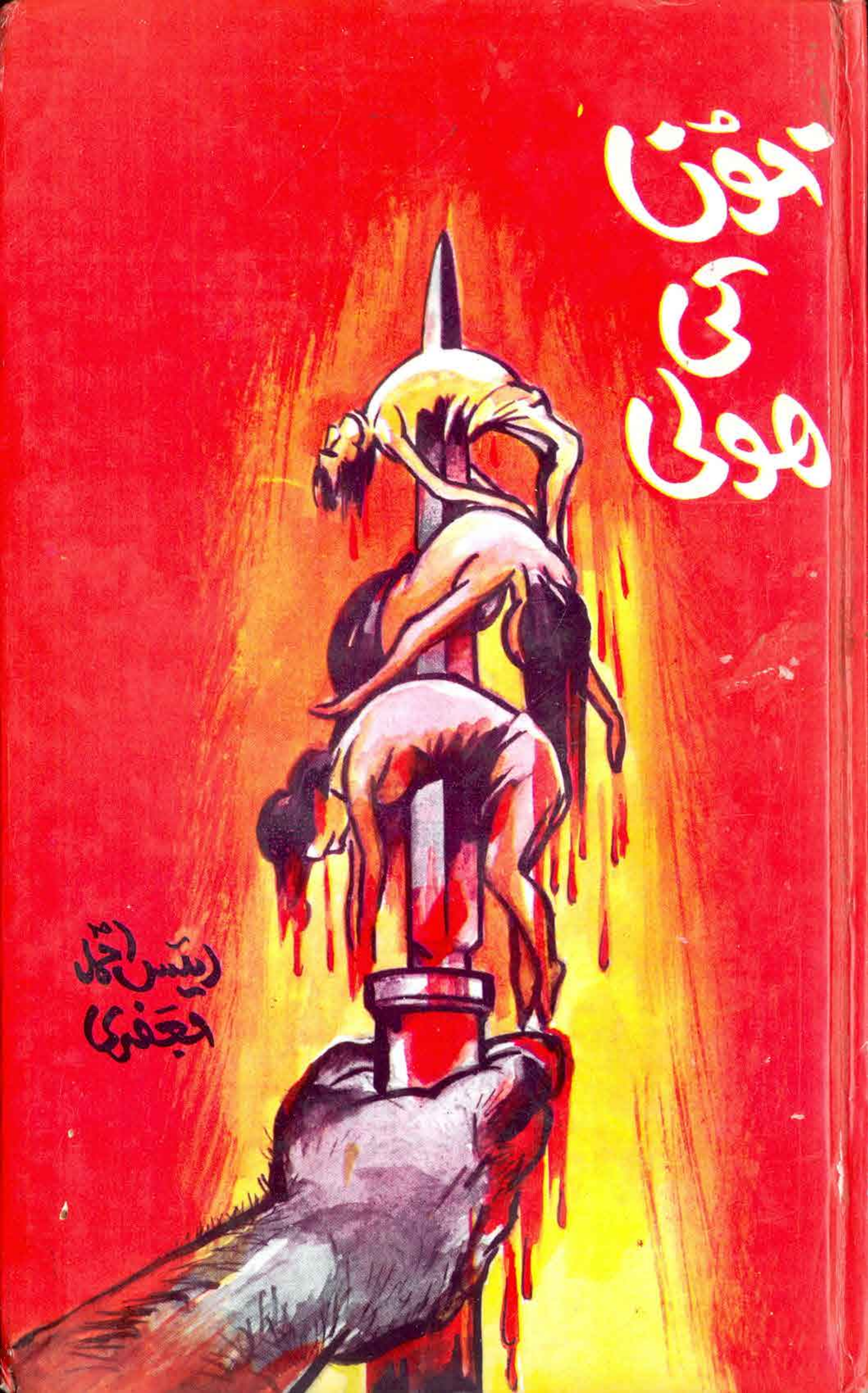
خون
کی
ہولی
رئیس احمد
جعفری